not found.
ection\zekr(khatati)\besme
(26).JPG not found.

زیر سرپرستی حضرت ولی عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف

found.

الصراط

جلد :۱
شمارہ :۲
رمضان المبارک
۱۴۳۲ھ
اگست ۲۰۱۱ء

مجلس تحریریہ
سید مراد رضا رضوی
مرغوب عالم عسکری
سید اعجاز مہدی
سید عباس باقری

نگراں
سید علی قلی قرائی

ترتیب و تصحیح
محمد عباس مسعود حیدر آبادی

ملنے کا پتہ
باب العلم لائبریری
علی نگر کالونی، کھیت بال شٹی
حیدر آباد دوکن آندھرا پردیش
موبائل: 9391312386

ناشر
الصراط فاؤنڈیشن
حیدر آباد دوکن
آندھرا پردیش، ہند

کمپوزنگ
منہال حسین

ٹائپنگ
آغا منور علی
مرزا ظہیر عباس

سرورق
ستار محمدی

۱۔اہل قلم حضرات سے تعاون کی گذارش ہے۔مضمون کا حجم ٹائپ شدہ صورت میں A4 کے ۵ صفحے یا قلمی صورت میں A4 کے دس صفحے پر مشتمل ہونا چاہیے۔موصولہ مضامین میں لازمی ترمیم اور تزئین کا ادارہ کو حق حاصل ہوگا۔
۲۔ناشر کا مقالہ نگار کی رائے یا نظریہ سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔مقالہ نگار اپنی رائے کا خود ذمہ دار ہے۔
۳۔الصراط میں چھپنے والے مضامین کو بغیر کسی تصرف کے حوالے کے ساتھ نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قیمت: ۴۰ روپے

فہرست

اداریہ .... محمد عباس مسعود حیدرآبادی ۴

مضامین

قرآنیات

قرآن مجید، استنباط احکام کا اہم ترین ذریعہ ...... حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی ۷
آداب تلاوت قرآن .... حضرت مولانا مفتی جعفر حسینؒ ۱۶
ہندو پاک میں تفسیر اور اس کا اسلوب .... حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسین صدرالافاضلؒ ۱۹

نہج البلاغہ

نہج البلاغہ میں عبادت اور عبادت گذار ...... آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہریؒ ۲۹

معارف

ماہ رمضان کا انمول تحفہ دعائے ابوحمزہ ثمالی .... مولانا سید مراد رضا رضوی ۳۶
امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی وصیت سے دو سبق ...... مولانا نور محمد ثالثی ۵۵
نماز عید اور اسکی دعاؤں میں عید کا پیغام ..... مولانا مرغوب عالم عسکری ۶۴
عصر غیبت میں مرجعیت کی ضرورت .... مولانا سید محمد فائز باقری ۷۹
عوام اور خواص قرآن و روایات کی روشنی میں .... ترجمہ: مولانا آغا منور علی ۸۹

تاریخ

ماہ رمضان کی تاریخی مناسبتیں .... مولانا مرزا ظہیر عباس ۱۱۰
حضرت خدیجہ علیہا السلام کی زندگی کا مختصر جائزہ .... مولانا سید اعجاز مہدی سیتاپوری ۱۱۸
مصائب امیر المؤمنین علیہ السلام .... ترجمہ: مولانا سید محمد جعفر زیدی ۱۳۲

سیاسیات

بحرین کا بحران ..... مولانا سید نجیب الحسن زیدی ۱۵۰

احکام

رؤیت ہلال ..... حضرت مولانا مفتی جعفر حسینؒ ۱۶۶
شرعی مسائل ..... نور اسلامک مشن ۱۶۹

منظومات

دعا ..... علامہ نجم آفندیؒ ۱۸۳
منقبت امام حسن علیہ السلام ..... حضرت میر ابراہیم علی حامی ۱۸۳
قطعات (روزہ) ..... معجز سنبھلی ۱۸۵
منقبت جناب خدیجہ علیہا السلام ..... وقار نگری ۱۸۶
مدح ابوطالبؑ ..... ممتاز میرٹھی ۱۸۷
مدح مولائے کائنات ..... مولانا عباس باقری نگری ۱۸۸
نوحہ شب ضربت ..... عالم لکھنوی ۱۸۹
نوحہ شب بستم ماہ صیام ..... عالم لکھنوی ۱۹۰
عید کس کی ہے؟ ..... حضرت باقر رضوی امانت خانی ۱۹۱
جنت البقیع کی یاد ..... ایک مسلم دل شکستہ کے قلم سے ۱۹۲
جشن بحرین کی آزادی کا برپا ہوگا ..... مولانا سید ندیم اصغر ۱۹۳
آپ کے تاثرات ۱۹۵

اداریہ

تمام مؤمنین کو ضیافت الٰہی کا یہ مہینہ رمضان مبارک ہو۔ یہی وہ بابرکت اور رحمتوں والا مہینہ ہے جو اللہ کے نزدیک تمام مہینوں سے افضل ہے۔ اس کے دن تمام دنوں سے افضل، اس کی راتیں تمام راتوں سے بہتر اور اس کے لمحے تمام لمحوں سے برتر ہیں۔ روزہ کا وجوب، قرآن کا نزول اور لیلۃ القدر اسی مہینہ سے متعلق ہیں۔ جہاں اس مہینہ میں امام حسن علیہ السلام کی پرمسرت ولادت کی تاریخ ہے وہیں پر وفات حضرت خدیجہ علیہا السلام اور حضرت ابو طالب علیہ السلام اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت کے ایام بھی ہیں۔

یہ مہینہ مسلمانوں کی تربیت کا مہینہ ہے۔ صبر و برداشت اور مفلسوں کی بھوک و پیاس کے احساس کا مہینہ ہے۔ اس مہینہ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کے اندر خدا کا خوف، آخرت کی جواب دہی کا تصور، تقویٰ، ضابطۂ اخلاق، احساس ذمہ داری، اطاعت کا جذبہ، روحانی پاکیزگی جیسے اوصاف نمایاں ہوں۔

لیکن افسوس ایسا لگتا ہے یہ مہینہ عبادتوں اور ریاضتوں کا نہیں بلکہ انواع و اقسام کی غذائیں کھانے اور ڈھیر ساری شاپنگ کا مہینہ ہے۔ اس مہینہ میں مالی اسراف کے علاوہ اسکے قیمتی اور مبارک لمحات بھی اسراف کی نذر ہو جاتے ہیں۔ لوگ رات بھر جاگ کر گپ مارتے ہیں اور سحری کھا کر دن بھر سوتے رہتے ہیں جبکہ ہمیں چاہیے کہ ماہ رمضان کا نظام الاوقات اس طرح ترتیب دیں کہ جس کا لمحہ لمحہ خدا کے بنائے گئے اصولوں کے مطابق صرف ہو۔ ہمیں اس مہینہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت اور نیک اعمال میں مشغول رہنا چاہیے کیونکہ اس مہینہ کے ہر عمل کی جزا عام دنوں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ اور اس کے تربیتی اثرات پائیدار ہیں۔

مثال کے طور پر روزہ ہی کو لے لیجیے کہ روزہ کے کتنے فائدے اور تربیتی اثرات ہیں۔ جو بندہ اللہ کے علیم و خبیر اور مالک یوم الدین ہونے کا یقین رکھتا ہے وہی اپنی بھوک، پیاس کی شدت اور جنسی خواہش کے ہیجان پر قابو پا سکتا ہے اور وہ قانون کے ڈنڈے اور پولیس کے پہرے کے بغیر اپنے ایمانی تقاضہ کی بناء پر اپنے فرض کو انجام دیتا ہے۔

روزہ ایسی عبادت ہے جس میں ریاکاری اور نمائش کا کم سے کم امکان ہوتا ہے۔ روزہ دار ضبط نفس اور اپنی خواہشات پر قابو پانے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ روزہ کی وجہ سے انسان میں جذبۂ شکر ابھرتا ہے اور اسے خدا کی

نعمتوں کی قدر ومنزلت معلوم ہوتی ہے اور یہی روزہ ہے جو انسان میں ہمدردی اور غمخواری کے جذبہ کو ابھارتا ہے۔

ہمدردی اور غمخواری کے جذبہ کے اظہار اور اللہ کی نعمتوں کے شکر کا اس سے بہتر رستہ نہیں ہے کہ کثرت سے یتیموں، بیواؤں، غریبوں اور مسکینوں کی مدد کی جائے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس مہینہ کے تقاضوں کو کامل خلوص اور لگن کے ساتھ پورا کرتے ہیں اور اس طرح اپنی دنیا و آخرت سنوارتے ہیں۔

رسالہ ''الصراط'' احکام الٰہی کی ترویج اور اسلامی اقدار کو زندہ کرنے کی ادنیٰ سی کاوش ہے۔ ''الصراط'' کا یہ دوسرا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں ایسے موضوعات کو اٹھایا گیا ہے جو موجودہ دور کے حالات اور ضرورت کے مطابق ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ مباحث علمی اور مستند ہوں اور انہیں نہایت سلیس بنا کر پیش کیا جائے۔ اس میں ہم کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ قارئین ہی کریں گے۔

علماء عظام اور مؤمنین کرام کے شفاہی اور مکتوب تأثرات سے کافی ہمت ملی جس کے نتیجہ میں ماہ رمضان کا یہ خصوصی شمارہ نسبتاً ضخیم اور پچھلے شمارہ سے کہیں زیادہ بہتر انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اہل قلم افراد سے گذارش ہے کہ مختلف تاریخی، ادبی اور مستند علمی مضامین کے ذریعہ رسالہ کو بہتر سے بہتر بنانے میں ہمارا ساتھ دیں۔

جو مخلوق کا شکریہ ادا نہیں کرتے وہ خالق کا شکر بھی ادا نہیں کرتے۔ اسی لئے جن افراد نے ماہ محرم کے خصوصی شمارہ میں مالی تعاون فرمایا ہے اراکین الصراط ان کے بے حد مشکور ہیں۔ بالخصوص مولانا مرزا ظہیر عباس صاحب و اہلیہ محترمہ، جناب پُرنور رضا صاحب (کاکینا ڑا) اور جناب سید علی حسین زیدی صاحب (حیدرآباد) کہ جنہوں نے بر وقت مالیہ فراہم کر کے رسالہ کے منظر عام پر آنے میں ہمارا ساتھ دیا۔ خاص طور سے جناب میر شجاعت علی صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی بے حد ضروری ہے جنہوں نے چاپ کے تمام مراحل کو تن تنہا طئے کیا۔

اراکین الصراط موجودہ رسالہ کی چھپوائی میں جناب ڈاکٹر عباس علی خاں اور جناب سید اسد علی خاں (مقیم شکاگو)، اسی طرح نواب سید علی شہباز (تہران) اور نواب سید عباس علی خاں (حسینی کوٹھی) کے مالی تعاون کے لئے بے حد ممنون ہیں اور ان افراد کی مزید توفیقات کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہیں۔

موجودہ دور کی مہنگائی میں ایسے علمی امور کا انجام دینا کس قدر سخت ہے اس کام کو انجام دینے والے بہتر جانتے ہیں۔ چنانچہ چاپ اور کاغذ کی مہنگائی کے سبب اور آئندہ اس کام کو جاری رکھنے کے لئے اس رسالہ کی مختصر قیمت رکھی گئی ہے۔ امید ہے کہ مؤمنین رسالہ کی خریداری کے ذریعہ ہمارا تعاون فرمائیں گے۔ ترتیب کار و مُصحح: محمد عباس مسعود حیدرآبادی

مضامین

قرآن مجید، استنباط احکام کا اہم ترین ذریعہ

حضرت آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی دامت برکاتہ

ترجمہ: محمد عباس مسعود حیدرآبادی

یہ مضمون حضرت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کی کتاب ''دائرۃ المعارف فقہ مقارن'' سے لیا گیا ہے۔

احکام الٰہی کا اہم ترین اور بنیادی ترین منبع و مدرک قرآن ہے، قرآن عقائد، تاریخ، اخلاق اور احکام کا مجموعہ ہے احکام سے مربوطہ حصہ کو اصطلاح میں آیات الاحکام یا احکام القرآن کہتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ قرآن میں من جملہ پانچ سو آیتیں احکام سے مربوط ہیں۔(۱) لیکن بعض یہ مانتے ہیں قرآن کی اکثر آیات کسی نہ کسی جہت سے استنباط احکام میں کام آتی ہیں کبھی صریح طور پر احکام کا ذکر ملتا ہے اور کبھی استنباط کے ذریعے انہیں کشف کیا جاتا ہے استنباط میں کبھی ایک آیت کو دوسری آیت سے ملا کر حکم مشخص کیا جاتا ہے(۲) اور کبھی کسی آیت کو ایسی روایت کہ جس میں اس کی تفسیر بیان کی گئی ہو اضافہ کیا جاتا ہے اور احکام استنباط کئے جاتے ہیں لیکن ہماری نظر میں یہ بات ایک قسم کی مبالغہ آرائی ہے۔

''کشف الظنون'' میں احکام القرآن کی سب سے پہلی کتاب شافعی کی کتاب مانی گئی ہے(۳) جب کہ ابن ندیم نے ''الفہرست'' میں کلبی کی ''احکام القرآن'' کو پہلی کتاب شمار کیا ہے(۴) ابونصر محمد بن سائب بن بشر بن کلبی امام صادقؑ کے اصحاب اور مذہب امامیہ کے بزرگ دانشمندوں میں شمار ہوتے ہیں شیخ آقا بزرگ تہرانی اپنی کتاب ''الذریعہ'' میں ندیم کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ احکام القرآن کے سلسلہ میں سب سے پہلی کتاب محمد بن سائب کلبی نے لکھی نہ کہ شافعی نے اس لئے کہ محمد بن سائب کلبی کی وفات ۱۴۶ ہجری میں ہوئی جب کہ شافعی نے ۱۵۵ ہجری میں وفات پائی۔(۵)

آیات الاحکام سے مربوط کتابیں تو بہت زیادہ ہیں نہ جانے تاریخ کے نشیب و فراز میں کتنی کتابیں تباہ و

برباد ہوگئیں کہ جن کا کہیں صرف نام موجود ہے اور بعض کے تو نام بھی نہیں معلوم انہی تباہ شدہ نایاب کتابوں میں "النهایه فی تفسیر خمس منه آیة" ہے کہ جس کا ذکر صاحب کنزالعرفان نے مکرر اپنی کتاب میں کیا اور اس سے مطالب بھی نقل کیے ہیں (۶) بہر حال قرآن سے متعلق تین مباحث ہمارے مدنظر ہیں۔

۱۔صدور قرآن کی بحث یعنی یہ ثابت کرنا کہ قرآن خدا کی جانب سے ہے۔

۲۔عدم تحریف قرآن کی بحث۔

۳۔احکام واستنباط پر قرآن سے استناد و دلیل پیش کرنا۔

قرآن اللہ کا کلام ہے

"قرآن اللہ کا کلام ہے" یہ بحث ایک کلامی بحث ہے جس میں شواہد و دلائل کی روشنی میں یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ قرآن کو اللہ کی طرف سے وحی مانتے ہیں جو اس نے اپنے حبیب، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کی ہے، وقت نزول پیغمبر ﷺ کو یہ یقین حاصل تھا کہ یہ کلام اللہ کی جانب سے ہے اور بعد از نزول پیغمبر اکرم ﷺ بغیر کسی کم و کاست کے اسے لوگوں تک پہنچایا کرتے اور ان پر تلاوت کرتے تھے اس وقت سے آج تک قرآن میں کوئی تغیر و تبدل اور کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے آج جو کتاب ہمارے ہاتھ میں ہے وہ وہی حقیقی قرآن اور اللہ کا واقعی کلام ہے یہاں تک کہ بعض افراد کے عقیدہ کے مطابق آیات وسور کی ترتیب اور ان کا آغاز و اختتام سب اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے قرآن نازل ہوا تھا اور یہ وہی قرآن ہے جسے خدا نے جبرئیل امین کے ذریعے پیغمبر امین پر نازل کیا تھا۔(۷)

قرآن کے وحی الٰہی ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے قرآن صرف معنی و مفہوم کے اعتبار سے وحی ہے بلکہ اس کے تمام الفاظ بھی اللہ ہی کی جانب سے ہیں یہیں سے قرآن اور روایات کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے اس لئے کہ اکثر احادیث عیناً پیامبر اکرم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے کلمات نہیں ہیں بلکہ اصحاب نے پیامبر سے جو کچھ سنا اسے اپنے الفاظ میں نقل معنی کیا ہے ائمہ علیہم السلام نے عبارات و الفاظ میں تغییر کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ معنی و مفہوم میں کوئی تبدیلی نہ ہونے پائے۔(۸) فقہائے امامیہ محدثین اور اکثر اہل سنت احادیث میں نقل معنی کو جایز جانتے ہیں فقط اہل سنت کے بعض محدثین اسے جایز نہیں جانتے۔

لیکن قرآن میں نقل معنی جایز نہیں ہیں اسی وجہ سے پیغمبر خدا ﷺ نے تمام آیتوں کو ویسے ہی

بیان کیا ہے جیسے وہ نازل ہوئی تھی یہاں تک کہ وہ آیتیں جس میں خدا نے صرف پیغمبر کو خطاب کیا ہے اور کلمہ قل کے ذریعہ رسول کو مورد خطاب قرار دیتے ہوئے اپنے پیغام کو پہنچایا ہے اور یہ کہا ہے "قل ھو اللہ احد" اے رسول ! آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے یہاں پیغمبر خدا اگر چاہتے تو کلمہ قل کو حذف کر کے فقط پیغام کو لوگوں تک پہنچا دیتے اور کہتے ھواللہ احد (اللہ ایک ہے) لیکن پیغمبر جب لوگوں کے لئے آیات کی تلاوت کرتے تھے تو جیسے آپ نے آیت کو دریافت کیا ہے ویسے ہی بغیر کسی حذف و اضافہ کے اسے لوگوں تک پہنچاتے تھے اس لیئے کہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ قرآن سے کسی کلمہ کو کم یا زیادہ کرے یا فقط نقل معنی کرے۔(۹)

رسول ﷺ کی جانب سے عدم تحریف کی دوسری مثال کہ جس میں خدا نے فرمایا:

لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا (۱۰)

اور دوسری جگہ فرمایا:

وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا(۱۱)

پہلی آیت میں لتنذر سے پہلے واو نہیں ہے اور دوسری آیت میں واو کا ذکر ہے پیغمبر نے اس دو قسم کی وحی کو حفظ امانت کے ساتھ بغیر کسی تغیر کے لوگوں تک پہنچایا ہے۔

علم کلام اور علوم قرآن میں بے شمار دلائل ہیں کہ جس کے ذریعہ حقانیت قرآن کو ثابت کیا گیا ہے حقانیت اس معنی میں کہ موجودہ قرآن جو ہمارے درمیان ہے یہ وہی قرآن ہے جو پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہوا تھا اس مطلب کو صدر اسلام سے لے کر آج تک اعجاز قرآن کو تواتر کے ذریعے ثابت کیا جاتا رہا ہے۔ مرحوم جواد بلاغی نے وجوہ اعجاز کی تعداد بارہ (۱۲) اور صاحب مناہل العرفان نے چودہ اور بعض نے جیسے کہ سیوطی نے "معترک الاقران" میں ۳۵ وجوہ اعجاز بیان کیے ہیں۔(۱۳)

عدم تحریف قرآن

تمام اسلامی محققین خواہ شیعہ ہوں یا سنی سبھی کے نزدیک زمان نزول سے لے کر آج تک قرآن میں ذرہ برابر تحریف نہیں ہوئی ہے آج جو قرآن ہمارے درمیان ہے یہ وہی قرآن ہے جو پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ قرآن میں احتمال تحریف ان شبہات میں سے ہے جس کی کوئی اساس نہیں ہے یہاں تحریف سے مراد قرآن میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی ہے اور قرآن اس قسم کی تحریف سے محفوظ ہے۔

تحریف کے بارے میں جو روایات آئی ہیں ان میں سے بعض ضعیف اور بعض تحریف معنوی اور بعض کلمات اور جملات قرآن کی تفسیر کے معنی میں ہے۔(۱۵)

بعض حضرات یہ تصور کرتے ہیں کہ تحریف کی یہ روایات صرف شیعوں کی کتابوں میں ہیں جبکہ ایسی روایات برادران اہل سنت کی کتابوں میں بھی نظر آتی ہیں مثال کے طور پر آپ صرف مسند احمد کی جلد اول اور صحیح ترمذی کی جلد پنجم کی طرف رجوع کیجئے تو یقیناً آپ ہمارے دعوی کی تصدیق کریں گے لیکن یہ روایات مذکورہ مطالب کے علاوہ کتاب خدا اور سنت معتبر کے سراسر خلاف ہے کیونکہ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں باطل کا گزر بھی نہیں ہے چنانچہ خداوند عالم سورہ فصلت میں ارشاد فرماتا ہے:

لَایَأْتِیهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلاَ مِنْ خَلْفِهِ(۱۶)

یہ آیت قرآن میں ہر جہت سے باطل کے نفوذ کا انکار کرتی ہے (جس میں تحریف بھی شامل ہے) پس قرآن بطور مطلق نفوذ باطل کا انکار کر رہا ہے زمان نزول اور اس کے بعد کسی بھی فرد یا گروہ کے ذریعہ قرآن میں تحریف ہونا ناممکن ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ(۱۷)

اس کے علاوہ حدیث ثقلین میں قرآن اور عترت پیغمبر ﷺ کا حوض کوثر تک ساتھ ہونا اور مسلمانوں کو روز قیامت تک ان سے تمسک کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن رہتی دنیا تک تحریف سے پاک ومنزہ ہے کیونکہ تحریف شدہ کتاب کی مطلقا پیروی کا حکم کوئی کسی کو نہیں دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تحریف کا دعوی اسلام کے رکن اساسی سے جنگ کرنا ہے اور افسوس کہ بعض مغرض افراد مسلمانوں میں تفرقہ افکنی اور ایجاد اختلاف کی خاطر اور وحدت کی دلسوز آواز کو دبانے کے لئے ہمیشہ فتنہ برپا کرتے رہتے ہیں اور اختلافی مسائل کو ہوا دے کر اتحاد کی فضا کو خراب کرتے ہیں وہ ہمیشہ بعض اسلامی مذاہب کو عقیدہ تحریف کے حوالے سے متہم کرتے ہیں اور جب بھی انہیں موقع ملتا ہے وہ اس مسئلہ کو پیش کرنے سے باز نہیں آتے ہیں اور وہ نہیں جانتے ہیں کہ دوسرے مذہب کی اس کے ذریعہ مخالفت کرنے سے وہ خود تو قوی نہیں ہوں گے لیکن ناخودآگاہ قرآن کی تضعیف اور شبہ تحریف کو زندہ کرنے کا باعث بنیں گے یہاں پر جو چیز مسلم ہے وہ یہ ہے کہ

فریقین کی اکثریت تحریف کی مخالف ہے اور اسے رد کرتی ہے اسی لئے کسی بھی اسلامی فرقہ کی طرف تحریف کی نسبت نہیں دی جاسکتی اور وہ قلیل جماعت جو عقیدہ تحریف پر اڑی ہوئی ہے ان کا عقیدہ عدم تحریف کے محکم و متقن دلائل کے آگے بالکل بے اساس ہوجاتا ہے ۔

بھلا وہ کتاب کیسے تحریف کا شکار ہوگی جسے آغاز نزول سے لیکر اب تک نماز اور غیر نماز، خلوت وجلوت میں صبح وشام قرائت کیا جاتا رہا ہے اور جس کتاب کو ہر دور میں ہزاروں حافظوں نے حفظ کیا ہو خود نزول کے وقت چالیس افراد نے اس وحی الٰہی کو لکھا ہو جس کتاب میں مسلمانوں کی ضرورت حیات وممات سے متعلق ہر طرح کی تعلیمات موجود ہو اور وہ اس عظیم کتاب سے ہر روز استنباط واستفادہ کرتے ہوں، ایسی کتاب کی تحریف کا تصور جہل و غفلت اور نادانی کی دلیل ہے ۔

نصوص اور ظواہر قرآن کی حجیت

گذشتہ بحث میں روشن ہوگیا کہ قرآن مجید صدور کے لحاظ سے قطعی ہے اب ہماری بحث دلالت قرآن کے بارے میں ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کی آیات قابل فہم ہیں لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ سارے کا سارا قرآن دلالت کے لحاظ سے قطعی اور یقینی ہو اس لئے کہ خود قرآن نے آیات کو محکم اور متشابہ میں تقسیم کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ (۱۸)

جس میں سے کچھ آیتیں محکم اور واضح ہیں جو اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں ۔

لیکن آیات متشابہ کو آیات محکمات کی روشنی میں تفسیر کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ خود محکمات بھی دو قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں:

۱۔بعض نصوص اس حد تک اپنے معنی پر کے اوپر واضح طریقہ سے دلالت کرتے ہیں کہ ان میں اختلافی معنی کا تصور بھی محال ہے ۔

۲۔اور بعض نصوص ظواہر کے لحاظ سے ظنی الدلالہ ہیں ۔(۱۹)

اہم بحث انہی ظواہر کی حجیت کے بارے میں ہے ۔تمام علمائے اسلام ظواہر قرآن کو فی الجملہ حجت مانتے ہیں گرچہ بعض اخباریوں (☆) نے حجیت ظواہر کو موردتردید قرار دیا ہے (۲۰) ان کی باتوں سے یہ سمجھ میں آتا ہے

ظہور قرآن بطور مطلق حجت ہے لیکن قرآن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی ظہور واقع نہیں ہوا ہے اور جو ظواہر قرآن شمار ہوتے ہیں وہ درحقیقت متشابہات ہیں کہ جسے ہم ظواہر سمجھ بیٹھے ہیں۔

حجیت ظواہر کے دلائل

کلی طور پر الفاظ قرآن کے ظواہر کا حجت ہونا مسلمات میں سے ہے کہ جس پر کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں پھر بھی حجیت ظواہر پر دو دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ ارتکاز عقلا

عام طور پر لوگ گفتگو کے دوران جو الفاظ اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں وہ انہی الفاظ کے ظواہر پر اعتماد کرتے ہیں معاملات کی اسناد عدالت کے مقدمات ایک دوسرے کے درمیان معاہدات و دستاویزات اور استدلال میں انہی ظواہر پر اعتماد کیا جاتا ہے اور رہر قائل کے ظواہر سخن کو فائدہ اور نقصان میں حجت قرار دیا جاتا ہے شارع مقدس نے بھی اہل سخن کے اس طریقہ کی تردید و مخالفت نہیں کی اور لوگوں سے گفتگو میں کسی نئی روش کو ایجاد نہیں کیا ہے بلکہ انہیں کے طریقہ کی تائید کرتے ہوئے ظواہر قرآن کو حجت قرار دیا ہے۔

۲۔ وضع الفاظ

حقیقت و مجاز کنایہ و استعارہ کا مقصد افہام و تفہیم اور ایک دوسرے کی بات کو سمجھنا اور سمجھانا ہے چنانچہ اس کے لئے وضع لغت اور اس کے قوانین کو مترتب کیا گیا اب اگر ظواہر کو حجت قرار نہ دیا جائے تو وہ عمل خلاف مقصد لازم آئے گا پس ظواہر قرآن حجت ہیں۔(۲۱)

حجیت ظواہر قرآن اور اخباری مسلک

جو ظواہر قرآن کی حجیت کو مسلم مانتے ہیں ان کا کہنا ہے ظاہر قرآن حجت ہے مگر یہ کہ ظواہر کی تاویل تخصیص یا نسخ پر کوئی دلیل موجود ہو۔(۲۱) اس بحث کو شیعوں نے اپنی علم اصول کی کتابوں میں مفصل طریقہ سے بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ وہ فکر ہے جو اخباری مسلک کے درمیان پیدا ہوئی ان کا کہنا تھا کہ ظواہر قرآن سے احکام استنباط کرنا ناممکن ہے۔ سو وہ کہتے ہیں متعدد روایات ہیں جس میں قرآن کی تفسیر اور اس سے احکام کے استنباط سے منع کیا گیا اس لئے ہمارے سامنے بس ایک راستہ ہے کہ ضروریات دین کے علاوہ تمام امور میں صرف روایات معصومین پر کان دھریں ان کی تعبیر کے حساب سے ''سماع الصادقین'' پر گامزن رہیں (۲۳) اور وہ کبھی کہتے ہیں: قرآن کا علم

صرف پیغمبر ﷺ اور ائمہ علیہم السلام سے مخصوص ہے اس لئے قرآن کے حقیقی مخاطب وہ ہیں نہ کہ دوسرے لوگ اس لئے فہم قرآن میں لازم ہے کہ ان کی جانب رجوع کیا جائے (۲۴) علمائے امامیہ نے اخباریوں کے اس عقیدہ کی شدت سے مخالفت کی اور ان کا جواب دیا لیکن افسوس کہ بعض افراد اخباریوں اور غیر اخباریوں کے درمیان فرق نہیں کرتے ہیں ۔وہ اخباریوں کی خاص فکر کو تمام مکتب اہل بیتؑ کے علماء کی جانب نسبت دیتے ہیں ۔اس موضوع سے مربوط روایات کی تحقیق اور دانشمندان شیعہ کی آراء کو جاننے کے بجائے بعض مخصوص روایات کو اکٹھا کر کے بلکہ ان روایات کو کانٹ چھانٹ کر کے بغیر کسی تحقیق اور دوسری روایات سے موازنہ کئے بغیر اور مخصوص ومقید یا ناسخ ومعارض کی توجہ کے بغیر اخباریوں کے عقیدہ قرآن کو تمام علماء شیعہ کی جانب نسبت دیتے ہیں اور اسے مذہب اہل بیتؑ کے مسلم عقائد میں شمار کرتے ہیں ۔(۲۵)

عجب تو یہ ہے کہ اہل سنت نے انہی کتابوں میں سے ایک کتاب میں قرآن کے بارے میں مطالب کی نسبت شیعوں کی جانب دی اور اس کا حوالہ اخباریوں کی کتاب مشارق الشموس الدریہ سے دیا ۔(۲۶)

بہر حال اخباریوں نے روایات کے ظواہر سے استدلال کیا جب کہ کوئی بھی روایت ان کے دعوی پر دلالت نہیں کرتی انہی میں سے وہ روایات بھی ہیں جو تفسیر بالرای کی نفی کرتی ہیں ۔(۲۷) جب کہ ظواہر قرآن جو کہ ادبیات عرب کے مطابق ہیں اور سب کے لئے قابل فہم ہیں اسے چھوڑ کر اپنے خواہشات اور میلانات کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنے کو تفسیر بالرای کہتے ہیں بعبارت دیگر اپنے افکار اور اپنے فرضیات کو قرآن پر تحمیل کرنا جایز نہیں ہے اور اس بات کا ظواہر قرآن سے کوئی ربط نہیں ہے ۔

یا وہ روایات جو کہتی ہیں فہم قرآن صرف پیامبر ﷺ اور ائمہ معصوم علیہم السلام سے مخصوص ہے ۔(۲۸) ان روایات کا اشارہ متشابہات اور بطون قرآن کی جانب ہے نہ کہ ظواہر قرآن کیونکہ ائمہ اہل بیتؑ بارہا اپنے اصحاب کو قرآن کی جانب رجوع کرنے کا حکم دیتے اور تشویق فرماتے تھے یہاں تک کہ تعارض روایات کی صورت میں فرماتے جو حدیث قرآن سے مطابقت رکھتی ہو اسے لے لو اور جو حدیث ظاہر قرآن کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو (۲۹) ہم بعض احادیث میں پڑھتے ہیں: جس وقت ایک راوی نے کسی مسئلہ میں امام سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

یعرف ھذا و امثالہ من کتاب اللہ عزوجل (وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ) (۳۰)

ترجمہ: یہ اور اس قسم کے مطالب کو قرآن کریم کے ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور تمہارے لئے دین میں کوئی سختی نہیں ہے۔

یا جس وقت راوی نے امام سے پوچھا آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ سر کے ایک حصہ کا مسح ،وضو میں کافی ہے آپ

نے فرمایا:

لمکان الباء

اس آیت میں موجود حرف با کی بنا پر جو وضو کی آیت میں موجود ہے

وَامْسَحُوا بِرُئُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (۳۱)

کیونکہ حرف با باء تبعیض ہے اور بعض کے معنی میں ہے۔(۳۲)

حجیت نصوص اور ظواہر قرآن کا مسئلہ اتنا واضح ہے کہ اس میں کسی طولانی گفتگو کی گنجائش نہیں ہے اور اخباری مسلک کے افکار ونظریات اس دور میں متروک ہو چکے ہیں اور حوزہ ہای علمیہ میں آج ان افکار کا کوئی خریدار نہیں ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اخباری مسلک کے افکار کا شمار منقرض اور نابود شدہ عقائد میں ہوتا ہے۔

(☆): یہاں اخباری مسلک سے مراد وہ گروہ ہے جسکا اپنا علمی مبنی تھا نہ کہ وہ ٹولہ جو آج کل اخباری مسلک کا لیبل لگا کر اپنی بے بنیاد اور بے اساس باتوں کو اخباری علماء سے منسوب کر رہا ہے۔(مترجم)

منابع:

(۱)۔الاتقان، ج 4، اللباب فی اصول الفقہ، ص ۵۱۱

(۲)۔اللباب فی اصول الفقہ، ج ۲، ص ۵۱

(۳)۔کشف الظنون ج ۱ ص ۲۰

(۴)۔الفہرست ص ۱۰۸

(۵)۔الذریعہ ج ۱ ص ۴۰

(۶)۔مقدمہ کنز العرفان مولف واعظ زادہ خراسانی ص ۱۱

(۷)۔اصول الفقہ ج ۲ ص ۱۵

(۸)۔الفوائد الحایریہ، وحید بہبہانی، ص ۲۸۴

(۹)۔معالم الدین، ص ۲۰۳

(۱۰)۔شوری/۷

(۱۱)۔انعام/۹۲

(۱۲)۔آلاء الرحمن ج ۱ ص ۴۸۔۳۳

(۱۳)۔مناہل العرفان ج ۲ص ۴۷۵ کے بعد

(۱۴)۔معترک الاقران ج ابتدا سے آخر تک

(۱۵)۔اس کی کامل توضیح کتاب انوار الاصول ج ۴ ص ۳۴۰ پر ملاحظہ کیجئے

(۱۶)۔فصلت/ ۴۲

۱۷)۔حجر/ ۹

(۱۸)۔آل عمران/ ۷

(۱۹)۔الاتقان ج ۲ص ۹

(۲۰)۔الفوائد المدنیہ ص ۴۷۔الفوائد الحائریۃ ص ۲۸۳

(۲۱)۔انوار الاصول، ج ۲ ص ۳۲۳

(۲۲)۔المہذب فی اصول الفقہ المقارن، ج ۳، ص ۱۲۰۲

(۲۳)۔الفوائد المدنیہ ص ۴۷

(۲۴)۔ہدایۃ الابرار ص ۱۵۵

(۲۵)۔اصول مذہب شیعہ الاثنی عشریہ، ج ۲ ص ۱۵۵ کے بعد

(۲۶)۔موقف الرافضہ فی القرآن، ص ۳۶۲

(۲۷)۔وسائل الشیعہ، ج ۱۸ ،ابواب صفات القاضی باب ۱۳ ، ح ۷۹/۶۶/۲۸

(۲۸)۔سابقہ حوالہ، ح ۱۵/۱۲/۱۰/۹/۶/۳

(۲۹)۔سابقہ حوالہ

(۳۰)۔حج/ ۷۸

(۳۱)۔مائدہ/ ۶

(۳۲)۔وسائل الشیعہ، ج ۱ باب ۲۳ ابواب وضوء، ح ۱

❀❀❀

آداب تلاوت قرآن

از افادات: حضرت مولانا مفتی جعفر حسینؒ
تلخیص وتصرف: محمد عباس مسعود حیدرآبادی

حضرت مولانا مفتی جعفر حسینؒ ۱۹۱۴ء میں پاکستان کے گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں لکھنؤ گئے جہاں مدرسہ ناظمیہ کے بزرگ اساتذہ سے کسب علم وفیض کیا۔ ۱۹۳۵ء میں حوزہ علمیہ نجف اشرف گئے جہاں آپ پانچ سال تک فقہ واصول کے دروس میں شرکت کرتے رہے ۱۹۴۰ء میں نجف سے واپس ہوئے۔

مفتی جعفر حسینؒ ایک جید، نڈر، بے باک، راست گو عالم دین اور ایک سادگی پسند انسان تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو دینی خدمات انجام دی ہیں وہ قابل رشک واحترام ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو علمی خدمات انجام دی ہیں ان میں نہج البلاغہ، صحیفہ کاملہ کا اردو ترجمہ اور سیرت امیر المؤمنینؑ کے عنوان سے ایک کتاب قابل ذکر ہے۔ آپ پر جو بھی مذہبی فرائض عائد ہوئے آپ نے انہیں ہمیشہ لگن، محنت اور دیانتداری سے انجام دیا۔ آپ پھیپھڑے کے سرطان (کینسر) مبتلا ہوگئے تھے جسکی وجہ سے ۲۹/ اگست ۱۹۸۳ء کو آپ کا انتقال ہوگیا۔

صحیفہ کاملہ کی شرح سے "آداب تلاوت قرآن" کا اقتباس مختصر تصرف کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

قرآن مجید پند ونصائح، حکم ومواعظ، عبر وامثال اور احکام شریعت کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے اسے پڑھنا، سننا اور اس پر غور وفکر کرنا ہماری زندگی کا معمول ہونا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاقْرَئُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن (مزمل/۲۰)

"جتنا بآسانی قرآن پڑھ سکو پڑھ لیا کرو"

تلاوت کا مقصد صرف یہ نہیں کہ زبان پر الفاظ قرآن جاری ہو جائیں بلکہ ان الفاظ کے ذریعہ قرآن کی تعلیمات دل ودماغ میں محفوظ ہو جائیں اور اخلاقی وروحانی افادیت اور علمی وعملی بصیرت کا باعث ہوں اور زندگی کو حق وصداقت

کے سانچے میں ڈھال دے۔

آداب تلاوت

مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے ضرورت ہے کہ تلاوت کے موقع پر ان آداب وشرائط کو ملحوظ رکھا جائے جو اس مقصد میں معین ثابت ہوتے ہیں۔ یہ آداب کچھ ظاہر سے متعلق ہیں اور کچھ باطن سے

ظاہری آداب

۱۔تلاوت کے وقت باوضو اور رو بہ قبلہ ہو اور ادب واحترام سے قرآن مجید کو کھول کر سامنے رکھے اور تلاوت کرے۔

۲۔تلاوت سے پہلے کہے اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ 0 بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۳۔آواز کو نہ زیادہ اونچا کرے اور نہ زیادہ دھیما البتہ اگر ریا کاری کا اندیشہ ہو تو پھر چپکے چپکے پڑھے۔

۴۔مخارج حروف کا لحاظ رکھے۔

۵۔وقف کے محل پر وقف کرے اور ٹھہر ٹھہر کر اس کے جملے ادا کرے۔

۶۔ممکن ہو تو خوش الحانی سے تلاوت کرے پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِقْرَؤا الْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَ اَصْوَاتِهَا وَاِيَّاكُمْ (وَ لُحُوْنِ) اَهْلِ الْفِسْقِ وَ اَهْلِ الْكَبَائِرِ (جامع الاخبار، ص ۴۹)

قرآن، عرب کے لحن اور لب ولہجہ میں پڑھو اور فاسقوں گنہگاروں کے طرز لحن میں نہ پڑھو۔

۷۔عذاب وعید کی آیتوں کی تلاوت کے موقع پر اللہ کے غضب سے پناہ مانگے اور جہاں نعمتو بخشائش کا ذکر آئے تو دامن پھیلا دے اور جب دعا واستغفار کے سلسلہ میں کوئی آیت آئے تو دعا واستغفار کرے۔

۸۔آیہ سجدہ پڑھے تو فوراً سجدہ کرے۔

۹۔تین دن سے کم عرصہ میں پورے قرآن کو ختم نہ کرے۔

۱۰۔جب کوئی سورہ ختم کرے تو کہے:

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَ بَلَغَ رَسُوْلُهُ الْكَرِيْمُ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِهٖ وَبَارِكْ لَنَا عَنْهُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

۱۱۔جب پورے قرآن کو ختم کرے تو دعائے ختم القرآن پڑھے۔

آداب باطنی

وہ آداب تلاوت جن کا تعلق ضمیر ووجدان اور باطن سے ہے یہ ہیں۔

۱۔قرآن مجید کی عظمت وتقدیس کو نظر میں رکھے کہ یہ کتاب جو لوح محفوظ کی زینت تھی جو ملک امین کے ذریعہ نبی کریم کے قلب مبارک پر نازل ہوئی۔

اگر یہ عظمت دل میں گھر کر لے تو فکر ونظر کی راہ آسان ہو جائے گی اور ایسی ذہنیت تشکیل پائے گی جو اخلاق و روحانیت کے اثرات کو قبول کرنے پر آمادہ کر دے گی۔

۲۔قرآن نازل کرنے والے کی عظمت وجلال کا تصور کرے۔

جب خدا کی عظمت سے متاثر ہو کر تلاوت کی جائے تو اس کے قصص وامثال اور حکم ونصائح پوری طرح دل و دماغ کو متاثر کریں گے۔

۳۔**رقت قلب:** سوز وگداز، رقت قلب اور خضوع وخشوع کے ساتھ تلاوت کرے۔

۴۔**شیطانی وساوس سے دوری:** شیطانی وساوس اور خطرات اور فاسد خیالات کو اپنے دل سے دور رکھے۔

۵۔**تدبر:** تلاوت کے وقت قرآن مجید کے ہر گوشہ پر نظر رکھے اور اس کے مطالب ومضامین کو سمجھنے کے بعد انہیں ذہن نشین کرے اور صرف ظاہر معنٰی کے جاننے پر اکتفا نہ کرے بلکہ جن آیتوں میں اسماء وصفات اور مختلف افعال کا تذکرہ ہے ان میں غور وتدبر کرے۔

۶۔**موانع فہم قرآن سے دوری:** جو اندھی تقلید کا شکار ہو جاتا ہے اسمیں ایک مسلک کی جنبہ داری پیدا ہو جاتی ہے چاہے وہ کتنا ہی غلط کیوں نہ ہو۔اسکا وتیرہ بن جاتا ہے اور قرآن کے واضح مفہوم کو نظر انداز کر کے خود ساختہ مطلب کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ثابت کرنا طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔

جیسا کہ اس دور میں خود ہم شاہد ہیں کہ لوگ قرآن کی من مانی تفسیر کرتے ہوئے ایسے ایسے مطالب کو قرآن سے منسوب کر رہے ہیں جن کا تعلق بالکل بھی قرآن سے نہیں ہے۔اور اس طرح عمداً تفسیر بالرأی کے مرتکب ہو کر بھولے بھالے مومنین کو بہکا رہے ہیں اور اس پر لطف یہ کہ اپنے اس عمل کو خدمت دین سمجھ کرا سے ریکارڈ کر کے عام کر رہے ہیں۔اندھی تقلید کے علاوہ فکری جمود، گناہوں پر اصرار، سطحی انہماک تلاوت کی افادیت کو ختم کر دیتا ہے۔

۷۔قرآن کے حکم ومواعظ، قصص وامثال پر غور کرے جب تہدید وسرزنش والی آیتوں کی تلاوت کرے تو اس پر خوف وہراس چھا جائے اور رحمت ومغفرت اور نعیم جنت کا تذکرہ ہو تو اسکے اندر امید ورجا اور مسرت وانبساط کی روح دوڑنے لگے وہ تلاوت کے وقت خود کو خدا کے حضور میں سمجھے۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم قدرت اپنے کلام کے اندر اپنی مخلوقات کے لئے جلوہ گر ہے لیکن وہ دیکھتے نہیں ہیں۔

❀❀❀

ہندو پاک میں تفسیر اور اس کا اسلوب

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسین صدرالافاضلؒ

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسین صدرالافاضلؒ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ عابدیہ کٹرہ ابوتراب خان میں حاصل کی اور لکھنو کی عظیم دینی درسگاہ سلطان المدارس میں مولانا سید محمد حسینؒ، مفتی سید احمد علیؒ، مولانا سید محمد سعیدؒ، مولانا سید ابن حسن نونہرویؒ جیسے علماء سے میزان شعب سے رسائل ومکاسب تک درس لے کر صدرالافاضل کی سند حاصل کی۔ اسی دوران الہ آباد اور لکھنو کی یونیورسٹیوں سے علوم شرقیہ کی اسنادلیں۔

۱۰/جولائی ۱۹۵۰ء کو لکھنو چھوڑ کر پاکستان پہنچے تو محققوں، مصنفوں اور ادیبوں نے سر آنکھوں پر بٹھایا۔

ان کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے جن میں سے کچھ کے ترجمے مختلف زبانوں میں بھی ہو چکے ہیں۔ ۱۹۹ کتابیں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں خود ان کے کتب خانے میں موجود ہیں۔

جہاں وہ بلند پایہ قلم کار تھے وہاں عمدہ خطیب بھی تھے۔ ۱۹۷۶ء سے جولائی ۱۹۸۵ء تک ایران کے تین سفر کئے۔ اس دوران کچھ عرصہ تہران میں قیام کیا اور وہاں ''توحید'' نام کے ایک تحقیقی سہ ماہی اردو مجلّہ کے بانی مدیر بھی رہے۔ ۲۳/اگست ۱۹۸۷ء کو اس دارفانی سے دار بقاء کی طرف انتقال فرمایا۔

مولانا کا یہ نادر مقالہ ''ہند و پاک میں تفسیر اور اس کا اسلوب'' اہمیت وافادیت اور ماہ رمضان کی مناسبت کے پیش نظر قارئین کی نذر کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

مکہ قدیم الایام سے عرب کا مرکزی شہر تھا۔ اس کی دو خصوصیتیں اسے دنیا کے دوسرے شہروں سے ممتاز کرتی تھیں۔ ایک خانہ کعبہ کا وجود دوسرے حبشہ و ہند و سندھ و شام کے تاجروں کی سالانہ منڈی کا اجتماع۔ حج کے موقع پر دور دراز کے بت پرست، صبائی، یہود و نصاریٰ مذہبی رسوم اور تجارتی مقاصد کے لئے یہاں جمع ہوتے تھے۔ مذہبی چرچے، مقامی قصے، سماجی تبادلہ افکار و مشاہدات اور مختلف اقوام سے روابط کی تجدید عمل میں آتی تھی۔ مکہ کا قدیم تاریخی اور سماجی نظام جیسا بھی تھا مختلف طاغوتوں اور استعماری طاقتوں کے ہاتھوں ایک بڑے تصادم سے اس وقت دوچار ہوا جب ابرہہ نے

یمن کے اقتدار اعلیٰ کی نمود و نمائش کے لئے مکہ پر حملہ کیا۔اس وقت مکہ سے زیادہ خانہ کعبہ تباہی و بربادی کے قریب نظر آتا تھا۔

عین اس سیاسی و استعماری بحران کے موقع پر نور حق چمکا اور ابراہیمؑ بت شکن کے خانوادہ عالی سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ رحمت خدا بن کر نمایاں ہوئے اور دیکھتے دیکھتے لوگوں کے لئے قبلۂ دل و جان بن گئے۔

حضرت ابو طالبؑ نے کہا:

وَابْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِفَيْضِهِ ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلاَرَامِلِ (☆)

حملۂ ابرہہ کو چالیس سال گزرے تھے کہ فضائے مکہ کو محمدؐ امین و صادق کے وزنی کردار نے ہلا دیا۔امیوں کی بستی، خیال باف شاعروں کی آبادی اور خانہ جنگی میں مبتلا قبائل میں یہ چرچا عام ہوگیا کہ عبداللہ کا فرزند ابو طالبؑ کا بھتیجا کہتا ہے کہ اس پر کلام خدا اترتا ہے۔وہ پڑھنے لکھنے کی دعوت، بن دیکھے اللہ کو ماننے کی ہدایت کرتا اور دیوی، دیوتا، طاغوت اور وہمی خداؤں کا انکار کرنا سکھاتا ہے۔

وحی کا نزول مکے میں ہوا،عقیدۂ توحید،اخلاق،امر بمعروف اور نہی عن المنکر کا سبق شروع ہوا،ثواب وعقاب،حشر ونشر کی بات ہوئی۔پہلے تو شہر والوں نے پیام سنا،پھر اس کا چرچا غیروں تک پہنچا۔حج کے موقع پر دور دراز سے آنے والے تاجروں،قوموں،سیاستدانوں،مختلف مملکتوں کے مختلف النوع عقائد وافکار کی ترویج کرنے والوں،رنگا رنگ عقیدے رکھنے والوں نے بھی بات سنی،کسی نے تعجب کے ملے جلے انداز سے خبر سنائی،کسی نے تمسخر وطعن سے قصہ بیان کیا۔کچھ لوگوں نے ہمدردوں کی زبانی واقعات سنے اور کچھ خوش نصیبوں کو آیات قرآن سننے اور ان کا مدعا سمجھنے کا بھی موقع ملا۔ایسا بھی ہوا کہ خود رسول اللہ ﷺ آیات کی تلاوت فرماتے اور اس کی تفصیلات بیان کرتے اور باہر کے لوگ سنتے۔یوں آغاز نزول وحی کے زمانے سے آیات کا مطلب مختلف زبانوں اور مختلف لہجوں میں بیان ہونا شروع ہوگیا۔ان میں کچھ ذمے دار ترجمان ہوں گے جن کے نام آگے چل کر سب نے سنے۔سلمان فارس کے،بلال حبش اور صہیب روم کے تھے۔ان کی غیر عرب زبانوں سے واقفیت کا تقاضہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہم زبانوں کو بات سمجھائی ہوگی لہذا قرآن کی تفسیر کا دوسری زبانوں میں ہونا یقینی ہے۔اسی طرح یہود و نصاریٰ جو عبرانی و سریانی،حبشی زبانوں کے واقف تھے۔

تفسیر کا نیا موڑ

یا اپنے مذہب کے بچاؤ کی خاطر قرآن مجید کا مطلب بدل کر سناتے اور ان میں جو مسلمان ہوجاتے۔وہ بڑی سختی سے ان غلط تعبیروں کا جواب دیتے۔اس طرح ابتدائی دور میں تفسیر میں جدل و بحث کا دخل ہوگیا۔

وحی کے نزول کو ابھی پانچ برس پورے نہ ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گروہ جو سو سے زیادہ زن و مرد پر مشتمل تھا، حبشہ بھیج دیا۔ نجاشی نے قریش کے نمایندوں کی شکایت کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی اور مہاجرین کے سربراہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضوان اللہ علیہما کو دربار میں طلب کیا۔ اس وقت دربار میں ارکان سلطنت، علمائے نصاریٰ اور نمایندگان مشرکین عرب جمع تھے۔ بادشاہ نے جعفر سے پوچھا تمہارا نیا عقیدہ کیا ہے؟ انہوں نے سورۂ مریم کی آیتیں تلاوت فرمائیں۔ بادشاہ نے جواب میں کہا کہ اس کے عقیدے میں حضرت عیسیٰؑ اور مریم ایسے ہی ہیں۔ جیسے محمدؐ کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ نجاشی کے دربار میں عربی جاننے والے کم اور حبشے کی زبان جاننے والوں کی کثرت تھی، بادشاہ کی زبان بھی عربی نہ تھی۔ اس لئے ترجمان اسلام نے جو آیتیں پڑھیں ان کے ترجمہ و تفسیر کے لئے مقامی زبان استعمال کی ہوگی۔

قرآن مجید کی تفسیر کا آغاز، نزول قرآن کے وقت سے دو مقاصد کے تحت ہوا۔ ایک تزکیۂ نفس جسے خود سازی کہہ لیجئے یہ کام خود رسول اللہ ﷺ نے انجام دیا۔ اس پر " وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ "(آل عمران/۱۶۴) دلیل ہے۔

دوسرے غیر عربی زبان والوں اور غیر مکی افراد کے لئے افہام معانی و تفسیر مطالب کا معتبر ذریعہ مسلمان تھے۔ مسلمانوں پر واجب تھا کہ پیغام خدا اور احکام رسول اللہ ﷺ دوسروں تک پہنچائیں۔ آنحضرت ﷺ روحی لہ الفدا نے یمن اور متعلقہ عرب علاقوں میں اپنے آدمی بھیجے اور حبشے میں اپنا بھائی بھیجا جو مدت تک وہاں قرآن اور اس کے تعلیمات کا بیان کرتا رہا۔ اس سے مسلمانوں کو تفسیر کے لئے سنت کا حوالہ ملا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ حبشہ کی زبان امہری اور اس کے قریبی افریقی علاقے کی زبان بربری تھی۔ قرن اول یا دوم میں قرآن کا ایک ترجمہ بربری میں پھر فارسی میں ہوا (اگست ۱۹۶۸ء رسالہ (FRANC ISLAM)۔

قدیم تاریخ عرب کے واقف کار جانتے ہیں کہ سندھ و ہند، بلکہ ساحل بحر عرب و ہند کے رہنے والے مدتوں سے تجارتی سفر کرتے اور دیبل و سورت و کھمبات کی بندرگاہوں سے عربوں اور ہندی اقوام سے گونا گوں روابط رکھتے تھے۔

اسلام کی توسیع کے ابتدائی زمانے میں یہ تاجر اسلام کے تعلیمات کی خبریں لے کر برصغیر میں آچکے تھے اور جب ابتدائی خلافت میں قندھار و کابل و ملتان و دیبل و الرور میں مسلمان تاجر یا سیاست دان یا مبلغ یا فوجی وفود آئے تو انہوں نے قرآن بھی پڑھا اور پوچھنے والوں یا دوستوں کو اس کے معانی و مطالب بھی سمجھائے اس وقت ان کا لہجہ حملے کے

بجائے دوستانہ اور جدل کے بجائے صرف پیام پہنچانے والا تھا۔

تاریخی حوالے بتاتے ہیں کہ مسلمان سندھ کے بعض علاقوں میں آباد تھے اور ان کا مرکز حکومت "منصورہ" نامی نو آباد شہر تھا۔ جہاں تیسری صدی ہجری میں ایک عرب خاندان حکومت کرتا تھا۔ سنہ ۲۷۰ ہجری مطابق سن ۸۸۳ عیسوی میں عبداللہ ابن عمر بن عبدالعزیز نامی حکمران (۱) نے اپنے پڑوسی ہندو راجہ مہروک بن رائنک / رائق والی "الرا" کی فرمائش سے قرآن مجید کی تفسیر لکھوائی، بزرگ بن شہریار کے عربی سفرنامے عجائب الہند (۲) کی روایت کے مطابق یہ کام ایسے عراقی الاصل عالم نے انجام دیا جو سندھ میں پلا بڑھا تھا تفسیر زبان "ہندیہ" میں لکھی۔ "ہندیہ" سے مراد سنسکرت بھی ہوسکتی ہے۔ جو یہاں کی علمی زبان تھی اور سندھی بھی جو عوام کی بولی تھی۔ یہ تفسیر کم از کم برصغیر میں پہلی تفسیر ہے جو بزرگ بن شہریار کے زبانی حوالے پر تاریخ تفسیر نویسی کا جز بنی۔ تعلیم قرآن کو سادہ طریقے سے سمجھانے والا اسلوب ہی پہلا اسلوب تفسیر تھا۔

محمود غزنوی کی فتح ہند سے پہلے اور بعد میں کسی تفسیر کا نام نہیں ملتا۔ صرف یہ معلوم ہے کہ سید محمد اسماعیل بخاری تفسیر کے بہت بڑے عالم لاہور میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔ ان کی وفات ۴۴۸ھ/ ۱۰۵۶ء میں ہوئی (۳)

اب تک مسلمانوں کے پاس بڑی تفسیریں لغوی اور روایتی مباحث سے آگے نہیں بڑھی تھیں۔ ابن جریر طبری اور شیخ ابو جعفر طوسی (متوفی ۴۶۰ھ)، جاراللہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) اور فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کی تفسیروں نے استدلال و فلسفہ وعقائد کے تفاصیل کا راستہ دکھایا اور برصغیر میں مسلمانوں کو ریاست و سیاست کے تجربوں سے دوچار ہونے کا موقع ملا، ثقافت نے قدم جمائے اور فکر نے انگڑائی لی، درس تفسیر و مباحث کے مکتب کھلے تو نور اللہ شوستری شہید ثالث (متوفی ۱۰۱۹ھ) نے بیضاوی پر حاشیہ کے علاوہ متعدد موضوعات پر الگ الگ تفسیری بحثیں لکھیں یہاں سے مقامی اختلافی مسائل نے تفسیر کو ایک نیا موڑ اور نیا اسلوب دیا یعنی استدلال اور بحث۔

ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) وہ نامور مصنف ہیں جنہوں نے تفسیر کے تقلیدی دور کو نئی اور سیاسی وسماجی رخ پر لانے کی طرف قدم بڑھایا، ان کی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" اور "حجۃ اللہ البالغۃ" نے سیاسی بحثوں کا آغاز کیا۔

تیرھویں صدی میں انگریز ہندوستان پر قابض ہوگئے۔ اب تک مسلمانوں کی علمی زبان عربی اور فارسی تھی اور ان کے علوم و تصانیف ان ہی زبانوں میں تھے عربی و فارسی زبان میں لکھی ہوئی تفسیروں کے مخاطب بھی مسلمان

تھے۔حیرت کی بات ہے کہ اس عہد کی تفسیر میں ہندو فلسفہ وافکار و تاریخ نیز سیاسی وثقافتی رجحانات کا کوئی اثر نہیں ملتا۔

خلاصہ یہ کہ تیسری ہجری سے گیارہویں ہجری تک برصغیر میں تفسیر کا مقصد اور اسلوب تھا کہ:

۱۔اپنوں اور غیروں تک قرآن اور اس کا سادہ مفہوم پہنچانا مگر مخاطب مسلمان تھے۔

۲۔اختلافی مذاہب کے عقائد وفقہ پر روشنی ڈالنا اور اپنے مذہب کی تائید۔

۳۔صرفی نحوی قرائتی بحث اور ربط آیات وسورات پر گفتگو۔

۴۔نسبتاً کلامی فلسفہ اور ادبی بحث،مفسرین کے آراء ومباحث،مفصلات میں شیعہ وسنی مجادلے۔

۵۔عرفانی اور صوفی رنگ واسلوب۔

۶۔تفسیر کی زبان عربی یا فارسی ہونی چاہیے کا رجحان۔

انگریزوں کی آمد سے دو اثر نمایاں ہوئے ایک تو عیسائیوں نے تبلیغ کے لئے اپنی کتابیں عوام میں پہنچانا،لکھنا اور چھاپنا شروع کیں۔جن میں مسلمانوں پر قرآن مجید کے ترجمے اور اس پر اعتراضات بھی ہوتے۔جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو دفاع کا انتظام کرنا پڑا۔

یہاں پر یہ بات واضح رہے کہ میں عربی سے کسی دوسری زبان میں ترجمے کو تفسیر اس لئے قرار دیتا ہوں کہ اس میں قرآن کے الفاظ سے پردہ اُٹھا کر غیر عرب کو مطالب کے چہرے دکھائے جاتے ہیں۔دوسرے ترجمہ کرنے والے اپنی معلومات کو مفہوم قرآن سمجھ کر کبھی حاشیے اور کبھی متن میں قوسین کے ساتھ بیان کرتے ہیں جیسے قدیم ترین مفسرین کا عمل تھا۔

ابھی تک ہندی،سنسکرت،سندھی اور پنجابی میں ترجمے کو بے ادبی بلکہ حرام سمجھا جاتا تھا لیکن جب انگریزوں نے ہندوستانی زبان اور رومن رسم الخط میں قرآن کا ترجمہ چھاپا اور مسلمان مجبور ہوئے اور انہوں نے بھی پہلے اپنے عوام کے لئے پھر دوسروں کے جواب میں اُردو ترجمے،تفسیریں اور مقدمات تفسیر لکھ کر اصل حقائق واضح کئے۔بعض حضرات نے بخیال خود اسلام اور عیسائیت میں مفاہمت پیدا کرنا چاہی۔اس کام میں شہرت سرسید احمد خان بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو حاصل ہوئی۔وہ انگریزی افکار وثقافت سے مرعوب ہوئے اور کہا کہ ہمیں یورپ سے ٹکر لینے کے بجائے مفاہمت کی راہ اختیار کرنا چاہیے۔ظاہر ہے کہ انگریز فاتح تھا اس سے کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر برابری کے ساتھ صلح ممکن نہ تھی اس لئے تفسیر پر ذہنی شکست کی ایک چھاپ لگی اور کتاب مقدس سے قرآن کو ہم آہنگ کرنے کی طرف پیش قدمی ہوئی۔

سرسید احمد نے ''مکاتبات الخلان''(۴) اور ''تحریر فی اصول التفسیر''(۵) پھر براہ راست آیات قرآنی کی

تفسیر اردو میں لکھنا شروع کر دی جس سے پورے ملک میں ہیجان پیدا ہوگیا۔ انگریزوں نے اسے خوش آمدید کہا اور مسلمانوں نے اسے مسترد کیا۔ اسی دور میں سید جمال الدین اسد آبادی ہندوستان آئے اور انہوں نے سر سید احمد خان کے افکار کے خلاف تقریر وتحریر کے ذریعہ مسلمانوں کو ہوشیار باش کی صدا دی۔ سر سید کی تفسیر نے علماء میں ایک نئی لہر پیدا کی اور شیعہ سنی دونوں نے ان کے جواب میں کام شروع کیا۔ اسی کو ہم فن تفسیر میں نہضت کا دور کہتے ہیں اس کے دوستون تھے ایک حالات سے مفاہمت قرآن کے ذریعہ اور دوسرے مسلمانوں کی بیداری واستقلال قرآن کے ذریعہ۔

مفاہمت کی طرف لے جانے والوں کے قائد چراغ علی و سر سید تھے اور ان کی مخالفت میں فن تفسیر میں عبد الحق حقانی اور سید علی محمد تاج العلماء وغیرہ آگے آگے تھے۔ عرب میں محمد عبدہ، رشید رضا اور شیخ جواد بلاغی کا موقف بھی نئے افکار سے تصادم اور ان کی تردید کے ساتھ دفاعی انداز کے بجائے مقابلہ کی للکار کا لہجہ آیا، مسلمان بیداری کے نئے دور میں داخل ہوئے۔ مصر وعراق کے علماء نے اسلام کی توانائی کا اعلان کیا اور مسلمان میدان میں اترے تو برصغیر کے مسلمانوں نے بھی انگڑائی لی یہاں کے جوان اور یورپ کے تعلیم یافتہ لوگ بھی طاقت آزمائی کے لئے تیار ہوئے۔ ان کے نقیب شاعر مشرق علامہ اقبال کے اشعار نے عوام کو دعوت تدبر فی القرآن دی۔

تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست زیر گردوں سر تمکین تو چیست؟
آن کتاب زندہ قرآن حکیم حکمت او لایزال است و قدیم
نوع انسان را پیام آخریں حامل او رحمۃ للعالمین
از جہانبانی نواز دساز او مسند جم گشت پا انداز او

اور دوسری جگہ کہا:

رمز قرآن از حسینؑ آموختم
ز آتش او شعلہ ہا اندوختم

قیام پاکستان سے پہلے برصغیر میں تفسیر نویسی کے رجحانات جو کھل کر سامنے آئے وہ کم از کم یہ ہیں (بارہویں صدی ہجری سے چودہویں صدی تک غلامی اور آزادی کا عہد ہے اس دور میں پہلے)

ا۔ استعماری افکار کے دباؤ اور اس کے رد عمل کا اظہار ہوا۔

۲۔اتحادِ ملت اور دشمن سے مقابلہ کی تیاری کا عمل شروع ہوا۔

۳۔تفسیر کا لہجہ بدلا، اسلوب بیان اور انداز فکر میں تبدیلی آئی، مفاہمت و دفاع کا تیور اُبھرا۔

۴۔اسلام کے نظام حکومت اور اس کے مسائل پر بحث چھڑی تو....قرآن کا نظام سیاست، قرآن کا نظام حکومت، قرآن مجید کا نظام اقتصاد جیسے موضوعات پر بحث ونظر نے وسعت حاصل کی۔قرآن کا مطالعہ نئے سوالات کا جواب تلاش کرنے کے لئے ضروری بھی تھا۔کیونکہ قرآن مجید ہی مسلمانوں کی اصولی رہنما کتاب ہے۔

پاکستان کے قیام نے فکر کو ایک نیا اُفق دیا اور قرآن مجید کا مطالعہ دو الگ زاویوں سے شروع ہوا، ایک سرسید کا دبستان، دوسرے سید جمال الدین اسد آبادی کا دبستان کم وبیش نصف صدی سے اس انداز میں تفسیری کام ہو رہا ہے۔علامہ شیخ عبدالعلی ہروی تہرانی اور علامہ اقبال پھر ان کے بعد والوں نے اہل علم کو جو دعوت دی تھی اس نے پھیلاؤ اور گہرائی حاصل کی اور اس وقت پاکستان میں تفسیر پر بڑی تیزی سے کام ہو رہا ہے۔

پندرہویں صدی ہجری کا سورج، انقلاب اسلامی ایران کو سلام کرتا ہوا مسلمانوں کے اُفق پر اُبھرا، یہ انقلاب خالص اسلامی نظریات کی ان درس گاہوں سے اُٹھا ہے جہاں صدیوں سے موت کو لبیک تو کہا گیا مگر دوسرے نظریات زندگی کو قبول نہیں کیا گیا۔جن لوگوں نے صرف قرآن، رسول اُور آل رسول کی ثقافت وفکر سے عہد وفا باندھا ہے غیر کی بیعت تو کیا ہاتھ میں ہاتھ دیکر بھی چلنا گوارا نہیں کیا۔اس انقلاب میں قرآنی تعلیمات اور تفسیر کے قرآنی مطالب کو ذہنوں میں جاگزین کرنے کا سب سے بڑا دخل ہے۔یہ انقلاب اور بحمدہ تعالیٰ اس ہفت سالہ کامیاب زندگی (☆) اور عملی مظاہرے نے دنیا کو مشاہدات کے ذریعہ سمجھا دیا کہ اسلام زندہ وپائندہ دین ونظام زندگی وسیاست وریاست ہے اور قرآن اس کی اساس ہے۔مجھے کہنے دیجئے کہ اسلامی انقلاب قرآن مجید کی ایک عملی تفسیر ہے۔جس کا حیرت آفرین اثر پوری دنیا پر عموماً اسلامی دنیا پر خصوصاً ان پاکستان پر اس کے نظریاتی مملکت ہونے کی حیثیت سے بہت زیادہ ہے۔

میں برصغیر میں قرآن پر تفسیری عملی کا ایک جائزہ انسائیکلوپیڈیا آس اسلام پنجاب یونیورسٹی لاہور میں پیش کر چکا ہوں۔یہ کتاب اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کے نام سے چھپ چکی ہے۔احباب اسے ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔اس مقالہ میں میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ برصغیر کے مسلمانوں نے ترجمہ وتفسیر کا کام اردو، فارسی عربی اور انگریزی میں اس قدر کیا ہے کہ ارباب نظر کو اہمیت معلوم رہے۔

فارسی چونکہ اہل علم اور عوام کے لئے ایک بڑے طبقے کی زبان تھی اس لئے پہلے تفسیر وترجمہ کا کام فارسی میں

ہوا۔فارسی تراجم قدیم زمانہ سے بارہویں صدی تک کتنے ہوئے ؟اور کس کس نے لکھے؟ بہت مشکل سوال ہیں۔خالص ہندوستانی عالم قاضی جونپور شہاب الدین دولت آبادی نے بحرمواج کے نام سے تفسیر لکھی جو چھپ چکی ہے اس میں نحو ،عقائد اور فقہ حنفی پر بحث ہے۔

مخدوم نوح سندھی نے فارسی ترجمہ کیا جس کا محفوظ مخطوطہ سندھ ادبی بورڈ نے بھی شائع کر دیا ہے۔پھر بڑی تفسیر نورالدین نعمت اللہ ولی شافعی نے نعمت عظمیٰ کے نام سے لکھی جس کا ایک نسخہ لاہور کے کتب خانہ حائری میں آج بھی موجود ہے۔میں نے اسٹوری اور علی نقی کے حوالے سے اپنے مقالہ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (۶) میں اس تفسیر تک رسائی سے پہلے اسے نعمت خان عالی کی تصنیف قرار دیا ہے جو درست نہیں ہے۔اس کے بعد شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کا ترجمہ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن (متعدد طباعات) پھر ان کے بیٹے کی فارسی تفسیر (مطبوعہ) اور اس کے بعد ایک ضخیم اور مفصل تفسیر سید ابوالقاسم حائری (متوفی ۱۳۴۴ھ) اور ان کے بیٹے سید علی حائری (متوفی ۱۳۶۰ھ) نے لکھی جس کی بیس جلدوں سے زائد کی اشاعت کا مجھے علم ہے اور ۲۷ویں جلد سورہ قمر کی آیت ۱۰ تک میں نے قلمی دیکھی ہے۔ یہ تفسیر پاکستان میں فارسی تفسیر کے سلسلہ کی اہم ترین خدمت ہے۔اس کا نام ''لوامع التنزیل'' ہے۔

عربی میں تفسیری کام کا مختصر جائزہ لیا جائے جو دستیاب ہیں ان میں: ''تفسیر مہائمی'' یعنی تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان ببعض ما یشیر الی اعجاز القرآن ہے۔جس کے مولف مخدوم علی مہائم بمبئی (متوفی ۸۳۵ھ) ہیں۔یہ کتاب فلسفہ وعرفان میں ابن عربی فقہ میں شافعی دبستان کی نمائندگی کرتی ہے (۷)۔دوسری اہم اور مفصل فلسفیانہ تفسیر ''منبع عیون المعانی'' ہے جس کے مولف ہیں: شیخ مبارک بن شیخ خضر ناگوری (متوفی ۱۰۰۱ھ) یہ تفسیر نایاب ہے مجھے اس کے کامل نسخے کا سراغ دو سال قبل مولانا آغا مہدی صاحب نے دیا۔یہ تفسیر ممتاز العلماء کے کتب خانہ لکھنو میں ہے۔

تیسری بڑی تفسیر ''التفسیر المظہری'' تالیف قاضی ثناءاللہ پانی پتی حنفی (متوفی ۱۲۲۵) کی ہے، دہلی میں چھپی ہے۔

نواب صدیق حسن خان کی ''فتح البیان فی مقاصد القرآن'' پہلی مرتبہ بھوپال سے ۱۲۹۱ھ دوسری مرتبہ بولاق سے ۱۳۰۷ھ میں چھپی ہے۔انہیں مصنف کی دوسری مختصر تفسیر نیل المرام فی احکام القرآن'' بھی ہند ومصر میں چھپی ہے۔ ''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' آیت سے آیت کی تفسیر ثناءاللہ امرتسری نے لکھی ہے یہ بھی چھپی ہے۔

احکام وفضائل اہل بیتؑ پر بھی تفسیریں لکھی گئی ہیں جن میں ادبی شان کی تفسیر ''روائع القرآن'' مفتی محمد عباس نے فضائل میں لکھی اور لکھنو سے ۱۲۷۷ھ میں شائع ہوئی اور دوبارہ چھپنے کے قابل ہے۔

''سواطع الالہام''، فیضی ابن شیخ مبارک کی مکمل تفسیر عربی میں بشرط حروف غیر منقوطہ ایک ادبی تحفہ ہے، جو ۱۰۰۲ھ میں لکھی گئی اور ۱۳۰۶ھ میں لکھنو سے چھپی۔

عبید اللہ سندھی نے مکہ مکرمہ میں موسیٰ جار اللہ سے الہام الرحمٰن کے نام سے تفسیر لکھوائی جو سورۃ النساء تک چھپ چکی ہے۔

مشکلات آیات، علوم قرآن، توحید و نبوت و امامت فی القرآن کے موضوعات پر عربی میں کم و بیش سو کتابیں مطبوعہ صورت میں مل سکتی ہیں جن سے تفسیری رجحانات کی نشاندہی ممکن ہے۔

برصغیر میں سب سے اہم کام انگریزی میں ہوا ہندوستان کے انگریزی داں طبقہ کا خیال تھا کہ انگریز اپنے اقدامات میں معذور ہیں۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ہم انگریزی میں قرآن کی تفسیر لکھیں تا کہ وہ ہمارا نقطہ نظر سمجھ سکیں چنانچہ یہ مہم شروع ہوئی عماد الملک سید حسین بلگرامی، مرزا ابوالفضل (جنہوں نے راڈویل اور نولڈ کی طرح) قرآن بترتیب نزول تیار کر کے ترجمہ کیا تو ملک میں ہنگامہ ہو گیا دوسرا ترجمہ انہوں نے بترتیب نزول لکھا شیخ بادشاہ حسین نے ایک طویل مقدمہ کے ساتھ تفسیر اہل بیتؑ کے ساتھ ترجمہ کیا اسی طرح متعدد حضرات نے کام کیا۔

عمومی طور پر یہ تفسیریں پسند کی گئیں:

۱۔ تفسیر عبداللہ یوسف علی، طبع لاہور

۲۔ تفسیر مرزا مہدی پویا و امیر احمد علی، طبع کراچی ۱۹۶۴ء

۳۔ ترجمہ، ایم ایچ شاکر یہ ترجمہ پہلی مرتبہ کراچی سے بلا متن، اس کے بعد ایران و پاکستان سے متن کے ساتھ کئی مرتبہ چھپ چکا ہے۔

یوں تو ہندی، پنجابی، پشتو، گجراتی، سندھی وغیرہ میں بھی منظوم و منثور ترجمے اور تفسیریں موجود ہیں مگر اہم کام اُردو میں ہوا۔

انگریزی اردو میں بھی تفسیر نویسی برصغیر ہی میں ہوئی عربی اور فارسی میں تفسیر تقلیدی تھی مگر اُردو میں عموماً غرض و غایت طے کر کے تفسیریں لکھی گئیں۔

ان کا پہلا مقصد تھا اپنوں میں قرآنی تعلیمات سے دلچسپی پیدا کرنا۔

دوسرا مقصد تھا مخالفین قرآن کے شبہات کا جواب، جو بعد میں مختلف نظریات و افکار و تعلیمات میں بدل گیا۔

تیسرا مقصد تھا لفظی پھر رواں معنی خیز ترجمہ اور متوسط اعلیٰ درجے کے تبلیغات۔

اور آخر میں سیاسی، سماجی اور نظام زندگی کے ہر پہلو کی تشریح قرآن مجید کی روشنی میں جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ تفسیر اُردو میں جدت اور خالص جدت، یعنی نفی حدیث اور قبول سخن غیر کی بات سر سید احمد خان نے کی جس نے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک دبستان کی صورت اختیار کر لی ہے۔

دوسرا دبستان علماء دین کا ہے جس کی روش اور اسلوب الگ ہے۔ روایتی اور جدلی، عرفانی اور سادہ فلسفی بھی، آزادی کی بات بھی اور دوسرے معاملات بھی۔

ہم اس وقت ان تفسیروں کی فہرست نہیں دینا چاہتے۔ یہاں صرف اسالیب و رجحانات کا تذکرہ کر کے مقالہ ختم کرنا مقصود ہے۔

۱۔ عموماً مفسرین کا اسلوب سادہ زبان اور سادہ مطالب کا بیان ہے۔ ایسی تفسیریں مقبول و مشہور بھی ہوئیں۔

۲۔ طویل تفاسیر میں بحث، رد اعتراضات اور مسلک کا بیان تو ہے مگر انداز بیان بھاری پن لئے ہوئے نہیں ہے۔

اس قسم کے مفسرین میں عبدالقادر دہلوی، نذیر احمد، تاج العلماء علی محمد، محمد قلی خان کانپوری، مقبول احمد، حافظ فرمان علی، امداد حسین کاظمی، عبدالحق حقانی، عمار علی سونی پتی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، اشرف علی تھانوی، مرزا امداد علی مترجم قرآن و خلاصۃ المنہج، مولانا محمود حسن و شبیر احمد عثمانی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا راحت حسین صاحب گوپالپوری مصنف تفسیر انوار القرآن اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے نام سرفہرست ہیں۔

تفسیر نویسی کا کام ہو رہا ہے اور اسلوب بدل رہا ہے۔ انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد جہاں جہاں امکان و استدلال کی بات کی جارہی تھی۔ اب وہاں وجود اور تجربوں کے حوالوں کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور سب دیکھ رہے ہیں کہ اردو تفسیر کا نیا دور آنے والا ہے۔

منابع:

(☆)۔ الارشاد، ج ا، ص ۱۸۷

(۱)۔ دیکھئے: اورینٹل کالج میگزین، لاہور مئی ۱۹۵۵ء

(۲)۔ طبع لائیڈن، ہالینڈ۔ ۱۸۸۳ء تا ۱۸۸۶ء

(۳)۔ تذکرۂ علماء ہند طبع لکھنؤ ص ۱۷۹۔ حدائق الحنفیہ ص ۱۹۴

(۴)۔ طبع مقبول احمد عثمانی ۱۹۱۵ء

(۵)۔ طبع اردو، آگرہ ۱۸۹۲ء

(☆) یہ مقالہ انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے ساتویں سال لکھا گیا تھا۔ بحمد و تعالیٰ اب انقلاب کو ۳۲ سال گذر چکے ہیں۔

(۶) مقالۂ تفسیر، مشمولہ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ طبع لاہور

(۷)۔ طبع مصر

❀❀❀

نہج البلاغہ میں عبادت اور عبادت گزار

آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہریؒ

ترجمہ زیرنظر: حجۃ الاسلام مولانا نثار احمد زینپوری

چودہ سو سال سے آج تک دنیا نے ہزاروں روپ دھارے، تہذیب وثقافت نے بے شمار کروٹیں بدلیں اور علم وفن کے ذائقوں میں انقلاب انگیز تبدیلیاں آئیں، لیکن نہج البلاغہ جو ہمارے پاس ہے، اس پر زمانہ کی گردشیں اثر انداز نہیں ہوسکیں، بلکہ زمانہ کی ارتقاء کے نئے سے نئے روشن افکار ونظریات برابر اس کی قدر وقیمت میں اضافہ کرتے رہے ہیں۔

زیرنظر مضمون آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہریؒ کا ہے جو انکی فارسی کتاب ''سیری در نہج البلاغہ'' سے لیا گیا ہے۔ آپ ۱۲/ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ میں مشہد سے ۷۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع فریمان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے آیت اللہ بروجردیؒ سے فقہ واصول، علامہ طباطبائیؒ سے عرفان، تفسیر اور الٰہیات، آیت اللہ محقق داماد سے فقہ اور اخلاق اور معنویت میں مرزا علی شیرازی کے سامنے زانوئے ادب طئے کیا۔ امام خمینیؒ کے درس اخلاق میں بھی شرکت کرتے تھے۔ استاد مطہریؒ کے دل میں اللہ کی راہ میں شہادت پانے کی آرزو اور تمنا تھی۔ آپ نے اپنی مجاہدانہ زندگی میں کئی سازشوں کو ناکام بنادیا تھا جسکا انجام آپ کی شہادت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ انقلاب اسلامی کی ابھی پہلی سالگرہ بھی نہ ہوئی تھی کہ ''فرقان'' نامی ضدانقلاب گروہ کے ایک شقی القلب نے ۴/ مئی ۱۹۷۹ء کو تہران میں آپ کو شہید کردیا۔ آپ اپنے گھر میں داخل ہورہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے آپ کو پکارا جیسے ہی پلٹے تو گولی چلی جو آپ کے سر میں لگی اور وہیں آپ کی شہادت واقع ہوگئی۔ (ادارہ)

نہج البلاغہ کی نظر میں عبادت صرف چند خشک و بے روح اعمال کے انجام دینے کا نام نہیں ہے۔ جسمانی اعمال عبادت کی صورت اور پیکر ہیں روح ومعنی ایک دوسری ہی چیز ہے جسمانی اعمال اس وقت زندہ و جاندار اور حقیقی عبادت کہلانے کے مستحق ہیں جب وہ روحانیت ومعنویت کے ساتھ ہوں۔ حقیقی عبادت اس تکوینی دنیا سے ایک طرح کا خروج

اورایک دوسری دنیا میں قدم رکھنا ہے ایک ایسی دنیا جو اپنے آپ میں جوش وولولہ قلبی کیفیات اور خاص لذتوں سے پر ہے۔

نہج البلاغہ میں عرفا اور عابدوں سے متعلق بہت زیادہ باتیں بیان ہوئی ہیں، دوسرے لفظوں میں عبادت اور عبادت گزاروں کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے کبھی عابد وزاہد کی شب بیداری، خوف وخشیت، شوق ولذت، سوز وگداز، آہ وزاری اور تلاوت قرآن کے رنگوں سے عبادت اور عبادت گذار کی نقاشی اور تصویر کشی کی گئی ہے تو کبھی عبادت و مراقبہ اور جہاد نفس کے ذریعہ نصب ہونے والی قلبی کیفیات اور غیبی عنایات کا بیان ہوا ہے کبھی گناہوں سے روکنے اور اس کے تاریک آثار کو محو کرنے کے سلسلے میں عبادت کے اثرات کو موضوع بحث قرار دیا گیا ہے تو کبھی عبادت کی وجہ سے بعض اخلاقی بیماریوں اور نفسیاتی الجھنوں کے علاج کی طرف اشارہ ہو رہا ہے اور کبھی عابد وزاہد اور سالکان راہ خدا کو میسر آنے والی خالص لذتوں اور مسرتوں نیز بلا شرکت غیر، الٰہی عنایتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

شب بیداریاں

اما اللیل فصافون اقدامهم تالین لاجزا القرآن یرتلونها ترتیلا یحزنون به انفسهم و یستثیرون به دواء دائهم فاذا مروا بآیة فیها تشویق رکنوا الیها طمعا و تطلعت نفوسهم الیها شوقا و ظنوا انها نصب اعینهم و اذامروا بآیة فیها تخویف اصغوا الیها مسامع قلوبهم و ظنوا ان زفیر جهنم و شهیقها فی اصول اذانهم فهم حانون علی اوساطهم ، مفترشون لجباههم و اکفهم و رکبهم و اطراف اقدامهم یطلبون الی الله تعالی فی فکاک رقابهم و اما النهار فحلماء علما ابرار اتقیاء (۱)

''رات ہوتی ہے تو (عبادت کے لئے) اپنے پیر جوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں قرآن کی آیتوں کی ٹھہر ٹھہر کر سکون کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں۔ آیات کی زمزمہ خوانی اور اس کے مفاہیم پر توجہ کی وجہ سے اپنے دلوں میں عارفانہ غم واندوہ کی لہریں پیدا کرتے ہیں اور اس طرح اپنے درد کی دوائیں ڈھونڈتے ہیں قرآن کی زبان سے جو کچھ سنتے ہیں گویا وہ ان کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ بھی کرتے ہیں جب کسی ایسی آیت رحمت پر ان کی نگاہ پڑتی ہے جس میں جنت کی ترغیب دلائی گئی ہو تو اس کی طمع میں پڑ جاتے ہیں اور اس کے اشتیاق میں جو ان کی نظروں کے سامنے یا'' ان کانصب العین'' ہے اور جب کسی آیت قہر وغضب پر ان کی نظر پڑتی ہے کہ جس میں (دوزخ سے) ڈرایا گیا ہو تو اس کی جانب دل کے کانوں کو لگا دیتے ہیں اور گمان کرتے ہیں گویا جہنم کے شعلوں کے بھڑکنے کی آواز اور وہاں کی چیخ وپکار ان کے کانوں تک پہنچ رہی ہے وہ (رکوع میں) اپنی کمریں جھکا دیتے ہیں اور (سجدہ

میں) اپنی پیشانیاں وہتھیلیاں، گھٹنے اور قدموں کے سرے (انگوٹھے) زمین پر بچھادیتے ہیں اور اللہ سے اپنی گلو خلاصی کے لئے التجائیں کرتے ہیں (یہی لوگ جن کی راتیں اس طرح بیداری میں بسر ہوتی ہیں) دن ہوتا ہے تو اپنی اجتماعی زندگی میں ایک نیکوکار اور پرہیز گار مرد نظر آتے ہیں ۔"

قلبی کیفیات

قد احیا عقله و امات نفسه، حتی دق جلیله و لطف غلیظه و برق له لا مع کثیر البرق، فابان له الطریق و سلک به السبیل و تدافعته الابواب الی باب السلامة و دار الاقامة و ثبتت رجلاه بطمانینة بدنه فی قرار الامن والراحة بما استعمل قلبه و ارضی ربه(۲)

"مومن نے اپنی عقل کو زندہ اور اپنے نفس کو مار ڈالا ہے یہاں تک کہ اس کا جسمانی ڈیل ڈول لاغری میں اور روح کا کھردرا پن نرمی میں تبدیل ہوگیا اس قلب میں بھرپور درخشندگیوں والا نور ہدایت چمکا کہ جس نے اس کے سامنے راستے نمایاں کر کے اسے سیدھی راہ پر لگادیا اور وہ ایک دروازے کے بعد دوسرے دروازے کو روندتا ہوا آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ سلامتی کے دروازہ اور (دائمی) قرارگاہ تک پہنچ گیا اور اس کے پاؤں پرسکون بدن کے ساتھ امن وراحت کے مقام پر جم گئے اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اس نے اپنے دل وضمیر کو عمل میں لگا رکھا تھا اور اپنے پروردگار کی رضا وخشنودی میں مشغول تھا۔ان جملوں میں، جیسا کہ ظاہر ہے، ایک دوسری زندگی کے سلسلے میں گفتگو کی گئی ہے ایک ایسی زندگی جس میں عقل کی حکمرانی ہے، یہاں جہاد اور نفس امارہ کے مغلوب کرنے کا ذکر ہے، جسم وروح کی ریاضت کا تذکرہ ہے، ایک ایسی روشنی کے بارے میں گفتگو ہے جو جہاد بالنفس کی وجہ سے سالک الی اللہ کے دل میں طور کی مانند چمک اٹھتی ہے اور اسکی دنیا کو روشن کر دیتی ہے۔ان منازل ومراحل کا تذکرہ ہے جس کو ایک مشتاق اور سالک الی اللہ روح تدریجاً طے کرتی ہے تا کہ اس منزل مقصود کو پالے جو بشر کے معنوی سیر وصعود کی آخری حد ہے ۔"

يَاأَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ (۳)

"اے انسان تو اپنے پروردگار کی طرف جانے کی کوشش کر رہا ہے تو ایک دن اس کا سامنا کرے گا۔"

اس میں اس آرام واطمینان کا ذکر ہے جو انسان کے پریشان ومضطرب اور باظرف دل کو آخری مرحلوں میں بہر حال نصیب ہوجاتا ہے۔

أَلَابِذِكْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوب(۴)

آ گاہ ہو جاؤ اطمینان قلب یاد خدا سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

۲۲۸ ویں خطبہ میں دل کی حیات کے لئے اس طبقہ کے اہتمام کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

ویرون اھل الدنیا یعظمون موت اجسادھم و ھم اشد اعظاما لموت قلوب احیائھم(۵)

"وہ اہل دنیا کو دیکھتے ہیں جو اپنی جسمانی موت کو بڑی اہمیت دیتے ہیں لیکن یہ (ارباب معرفت وایمان) دلوں کی موت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں انکے حال کو زیادہ اندوہناک سمجھتے ہیں کہ جو زندہ ہیں مگر ان کے دل مردہ ہیں۔"

وہ جذبات اور عاشقانہ احساسات جو با استعداد روحوں کو بے چین کر دیتے ہیں اور اس کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، اس طرح بیان ہوئے ہیں:

وصحبوا الدنیا بابدان ارواحھا معلقة بالمحل الاعلیٰ(۶)

"وہ اس حال میں اپنے جسموں کے ساتھ دنیا میں رہتے اور اہل دنیا سے معاشرت کرتے ہیں کہ ان کے بدنوں کی روحیں ملاء اعلیٰ سے وابستہ ہوتی ہیں۔"

لولا الاجل الذی کتب اللہ (لھم علیھم) لم تستقر ارواحھم فی اجسادھم طرفة عین شوقا الی الثواب و خوفا من العقاب(۷)

"اگر ان کی اجل اور موت حتمی نہ ہوتی جو اللہ نے ان کے لئے لکھ دی ہے تو الٰہی لطف، کرامت کے شوق اور عقاب کے خوف سے ان کی روحیں ان کے جسموں میں چشم زدن کے لئے بھی نہ ٹھہرتیں۔"

قد اخلص للہ سبحانہ فاستخلصہ (۸)

"اس نے خود کو اور اپنے ہر کام کو اللہ کے لئے خالص کر دیا تو اللہ نے بھی اپنے لطف خاص سے اسے اپنا لیا۔"

آفاقی و اشراقی علوم جو تہذیب نفس اور طریق عبودیت کے طے کرنے سے سالکان راہ خدا کے دلوں میں سوتے پیدا کرتے ہیں اور جس سے انہیں یقین محکم کی دولت حاصل ہو جاتی ہے اس کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

ھجم بھم العلم علی حقیقة البصیرة و باشروا روح الیقین و استلانوا ما ستوعرہ المترفون وانسوا بما استوحش منہ الجاھلون(۹)

"وہ علم وبصیرت سے مملو ہے ان پر یلغار کئے رہتا ہے اور انھوں نے یقین واعتماد کی روح کو چھو لیا ہے، وہ چیزیں جو

آرام پسند لوگوں کیلئے دشوار و سخت ہیں، ان کے لئے سہل و آسان بن گئی ہیں اور جن چیزوں سے جاہل بھڑک اٹھتے ہیں اور دور بھاگتے ہیں ان سے وہ جی لگائے بیٹھے ہیں۔"

ترک معصیت

اسلامی تعلیمات کی رو سے ہر گناہ دل پر تاریکی اور کدورت پیدا کرنے والے آثار چھوڑ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے کار خیر کی طرف رغبت کم ہو جاتی ہے اور دوسرے گناہوں کی طرف جرأت بڑھ جاتی ہے، اس کے برعکس عبادت و بندگی اور یاد خدا انسان کے مذہبی وجدان و افکار کو پروان چڑھا کر نیک کاموں کی رغبت میں اضافہ اور برے کاموں اور گناہ کی طرف میلان میں کمی کر دیتی ہے، یعنی گناہوں سے پیدا ہونے والی تیرگی کو زائل کر کے اس کی جگہ خیر و نیکی کی طرف میلان و رغبت بڑھا دیتی ہے۔

نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں نماز، زکات اور ادائے امانت سے متعلق بحث کی گئی ہے، نماز کی وصیت اور تاکید کے بعد حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

و انها لتحت الذنوب حت الورق و تطلقها اطلاق الربق و شبهها رسول الله بالحمة تكون على باب الرجل فهو يغتسل منها في اليوم و الليلة خمس مرات فما عسى ان يبقى عليه من الدرن؟(۱۰)

"بلاشبہ نماز گناہوں کو دامن سے جھاڑ کر اس طرح الگ کر دیتی ہے جس طرح (درخت سے) پتے جھڑتے ہیں اور گردنوں کو ریسمان گناہ سے آزاد کر دیتی ہے رسول اللہ نے نماز کو از گرم چشمہ سے تشبیہ دی ہے جو کسی شخص کے گھر کے دروازہ پر ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے آیا اس طرح کی مسلسل دھلائی کے بعد امید کی جا سکتی ہے کہ اس کے (جسم) پر کوئی میل رہ جائے گا۔"

اخلاقی علاج

ایک خطبہ میں سرکشی، ظلم اور کبر جیسے پست اخلاق کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وعن ذلك ماحرس الله عباده المومنين بالصلوت و الزكوت و مجاهدة الصيام في الايام المفروضات تسكينا لاطرافهم و تخشيعا لابصارهم و تذليلا لنفوسهم و تخفيضا لقلوبهم و اذهابا للخيلاء عنهم(۱۱)

"چونکہ انسان ان اخلاقی آفتوں اور نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ لہذا اللہ نماز، زکوۃ اور روزوں کے ذریعہ

سے اپنے مومن بندوں کو ان آفتوں سے بچاتا اور نگہبانی کرتا ہے۔ یہ عبادتیں ہاتھوں اور پاؤں کو گناہ کے ارتکاب سے روکتی ہیں، آنکھوں کو خیرگی سے بچا کر خضوع وخشوع عطا کرتی ہیں اور نفوس کو رام کرتی ہیں، دلوں کو متواضع اور دماغ کے خناس کو دور کرتی ہیں۔"

انس ولذت

اللھم انک انس الانسین لاولیائک و احضرھم بالکفایۃ للمتوکلین علیک تشاھدھم فی سرائرھم و تطلع علیھم فی ضمائرھم و تعلم مبلغ بصائرھم فاسرارھم لک مکشوفۃ و قلوبھم الیک ملھوفۃ ان اوحشتھم الغربۃ انسھم ذکرک و ان صبت علیھم المصائب لجأوا الی الاستجارۃ بک (۱۲)

"اے اللہ تو اپنے دوستوں کے لئے تمام انس رکھنے والوں سے زیادہ انیس وقریب ہے اور جو تجھ پر بھروسہ رکھنے والے ہیں، ان کی حاجت روائی کے لئے ان سب سے زیادہ آمادہ اور پیش پیش ہے تو ان کی باطنی کیفیتوں کو دیکھتا اور ان کے دل کی گہرائیوں میں پوشیدہ بھیدوں کو جانتا ہے اور ان کی معرفتوں اور بصیرتوں کی رسائی کی حد سے باخبر ہے ان کے راز تیرے سامنے آشکارا اور ان کے دل تیرے فراق میں بے تاب وفریاد کناں ہیں۔ اگر تنہائی سے ان کا جی گھبراتا ہے تو تیرا ذکر ان کا مونس بن جاتا ہے، اور اگر مصیبتیں ان پر آپڑتی ہیں تو وہ تیرے دامن میں بھاگ کر پناہ حاصل کر لیتے ہیں۔"

و ان للذکر لا ھلا اخذوہ من الدنیا بدلا (۱۳)

"بے شک یاد خدا نے کچھ ایسے شایستہ افراد پائے ہیں جنھوں نے اس کا دنیا کی تمام نعمتوں کے بدلے میں انتخاب کر لیا ہے۔"

ایک دوسرے خطبہ میں حضرت امام مہدی موعود عجل اللہ تعالیٰ کی بشارت دیتے ہوئے آخر کلام میں آخری زمانے کے ایک ایسے گروہ کا تذکرہ کرتے ہیں جن میں شجاعت وحکمت اور عبادت ایک ساتھ جمع ہوگئی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

ثم لیشحذن فیھا قوم شحذالقین النصل تجلی بالتنزیل ابصارھم و یرمی بالتفسیر فی مسامعھم و یغبقون کاس الحکمۃ بعد الصبوح (۱۴)

"اس وقت ایک قوم (کو حق کی سان پر) اس طرح تیز کیا جائیگا جس طرح لوہار تیر کی باڑ تیز کرتا ہے۔ قرآن کے ذریعہ پردہ ہٹا کر ان کی آنکھوں میں جلا پیدا کر دی جائے گی اور انکے کانوں میں اسکی تفسیر اور معانی القا کئے جائیگے اور صبح

وشام حکمت کے چھلکتے ہوئے ساغر پلائے جائینگے اور وہ بادۂ معرفت سے سرشار ہو جائینگے۔"

منابع:

(۱)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۱، نشر ہجرت، قم ۱۴۱۴ھ

(۲)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۲۱۸

(۳)۔انشقاق/۶

(۴)۔رعد/۲۸

(۵)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۲۲۸

(۶)۔نہج البلاغہ، حکمت ۱۴۷

(۷)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۱

(۸)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۸۵

(۹)۔نہج البلاغہ، حکمت ۱۴۷

(۱۰)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۷

(۱۱)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۲

(۱۲)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۲۲۵

(۱۳)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۲۲۰

(۱۴)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۰

❁❁❁

گذارش

من مات علی حب آل محمد مات شهیداً

جناب سید اسد علی خاں اور جناب ڈاکٹر سید عباس علی خاں (مقیم شکاگو) نے اپنے والدین نواب ڈاکٹر محمد جعفر خاں مرحوم (مدفون کربلائے معلّٰی) فرزند جناب شجاع الملک اور نبیرۂ خان خانان اور والدۂ محترمہ یوسف زہرا بیگم (مدفون قم المقدسہ) دختر نواب ابوالحسن خاں شوکت جنگ بہادر کے لئے تمام مؤمنین سے اس ماہ مبارک میں سورۂ فاتحہ کی گذارش کی ہے۔

ماہ رمضان کا انمول تحفہ دعائے ابوحمزۂ ثمالی

حجۃ الاسلام مولانا سید مراد رضا رضوی

ماہ رمضان دعاؤں کا مہینہ ہے۔اس مہینہ میں رسالتمآب ؐ کی زبان اقدس نے دعاؤں کی قبولیت کی ضمانت لی ہے(۱)۔لہذا اس مہینہ میں وارد ہونے والی دعائیں دقیق مطالعہ کی متقاضی ہیں بلکہ بطور کلی یہ کہا جا سکتا ہے کہ معصومینؑ سے وارد ہونے والی تمام دعائیں دقیق مطالعہ کی خواستگار ہیں کیونکہ معصومین علیہم السلام سے زندہ معجزات یہی دعائیں ہیں۔ ان قدسی صفات ذوات مقدسہ کے جتنے معجزات ذکر کئے جاتے ہیں وہ درواقع اُن حضرات کے جسم مبارک کے بعض اعضاء کی ادنیٰ سی حرکتوں کے نتائج ہیں۔لیکن دعا وہ معجزہ ہے جو معصوم کی روحانی وصمدانی حقیقتوں سے زبان پر جاری ہوتی ہے یعنی معصوم دعا کی شکل میں اپنی تمام روحانی توانائیوں کو لیکر ذات باری کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔لہذا دعائیں معصومین علیہم السلام کا وہ عظیم الشان معجزہ ہیں جس کا ثانی لانے سے دیگر قومیں عاجز ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مکتب اہل بیت اطہارؑ کا ایک عظیم افتخار دعاؤں کا وہ اتھاہ ذخیرہ ہے جس کا عشر عشیر بھی دوسری قوموں کے پاس نہیں ہے،نتیجۃً توحید کا جو ناب اور خالص،مقدس اور مبارک تصور مکتب اہل بیت اطہارؑ کے پاس موجود ہے دوسری قومیں اس سے محروم ہیں کیونکہ دعائیں حقیقت توحید کی پیغام رساں ہیں،لہذا تمام حقیقت توحید کے طلبگاروں سے درخواست ہے کہ وہ معصومینؑ کی دعاؤں کا دقیق مطالعہ کریں تا کہ حقیقت توحید،وحدانیت،احدیت اور صمدانیت کے راز و رمز سے اپنی استطاعت بھر آشنا ہو سکیں۔

معصومینؑ سے صادر ہونے والی دعاؤں کے درمیان،سید الساجدین،زین العابدین امام علی ابن الحسین علیہما السلام کی دعائیں بدر منیر کی طرح درخشاں ہیں جس کا ادنیٰ نمونہ صحیفہ سجادیہ زبور آل محمد علیہم السلام ہے۔البتہ صحیفہ سجادیہ امام علیہ السلام کی تمام دعاؤں کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ یہ ایک مختصر مجموعہ کا نام ہے جس میں فقط ۵۴ دعائیں موجود ہیں۔بہت ساری دعائیں اس مجموعہ میں موجود نہیں ہیں۔اسی لئے بعض بزرگوں نے امام علیہ السلام کی بعض دیگر ادعیہ کو صحیفہ سجادیہ جلد

دوم کی صورت میں پیش کیا ہے اور اس میں ان بعض دعاؤں کا تذکرہ کیا ہے جو معروف صحیفہ سجادیہ میں نہیں ہیں۔

انہی معروف دعاؤں میں سے ایک دعا وہ ہے جسے آپؑ ماہ مبارک رمضان میں بہ وقت سحر پڑھا کرتے تھے چونکہ اس دعا کے راوی سلمان زمان اور لقمان وقت جناب ابوحمزۂ ثمالیؓ ہیں لہذا یہ دعا ''دعائے ابوحمزۂ ثمالی'' کے نام سے معروف ہوگئی ہے۔

اس دعا میں توحید الٰہی، معرفت ذات باری، صبر، شکر، امید، توکل، توسل، استغفار، توبہ، لذت مناجات میں کمی کے اسباب، سماج و معاشرے کی زبوں حالی کے اسباب اور دیگر معرفتی و تربیتی بے بہا گہر ہائے آبدار موجود ہیں۔

دعا کے راوی

کچھ دعائیں ایسی ہیں جو راویوں کے نام سے موسوم ہوگئی ہیں جیسے دعائے کمیل جسے مولائے کائنات امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جناب کمیلؓ کو تعلیم فرمائی تھی۔ اسی طرح مورد بحث دعا، جسے دعائے ابوحمزۂ ثمالی نے امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ ماہ مبارک رمضان کی سحر میں اس دعا کو پڑھا کرتے تھے۔ سید بن طاؤسؒ (متوفی ۶۶۴ ھ) نے اقبال الاعمال میں ہارون بن موسیٰ تلعکبری (۲) کی سند سے انہوں نے حسن بن محبوب (۳) سے انہوں نے ابوحمزۂ ثمالی سے روایت کی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام ماہ مبارک رمضان کی تمام راتیں عبادت الٰہی میں بسر کیا کرتے تھے اور سحر کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے الٰھی لا تُؤَدِّبْنِی بِعُقُوْبَتِکَ (۴)۔

یہاں پر مناسب ہے کہ جناب ابوحمزۂ ثمالیؓ کی شخصیت پر طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تاکہ اس شاہد خلوتی عصمت کی زندگی سے کچھ آشنائی ہو سکے جس نے خود کو اپنے امامؑ سے اتنا مانوس کیا اور ایسا محرم راز بنایا کہ امام علیہ السلام کی دعا اس کے نام سے معروف ہوگئی۔

آپ کا نام ثابت بن ابی صفیہ دینار ہے۔ آپ کوفہ کے رہنے والے اور قبیلۂ مہلّب کے ہم پیمان تھے۔ لہذا آپ کو مولیٰ مہلّب بن ابی صفرہ کہا جاتا تھا۔ نوح، منصور اور حمزہ آپ کے تین فرزند تھے۔ حمزہ کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوحمزہ ہو گئی۔ آپ نے چوتھے، پانچویں، چھٹے امامؑ کے ساتھ ساتھ ساتویں امامؑ کا بھی تھوڑا سا زمانہ درک کیا ہے اور ان تمام لوگوں سے روایت کی ہے۔ آپ کا شمار روایت و حدیث کے بزرگ، موثق اور معتبر اصحاب میں کیا جاتا ہے۔ علمائے اہلسنت نے بھی آپ سے روایات نقل کی ہیں۔ آپ کی ایک کتاب بنام تفسیر قرآن اور ایک کتاب، کتاب النوادر ہے

جس کی روایت حسن بن محبوب نے کی ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کے رسالۃ الحقوق کے روای بھی آپ ہی ہیں۔امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے :ابو حمزہ فی زمانہ مثل سلمان فی زمانہ ابوحمزہ ثمالی اپنے زمانے کے سلمان ہیں۔آپ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔(۵)

رجال کشی (۶) میں فضل بن شاذان سے روایت ہے کہ امام رضا علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ

ابو حمزۃ الثمالی فی زمانہ کلقمان فی زمانہ و ذالک انہ خدم اربعۃ منا علی بن الحسین و محمد بن علی و جعفر بن محمد و برھۃ من عصر موسیٰ بن جعفر.....(۷)

''ابوحمزہ ثمالی اپنے زمانے میں لقمان کی طرح تھے۔اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے ہم میں سے چار افراد علی بن الحسین محمد بن علی اور جعفر بن محمد علیہم السلام کی خدمت کے ساتھ ساتھ موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی خدمت میں بھی تھوڑا سا وقت بسر کیا ہے۔''

علماء رجال وتراجم نے جناب ابوحمزہ ثمالیؒ کے جتنے اوصاف بیان کئے ہیں ان سب سے اگر چشم پوشی کر لی جائے اور فقط چھٹے اور آٹھویں امام کی حدیثوں پر غور کیا جائے تو جناب ابوحمزہ ثمالیؒ کی شان ومنزلت کی عظمت کے لئے یہی دو حدیثیں کافی ہیں۔اگر شرح وبسط کے ساتھ ان دونوں حدیثوں کی باریکیوں پر گفتگو کی جائے تو یہ مقالہ اپنے مقصد سے دور ہو جائے گا۔اس مقالہ میں شاید اس حد تک کہنا کافی ہوگا کہ سلمان محرم اسرار تجلی اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے،آغوش تربیت نبوی وعلوی کے پروردہ،ایمان کے دسویں درجہ پر فائز اور ''منا اھل البیت'' کے مصداق تھے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے گہربار جملے میں آپ کو سلمان زمان کا خطاب دیا ہے یعنی ابوحمزہ ثمالی مندرجہ بالا تمام اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔

آٹھویں امامؑ نے آپ کو لقمان زمان کا خطاب دیا ہے یعنی چار ائمہ اطہارؑ کی خدمت کے نتیجے میں حکمتوں کے چشمے آپ کے قلب سے ہوتے ہوئے آپ کی زبان پر جاری ہوتے تھے۔

غور طلب نکتہ:یہاں پر ایک بات قابل ذکر ہے کہ کتب رجال میں بہت سارے نام اور القاب مشترک ہیں جس کی بنیاد پر روایتوں کی صحت وضعف کو ثابت کرنے میں بسا اوقات مشکلات کا سامنا ہوتا ہے لہذا علماء رجال نے اس مشکل کے حل کے لئے کچھ طریقے بیان کئے ہیں جن میں سال وفات،باپ کا نام،طبقات راوی وغیرہ ہیں۔ جناب ابوحمزہ ثمالیؒ کے ساتھ بھی یہی مشکل ہے اصحاب ائمہ میں دو ابوحمزہ ہیں ایک ثابت بن دینار اور دوسرے علی بن

ابی حمزہ بطائینی لیکن حدیثوں کی سند میں بعض وقت فقط عن ابی حمزہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے روایت کے صحت وضعف کو پرکھنے میں مشکل ہوتی ہے کیونکہ اگر ابوحمزہ سے مراد ابوحمزۂ ثمالی ہیں تو سند صحیح ہے اور اگر مراد علی بن ابی حمزۂ بطائینی ہے تو روایت بے حد ضعیف ہے کیونکہ اس شخص نے مال کی لالچ میں آٹھویں امامؑ کی امامت سے انکار کیا ہے اور ساتویں امامؑ کے زمانے میں جو اموال اس کے پاس تھے اس نے ان تمام شرعی رقومات کو دبا لیا اور ایک نئے فرقہ بنام واقفیہ کا موجد بن کر اس کی ترویج کرنے لگا اور یہ بات مسلم ہے کہ گمراہی کا موجد کبھی بھی لائق اعتبار نہیں ہوتا۔ اس مشکل سے نجات کا طریقہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ ابوحمزہ کس امام سے حدیث نقل کر رہے ہیں اگر چوتھے، پانچویں امامؑ سے حدیث نقل ہے تو یہ ابوحمزۂ ثمالی ہیں اور اگر ساتویں امام سے نقل کرتے ہیں تو یہ علی بن ابی حمزۂ بطائینی ہیں کیونکہ ابوحمزۂ ثمالی نے ساتویں امامؑ کا زمانہ بہت کم مدت کے لئے درک کیا ہے۔(۸)

معرفت کا نیا باب

راویان حدیث کی قدر و منزلت کی شناخت کا ایک راستہ تو یہ ہے کہ علماء رجال نے ان کے بارے میں کیا کہا ہے، کچھ راوی ایسے بھی ہیں جن کی معرفت کا ذریعہ امام معصوم نے فراہم کیا ہے اور ان کی شناخت اپنے گہربار کلمات سے کروائی ہے لیکن معرفت کا ایک تیسرا راستہ بھی ہے جو احادیث سے مانوس ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ راوی نے امام علیہ السلام سے کس قسم کی حدیث نقل کی ہے کیونکہ ائمہ اطہارؑ ہمیشہ اس مقولہ کے پابند رہے ہیں کہ **کلّم الناس علی قدر عقولهم** لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کرو۔ ظرف کی وسعت سے کمتر عطا کرنا ظلم ہے اور زیادہ عطا کرنا وبال جان ہے۔ لہذا راویوں کی معنوی و روحانی شناخت کے لئے ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ انہوں نے ائمہ اطہارؑ سے کیسی حدیثیں نقل کی ہیں۔ جناب میثم تمارؓ بظاہر ایک خرمہ فروش تھے لیکن ایسے اصحاب سرّ میں سے تھے کہ اپنے ہی مقتل کی آبیاری کیا کرتے تھے(۸) جناب کمیلؓ مولائے کائناتؑ کے ان محرم راز افراد میں سے تھے جنہیں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے شب نیمۂ شعبان دعائے خضرؑ جیسی اکسیر اعظم تعلیم فرمائی جو بعد میں دعائے کمیل سے معروف ہوگئی، چھٹے امامؑ کے اصحاب میں سے ایک روای بنام زید شحام ہیں پیشہ کے اعتبار سے قصاب تھے اسی لئے شحام لقب سے معروف ہوئے لیکن معرفت کے اعتبار سے اتنے عالی درجہ پر فائز ہیں کہ معرفت الٰہی، عرش، عالم ملکوت وغیرہ کی اکثر و بیشتر روایتیں انہی سے ہم تک پہنچی ہیں جو اس ذات کی فکری بلندیوں کی غماز ہیں۔ زید شہید کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ صحیفہ سجادیہ کے راوی ہیں اور انہوں نے خود اسے تدوین کیا ہے۔ اس تناظر میں اگر ابوحمزۂ ثمالی کی شخصیت کو ملاحظہ کیا جائے تو آپ کی معرفت کا نیا باب وا ہوتا ہے۔ جناب ابوحمزہ نے

چوتھے امامؑ سے بہت ساری روایتیں نقل کی ہیں لیکن ان میں سے دو ایسی ہیں جس سے ابوحمزہ کے محرم راز اور شاہد خلوتی عصمت ہونے کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ایک تو وہ روایت جو رسالۃ الحقوق کے نام سے معروف ہے جس میں امام زین العابدین علیہ السلام نے انسان سے متعلق جیسے ہاتھ، پیر، زبان، آنکھ، نماز، پڑوسی، استاد، مؤذن، امام جماعت، غلام، ماں باپ وغیرہ کے پچاس حقوق جدا جدا بیان فرمائے ہیں، رسالۃ الحقوق درحقیقت ایک آئیڈیل سماج اور آئیڈیل حکومت کی تشکیل کا منشور ہے جسے امامؑ نے ابوحمزۂ ثمالی سے بیان فرمایا ہے۔اس روایت کی اتنی اہمیت ہے کہ نجاشی جیسی بزرگ شخصیت نے اسے ابوحمزہ کے شاھکار کے طور پر پیش کیا ہے۔انہوں نے ابوحمزہ کی تمام کتابوں کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ فقط تین کتابوں کا تذکرہ کیا ان میں سے ایک یہی رسالۃ الحقوق ہے وہ اس رسالہ کی مکمل سند کو ذکر کرنے سے قبل فرماتے ہیں

وله رسالة الحقوق عن علی بن الحسين عليهما السلام.......(۱۰)

''ان کی ایک کتاب رسالۃ الحقوق بھی ہے جو انہوں نے علی بن الحسین علیہما السلام سے نقل کیا ہے۔''

ابوحمزۂ ثمالی کا دوسرا شاھکار وہ دعا ہے جو خود انہی کے نام سے موسوم ہوگئی ہے۔اس دعا کا ابوحمزۂ ثمالی سے نقل ہونا ان کی فکری بلندیوں کا بیان گر ان کی معرفتی شخصیت کا ایک نیا باب اور لقمان زمان و سلمان وقت کی تفسیر ہے۔ایسی دعا جو دل کو نرم کر دے، معرفت الٰہی کا ایک نیا دریچہ وا کر دے، جس کے ذریعہ عبد ذلیل و حقیر و سراپا تقصیر اپنے معبود عزیز و حکیم و رحیم سے گفتگو کا سلیقہ سیکھ لے جس سے معرفت الٰہی، آثار سے حاصل نہ ہو بلکہ ذات سے حاصل ہو، خالص توحید کے دریائے بے بہا جہاں دامن مراد کو لبریز کر رہے ہوں، بندہ اپنی کوتاہیوں سے آگاہ اور اپنی خطاؤں سے آشنا ہو کر شرمسار ہو جائے، صبر، شکر، توکل، توسل جیسی انمول دولتیں جس کے سایہ میں حاصل ہوئی ہوں۔انہیں تمام عناصر اور دیگر نامرئی خوبیوں کا مجموعہ دعائے ابوحمزۂ ثمالی ہے۔

کسی تکلف اور تواضع سے دور ہو کر واضح طور پر عرض کرتا ہوں کہ مجھ میں صلاحیت نہیں ہے کہ میں اس دعا کے رموز و اسرار کی توضیح پیش کرسکوں۔اس دعا میں فلسفہ و علم کلام و عرفان کے تمام عناصر موجود ہیں۔اس کے ہر حصہ پر تخصصی اور موضوعی طور پر بحث کی جاسکتی ہے لیکن نہ ہی یہ مقالہ اس شرح و بسط کی تاب رکھتا اور نہ ہی نویسندہ میں اتنی صلاحیت ہے بس کچھ کلمات کی مختصر سی توضیح پیش کر کے بات کو تمام کر دینا ہے۔

زمزمۂ توحید

بنی امیہ کے دور حکومت میں گھٹن سے متعفن ماحول میں ایک طرف حاکمان وقت ماہ رمضان کی راتوں میں شراب و شباب میں مست عیش و نوش کی بزم سجائے رقاصاؤں کے نیم عریاں اجسام کی تشہیر کر کے ماہ مبارک کی توہین کر رہے تھے تو دوسری طرف پیغامبر کربلا، وارث سید الشہداء، مجاھد مناجات و دعا حضرت زین العباء علی بن الحسینؑ اپنے ملکوتی وجود کے ساتھ ماہ رمضان کی شبوں میں افطار کے بعد مصلائے عبادت پر سبوح قدوس رب الملائکۃ و الروح کی روح پرور صداؤں سے فضائے مدینہ کو تعفن سے نجات دلا کر عطر آگین فرما رہے تھے، رکوع کا وہ خم، سجود کی وہ خاکستری اور رخساروں کا خاک کربلا سے ملنا رحمت الٰہی کو وجد میں لا رہا تھا جس کے نتیجے میں دوسروں سے بھی بلائیں دور ہو رہی تھیں، آنسوؤں سے معمور آنکھیں، عبادتوں سے نورانی چہرہ، متواتر سجدوں سے پیشانی مبارک پر نور کا ہالہ اور عبادتوں کی کثرت سے قدمہائے مبارک کا تورّم عبودیت کا حقیقی منظر پیش کر رہا تھا، اسی قیام وقعود و رکوع وسجود میں رات کا دم ٹوٹنے لگتا اور سحر کا وقت آجاتا تھا لیکن سحر کے وقت ہمارے گھروں کی طرح دسترخوان پر کھانے پینے کی اشیاء کا مینا بازار نہیں سجا تھا یا ہوٹلوں کی کرسیاں آباد نہیں تھیں بلکہ وہاں ''قوت لایموت'' کی حد تک کچھ کھا لیا گیا اور معنوی و روحانی غذا سے سرشار ہونے کے لئے عالم ملکوت و جبروت کی سیر ہونے لگی اپنے وجود کی گہرائیوں کے ساتھ اپنی تمام تر معنوی و روحانی صلاحیتوں کو اکٹھا کر کے مجاھد مناجات و دعا حضرت زین العباءؑ نے سحر کی سیاہی کو زمزمۂ توحید سے منور کر دیا یکایک ابوحمزۂ ثمالی متوجہ ہوئے کہ توحید کی زمزمہ خوانی سے عالم ملکوت کی فضا میں تحیر و حیرانی ہے۔ تمام کائنات پر سناٹا چھایا ہے فقط ایک آواز فضاء ملکوت میں گونج رہی ہے:

إِلٰهِي لَا تُؤَدِّبْنِي بِعُقُوبَتِكَ، وَلَا تَمْكُرْ بِي فِي حِيلَتِكَ، مِنْ أَيْنَ لِيَ الْخَيْرُ يَارَبِّ وَلَا يُوجَدُ إِلَّا مِنْ عِنْدِكَ وَمِنْ أَيْنَ لِيَ النَّجَاةُ وَلَا تُسْتَطَاعُ إِلَّا بِكَ لَا الَّذِيأَحْسَنَ اسْتَغْنَى عَنْ عَوْنِكَ وَرَحْمَتِكَ، وَلَا الَّذِي أَسَاءَ وَاجْتَرَأَ عَلَيْكَ وَلَمْ يُرْضِكَخَرَجَ عَنْ قُدْرَتِكَ

''خدایا! مجھ کو اپنی سزا کے ذریعہ ادب نہ سکھا اور اپنی تدبیر سے مجھے دھوکہ میں نہ رہنے دے اور مبتلا نہ کر اے پروردگار میرے لئے نیکی کہاں سے ہو سکتی ہے جبکہ خیر تیرے علاوہ کسی کے پاس نہیں پایا جا سکتا اور میرے لئے نجات کہاں ہو سکتی ہے جب کہ تیری مہربانی کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ جس نے نیکی کی ہے وہ تیری مدد و رحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور ایسا نہیں ہے کہ جو شخص برائی کرے اور تیرے مقابلہ میں جرأت کا مظاہرہ کرے وہ تیری قدرت سے باہر نکل جائے''۔

دعا کے اس ابتدائی حصہ میں اس حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ خدا کی قدرت سے کسی بھی طرح باہر نکلنا ممکن نہیں ہے، نہ ہی نیکیاں کرنے والا اپنی نیکیوں پر مغرور ہو سکتا ہے اور نہ ہی برائی کرنے والے کو مطمئن

ہونا چاہیے کیونکہ ہر نیکی اس کی توفیق کے بغیر محال ہے اور ہر گناہ گار اس کی قدرت کی دسترسی میں ہے جب اس کی مشیت ہوتی ہے تو تاج ٹھوکروں میں اور کاخ کھنڈروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ دعا کے اس حصہ میں مولا نے جو کلمات استعمال کئے ہیں وہ توجہ اور باریک نگاہی کے متقاضی ہیں۔

☆اِلٰهِی لاَ تُؤَدِّبْنِی بِعُقُوبَتِکَ: اس ایک جملہ میں نہ معلوم کتنے شبہات کے جوابات موجود ہیں سب سے پہلی بات یہ کہ خدا کی طرف سے ہر عقوبت اور سزا کسی ظلم کی بنیاد پر نہیں ہے، نہ ہی کسی بادشاہ کی مخالفت کا نتیجہ ہے بلکہ بلا تشبیہ جس طرح ایک دلسوز باپ اور شفیق ماں اپنے شریر بچے کی تنبیہ و تربیت اور ادب سکھانے کے لئے اپنے بچوں کو سزا دیتے ہیں اسی طرح ماں باپ کے دل میں محبت ایجاد کرنے والا خالق بھی لامتناہی رحم و کرم کے بعد نالائق بندوں کی تربیت کے لئے بعض اوقات ان پر قہر کرتا ہے اور انہیں سزا دیتا ہے لیکن امامؑ کی درخواست یہ ہے کہ تو مجھے اپنی سزا کے ذریعہ با ادب نہ بنا کیونکہ میں نے تجھ سے مقابلہ کے لئے تیری مخالفت نہیں کی ہے بلکہ میرے نفس نے مجھے مجبور کر دیا اس لئے رحم و کرم کے ذریعہ مجھے اس سے نجات دلا اور اپنی بارگاہ تک رسائی کا ادب سکھا۔

☆لاَ تَمْکُرْ بِی فِی حِیلَتِکَ: اپنی تدبیر سے تو مجھے دھوکہ میں نہ رکھ اور مبتلا نہ فرما۔ جب انسان اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ خدا کے تمام انبیاء و اوصیاء کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے اور ان کی تمام زحمتوں کو اپنے قدموں تلے کچل دے تو وہ خدا کی تدبیر کے بھنور میں ایسا گرفتار ہوتا ہے کہ پھر بھاگنے کا راستہ نہیں ملتا۔ جناب موسیٰؑ کی اتنی زحمتوں کے باوجود بنی اسرائیل نے آخر وقت میں یہ کہہ دیا کہ ہم یہاں سے نہیں جائیں گے اور وادی مقدس میں داخل نہیں ہوں گے۔ حضرت موسیٰؑ ہزار بار کہتے رہے کہ تم جاؤ گے تو وہ ظالم افراد وہاں سے نکل جائیں گے لیکن ضدی بنی اسرائیل اپنی باتوں پر ڈٹے رہے اور کہہ دیا کہ آپ جائیے اور آپ کا خدا جائے ہم کبھی نہیں جائیں گے (۱۱)۔ جب ساری زحمتیں اکارت ہو گئیں تب حضرت موسیٰؑ نے بد دعا کی اور بنی اسرائیل کو چالیس برس تک ''تیہ'' (سرگردانی اور حیرانی) کے عذاب میں مبتلا رہنا پڑا (۱۲)۔ تدبیر الٰہی نے کرشمہ دکھایا وہ زمین موعود جو پندرہ کوس کے فاصلہ پر تھی اسی کی تلاش میں چالیس سال تک حیران و پریشان رہے لیکن منزل نہ ملی۔ امامؑ فرما رہے ہیں کہ خدایا مجھے اپنی تدبیر سے دھوکہ میں نہ رکھ اور مبتلا نہ کر یعنی ایسا نہ ہو کہ ساری چیزیں سامنے ہوں تجھ تک رسائی کا دروازہ کھلا ہو اور اس سے دور رہیں۔ ماہ رمضان کی فقط ایک رات اسی برس بلکہ اس سے بھی زیادہ کی جزا دینے کے لئے آمادہ ہو اور ہم اِدھر اُدھر کی باتوں اور کھانے پینے میں اسے گنوا دیں۔ اگر کلی طور پر دیکھا جائے تو پیغمبر اکرم ﷺ کی وفات کے بعد سامری

کے گوسالہ کی پیروی اور قرآن وعترت کے راستے پر نہ چلنے کے نتیجے میں امت مسلمہ آج تک حیرانی یعنی ''تیہ'' کے عذاب میں مبتلا ہے۔ کربلا کا واقعہ اسی ''تیہ'' کے عذاب کا ایک نمونہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حسین ابن علی علیہما السلام کا سر نعرۂ تکبیر کے ساتھ قلم نہ کیا جاتا اس سے بڑی گمراہی اور کیا ہوگی۔

مضحکہ دیکھئے اسلام کی تقدیر کے ساتھ
سر قلم شہ کا ہوا نعرۂ تکبیر کے ساتھ

اس واقعہ کے بعد امت مسلمہ تدبیر الٰہی کے بھنور میں کچھ اس طرح گرفتار ہوتی چلی گئی کہ اسے آج تک نجات نہیں ملی ورنہ سوچنے کا مقام ہے کہ وہ خانۂ کعبہ جو یہودیوں کے مقابلہ میں استقلال کا علامتی کردار ہے اسی خانۂ کعبہ کے ذمہ دار خادمین حرمین الشریفین اور آل سعود کس طرح اپنا استقلال کھو کر یہودیت کی جوتی سیدھی کر رہے ہیں اور امریکہ اور اسرائیل کی کٹھ پتلی بن کر آج بحرین و یمن و مصر و تونس وغیرہ میں خون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ درحقیقت آل سعود حیرانی و سرگردانی یعنی ''تیہ'' کے عذاب میں مبتلا ہے جو راہ نجات کا مرکز، خانۂ کعبہ اپنے قبضہ میں رکھنے کے باوجود نجات کے لئے حیران و پریشان ہے۔

شاید انہی حقائق کو مدنظر کر رکھتے ہوئے امام علیہ السلام نے فرمایا ہو ''لَا تَمْكُرْ بِي فِي حِيلَتِكَ''

''خدایا! ہمیں اپنی تدبیر کے دھوکہ میں مبتلا نہ فرما'' یعنی جب تیری تدبیر کے دھوکہ میں مبتلا ہو کر سب حیران و سرگردان ہوں تو ایسی صورت میں ہمیں ساحل نجات سے ہمکنار فرما۔ یہ کلمات اتنے قدسی اور ملکوتی صفات تھے کہ ان کے بعد امام علیہ السلام نے سانس منقطع کئے بغیر کئی بار ربا رب یارب یارب کی تکرار فرمائی۔

معرفت ذات

''بِكَ عَرَفْتُكَ وَأَنْتَ دَلَلْتَنِي عَلَيْكَ وَدَعَوْتَنِي إِلَيْكَ، وَلَوْلَا أَنْتَ لَمْ أَدْرِ مَا أَنْتَ''

''میں نے تجھ کو تیرے ہی ذریعہ پہچانا اور تو نے اپنے وجود پر میری رہنمائی فرمائی اور اپنی طرف مجھ کو بلایا اگر تو نہ چاہتا تو میں نہ جانتا کہ تو کون ہے۔''

معرفت الٰہی اور دوسروں کو خدا سے آشنا کرنے کے لئے مختلف علوم موجود ہیں۔ علم کلام نے صانع و صنعت کے ذریعہ پہچنوانے کی کوشش کی تو علم فلسفہ نے وجود بما ھو وجود کے ذریعہ واجب الوجود اور ممکن الوجود کی بحث چھیڑ دی معرفت کے یہ طریقے ممکن ہے اپنے دائرہ میں صحیح ہوں اور کسی حد تک ابتدائی معرفت کے لئے مناسب بھی ہوں۔ قرآن مجید میں خدائے متعال نے متعدد مقامات پر خود کو اپنے آثار سے پہچنوایا ہے لیکن یہ معرفت کا ابتدائی یا

عمومی درجہ ہوسکتا ہے۔امام علیہ السلام اپنی دعا میں معرفت کے جس آخری درجہ پر پہنچا رہے ہیں وہ درجہ معرفت ذات کا مقام ہے یعنی معرفت معبود کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو بلکہ چشم بصیرت اتنی تیز ہیں ہو کہ معبود حقیقی کو دیکھتی رہے اور اسی میں مدہوش ہو کر ہوش حاصل کرے۔لہذا فرمایا "بک عرفتک"۔بعض لوگ طلوع خورشید دیکھ کر خدا کی معرفت حاصل کر کے خود کو اہل نظر تصور کرتے ہوئے یہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوت حق کے لئے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

معرفت کی یہ حد، کہنے والے ہی کو مبارک ہو کیونکہ یہ اور اس قسم کی دیگر تمام معرفتیں نچلے درجہ کی معرفتیں ہیں لیکن معرفت کا وہ دروازہ جسے امام زین العابدین علیہ السلام ہمارے لئے کھول رہے ہیں وہ معرفت کی معراج ہے۔ دوسروں کی رہنمائی سے خدا تک پہنچنے والے بہت ہیں۔مہ و مہر و برگ و درخت و زمین و آسمان وغیرہ کی مدد سے خدا تک پہنچنے والے لاتعداد ہیں لیکن خود خدا ہی کے ذریعہ اور اسی کی دعوت پر اس سے رہنمائی حاصل کرنا مکتب امام زین العابدین علیہ السلام کا طرۂ امتیاز ہے۔یہ وہ معرفت ہے جو ذات باری کی رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی لہذا فرمایا:

"لَوْلا أَنْتَ لَمْ أَدْرِ مَا أَنْتَ"

"اگر تو نہ چاہتا تو میں سمجھ نہ پاتا کہ تو کون ہے"

معرفت کا یہ معراجی مرحلہ امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے پیش رو معصومینؑ سے حاصل کیا ہے دعائے صباح میں حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

"یا مَنْ دَلَّ عَلیَ ذَاتِهِ بِذَاتِهِ"

"اے وہ خدا جس کی ذات اپنے اوپر خود دلیل ہے۔"

امام حسین علیہ السلام نے دعائے عرفہ میں تو بالکل واضح طور پر فرمادیا:

كَيْفَ يُسْتَدَلُّ عَلَيْكَ بِما هُوَ فِي وُجُودِهِ مُفْتَقِرٌ إِلَيْكَ أَيَكُونُ لِغَيْرِكَ مِنَ الظُّهُورِ مَا لَيْسَ لَكَ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الْمُظْهِرَ لَكَ مَتى غِبْتَ حَتَّى تَحْتاجَ إِلى دَلِيلٍ يَدُلُّ عَلَيْكَ وَمَتى بَعُدْتَ حَتَّى تَكُونَ الْآثارُ هِيَ الَّتِي تُوصِلُ إِلَيْكَ عَمِيَتْ عَيْنٌ لا تَراكَ

"تیرے لئے کیسے اس چیز کے ذریعہ استدلال کیا جاسکتا ہے جو خود اپنے وجود میں تیری طرف محتاج ہے کیا تیرے علاوہ کسی اور کے لئے ظہور ہے جو تیرے لئے نہیں ہے کہ وہ تیرا اظہار کرنے والا ہے۔(پروردگار) تو کب پوشیدہ تھا

کہ کسی دلیل اور رہنمائی کا محتاج ہو جو تیری طرف دلالت کرے (میرے مالک) تو کب دور تھا کہ آثار تجھ سے ملانے کا سبب بنیں وہ آنکھ اندھی ہے تیرا دیدار نہ کر پائے۔"

آبا ءواجداد کے یہی افکار دعائے ابوحمزہ ثمالی میں بک عــــرفتک کے سانچے میں ڈھل کر ہمارے سامنے آئے ہیں۔

مقام دقت یہ ہے کہ معرفت کی معراج کا یہ مرحلہ دعاؤں میں ہی ملتا ہے ورنہ ائمہ اطہارؑ جب عام لوگوں سے مخاطب ہوتے تھے تو ان کو آثار ہی کے ذریعہ خدا تک پہنچاتے تھے۔ کرم ہے ائمہ اطہارؑ کا کہ دعاؤں کی صورت میں انہوں نے ہمیں معرفت کا یہ راستہ بھی سکھا دیا۔ غور کا مقام یہ ہے کہ ان جملات میں اگر دقت سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ائمہ اطہارؑ اپنی دعاؤں کے ذریعہ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ دعاؤں میں حوصلہ بلند رکھو چھوٹی چھوٹی چیزوں کے علاوہ خدا سے ایسی چیزیں مانگو جو تمہاری نگاہ میں انہونی ہوں۔ انسان کب تصور کر سکتا تھا کہ معرفت الٰہی کا ایک طریقہ معرفت ذات بھی ہو سکتی ہے لیکن اپنی دعاؤں کے ذریعہ امام علیہ السلام نے معرفت کے اس درجہ تک رسائی کو بھی ممکن بنا دیا بشرطیکہ چشم بصیرت وا ہو۔

معرفت ذات کے آثار

انسان جب معرفت کے اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے تو خدا کے علاوہ کسی کو موثر نہیں سمجھتا اور وہ اپنی رہنمائی خدا ہی سے طلب کرتا ہے۔ جو لوگ معرفت ذات سے دور ہیں وہ ظاہری اسباب پر بھروسہ کرتے ہوئے مسبّب الاسباب کو بھول جاتے ہیں لیکن امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

"إِلٰهِی رَبَّيْتَنِی فِی نِعَمِکَ وَ إِحْسانِکَ صَغِيراً، وَنَوَّهْتَ بِاسْمِی كَبِيراً، فَيا مَنْ رَبَّانِی فِی الدُّنْيا بِإِحْسانِهِ وَتَفَضُّلِهِ وَنِعَمِهِ، وَأَشارَ لِی فِی الْآخِرَةِ إِلىٰ عَفْوِهِ وَكَرَمِهِ"

"خدایا! تو نے بچپنے میں اپنی نعمتوں اور احسانات کے ذریعہ میری پرورش کی اور بڑے ہونے کے بعد میرا نام لوگوں کے درمیان مشہور کر دیا پس اے وہ ذات جس نے دنیا میں اپنے احسان، فضل و کرم اور نعمتوں کے ذریعہ میری پرورش کی اور میری آخرت کے لئے اپنے عفو و کرم کی طرف اشارہ فرمایا"

اس جملہ میں امام علیہ السلام اس مطلب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اگر بچپنے میں ذات باری کا احسان اور اسکی کرم فرمائی نہ ہوتی تو ماں تمہاری طرف نگاہ بھی نہ کرتی اور تم دنیا میں آنے کے بعد ہی دم توڑ دیتے اگر سینۂ مادر میں تمہارے لئے محبت کا چشمہ جاری نہ کیا ہوتا تو تم غذاؤں سے محروم ہو کر جاں بحق ہو جاتے یعنی ہر لمحہ اسی کے کرم کے

نتیجے میں تم سانس لے رہے ہو لہذا آگے بڑھ کر واضح انداز میں فرمایا:

"سَیِّدِی أَنَا الصَّغِیرُ الَّذِی رَبَّیْتَهُ، وَأَنَا الْجاهِلُ الَّذِی عَلَّمْتَهُ، وَأَنَا الضَّالُّ الَّذِی هَدَیْتَهُ، و أَنَا الْوَضِیعُ الَّذِی رَفَعْتَهُ، وَأَنَا الْخائِفُ الَّذِی آمَنْتَهُ ، وَالْجائِعُ الَّذِی أَشْبَعْتَهُ، وَالْعَطْشانُ الَّذِی أَرْوَیْتَهُ، وَالْعارِی الَّذِی کَسَوْتَهُ، وَالْفَقِیرُ الَّذِی أَغْنَیْتَه وَالضَّعِیفُ الْمُذِیقَوَّیْتَهُ، وَالذَّلِیلُ الَّذِی أَعْزَزْتَهُ"

"اے میرے مولا و آقا! میں تیرا وہی خرد سال بندہ ہوں جس کی تو نے پرورش کی ہے میں وہی جاہل ہوں جسے تو نے علم عطا کیا۔ میں وہی گمراہ ہوں جس کی تو نے ہدایت کی، میں وہی پست ہوں جسے تو نے رفعت عطا کی، میں وہی خوف زدہ ہوں جسے تو نے امان دی، وہی بھوکا ہوں جسے تو نے سیر کیا، وہی پیاسا ہوں جسے تو نے سیراب کیا، میں وہی برہنہ ہوں جسے تو نے لباس عطا کیا، میں وہی فقیر ہوں جسے تو نے بے نیاز کیا، میں وہی کمزور ہوں جسے تو نے قوت عطا کی اور میں وہی ذلیل وخوار ہوں جسے تو نے عزت عطا کی ہے۔"

یعنی سارا کرم تیرا ہے کیونکہ ہر چیز تیری ہے۔ بچپنے میں تو نے میری پرورش کی ہے اگر تو نے لمحہ بھر سے بھی کم مدت کے لئے نظر کرم کو پھیر لیا ہوتا تو ہماری پرورش محال ہو جاتی۔ جاہل کو علم عطا کرنے والا تو ہے، کتابیں اور یونیورسٹی تو اسباب ہیں۔ اگر تو نظر کرم پھیر لے تو یہی علم وبال جان بن جائے۔ غذائیں کب سیر کرتی ہیں وہ تیری قدرت ہے کہ بندہ تیری دی ہوئی غذاؤں سے سیر ہو جاتا ہے اگر تو چاہے تو غذاؤں کی بہتات کے باوجود کھانے والا کھا کے تھک جائے لیکن شکم سیر نہ ہو جیسا کہ تو نے امیر شام کے ساتھ کیا، پانی کب سیراب کرتا ہے وہ تو تیرا کرم ہے کہ پانی پی کر ہماری پیاس بجھ جاتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دولت وثروت کی بہتات سے ہم غنی ہو جائیں گے لہذا کسی بھی طرح مال حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم بھول جاتے ہیں کہ مال و دولت بے نیازی کا سبب نہیں ہے بلکہ اگر تو چاہے تو فقیر کو بے نیاز کر دیتا ہے اور دولتوں کے انبار کے باوجود مالدار فقیر رہتا ہے۔ حاکم، بادشاہ، ملک کا سربراہ صاحب عزت ہوتا ہے لہذا ہم عزت کے لئے عہدہ کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھاتے ہیں لیکن اگر امام زین العابدین علیہ السلام کی افق نگاہ سے عزت و ذلت کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ذلیل کو عزیز فقط خدائے عزیز بنا سکتا ہے۔

دنیا میں بھلا کون تصور کر سکتا تھا کہ قیدی اور اسیر حاکم وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے اس طرح ہمکلام ہو کہ فتح کا سارا نشہ ہرن ہو جائے اور بھرے دربار میں قیدی آزاد اور بادشاہ اسیر دکھائی دینے لگے، زنجیر اور طوق و

سلاسل میں جکڑا انسان بظاہر ایک قیدی تھا جو دربار میں داخل ہو رہا تھا لیکن حاکم وقت کی رسوائی کے بعد معلوم ہوا کہ در واقع یہی قیدی فاتح شام ہے اور یہ حاکم اس کا قیدی ہے

فاتح شام آرہا ہے قیدیوں کے بھیس میں
اطلاعاً پاؤں کی زنجیر نے آواز دی

امید وتوکل

ڈپریشن (Depression) افسردگی اور مایوسی کا مرض اس وقت اتنا عام ہو چکا ہے کہ تقریباً ہر انسان اس سے پریشان ہے اس کا اہم سبب امیدوں اور توقعات کا پورا نہ ہونا ہے۔ سن رسیدہ افراد اس لئے اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہم نے اپنی اولاد پر جتنا خرچ کیا اس کا نتیجہ سامنے نہیں آیا بلکہ اس بڑھاپے میں بھی ہمیں کو اس کا خرچ اٹھانا پڑ رہا ہے یا وہ بچہ جسے پروان چڑھایا تھا وہ آج منہ کو آرہا ہے۔ متوسط سن و سال کا انسان اس لئے اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے کہ میرے بچوں کا کیا ہوگا ہم انہیں اچھی طرح آذوقہ فراہم نہیں کر پا رہے ہیں۔ ہم نے فلاں شخص پر اپنی جان نچھاور کر دی لیکن وہ آج ہمارا دشمن ہے۔ اسی طرح کے دوسرے افکار انسانی ذہن میں خلفشار پیدا کرتے ہیں اور وہ افسردگی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ان تمام چیزوں کا اہم سبب غیر خدا سے امید باندھنا اور دوسروں پر بھروسا کرنا ہے لیکن جہاں ذات باری کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے وہاں خدا کے علاوہ کسی اور سے امید ہی نہیں ہوتی اور کسی دوسرے پر بھروسہ ہی نہیں ہوتا۔ مورد بحث دعا میں امام زین العابدین علیہ السلام اس مطلب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اگر امید لگانی ہے تو فقط خدا سے لگاؤ کبھی بھی ناامید نہیں ہوگے اگر بھروسہ کرنا ہے تو خدا پر بھروسہ کرو کبھی بھی افسردہ نہیں ہوگے آپ فرماتے ہیں:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی لَا اَرْجُو غَیْرَهُ وَلَوْ رَجَوْتُ غَیْرَهُ لَاَخْلَفَ رَجَائِی .....
لَوْلَا مَا اَرْجُو مِنْ کَرَمِکَ وَسَعَةِ رَحْمَتِکَ وَنَهْیِکَ اِیَّایَ عَنِ الْقُنُوطِ لَقَنَطْتُ عِنْدَما اَتَذَکَّرُهَا"

"ساری تعریف اس اللہ کی جس کے علاوہ کسی اور سے میں امید نہیں رکھتا کہ اگر کسی دوسرے سے میں امید لگاتا تو ناامید ہو جاتا....."

پھر آگے بڑھ کر فرمایا: "اگر میں تیرے کرم اور تیری رحمتوں کی وسعتوں سے امیدوار نہ ہوتا اور تو نے مایوسی سے منع نہ کیا ہوتا تو جب میں اپنے گناہوں کو یاد کرتا ہوں تو ناامید ہو جاتا۔"

ان جملوں میں آپ غور کریں کہ خدا کے علاوہ کسی اور سے امید باندھنا ناامیدی کا باعث ہے لہذا انسان

نا امید ہوجاتا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ امید کا راستہ بند ہے بلکہ امید کا راستہ ہر وقت آزاد ہے آپ فرماتے ہیں:

" اَللّٰھُمَّ إِنّی أَجِدُ سُبُلَ الْمَطالِبِ إِلَیْکَ مُشْرَعَةً، وَمَناهِلَ الرَّجاءِ لَدَیْکَ مُتْرَعَةً، وَ الاسْتِعانَةَ بِفَضْلِکَ لِمَنْ أَمَّلَکَ مُباحَةً"

''خدایا میں تجھ تک پہنچے کے ہر راستے کو کھلا پاتا ہوں اور امیدوں کے چشمے تیری طرف سرشار پاتا ہوں اور آرزومندوں کے لئے تیرے فضل سے مدد حاصل کرنا آزاد ہے''

مقام دقت ہے کہ انسان، خدا اسے امید کے لئے ایسی نگاہ پیدا کرے کہ اسے امید کے راستے میں گناہوں کے علاوہ کوئی رکاوٹ دکھائی نہ دے بلکہ امید کا چشمہ اس کے لئے ہمیشہ سرشار رہے لیکن انسان، خدا سے غافل ہوکر دوسروں سے امیدیں رکھتا ہے اور جب امیدیں پوری نہیں ہوتیں تو مایوس ہوکر متعدد امراض کا شکار ہوجاتا ہے۔خود امامؑ نے دعا کے ایک حصہ میں فرمایا ہے کہ مایوسی خدا سے غفلت کا نتیجہ ہے،

" أَوْ لَعَلَّکَ رَأَیْتَنِي فِي الْغافِلِینَ فَمِنْ رَحْمَتِکَ آیَسْتَنِي"

شاید تو نے مجھے غافلوں کے گروہ میں پایا ہے اس لئے اپنی رحمت سے مایوس کردیا ہے

جو انسان خدا سے غافل ہوکر دوسروں سے لو لگاتا ہے خدا اسے مایوسی کے عذاب میں مبتلا کردیتا ہے لیکن جو ذات پروردگار کی معرفت حاصل کرلیتا ہے وہ خدا کے علاوہ کسی اور کو موثر نہیں پاتا۔اس لئے کسی اور سے امید ہی نہیں باندھتا اور چونکہ اس کی امیدوں کا مرکز خدا کی ذات ہوتی ہے لہٰذا امیدوں کے پورے ہونے میں کسی دوسرے پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ اس کا توکل اور بھروسہ فقط ذات پروردگار پر ہوتا ہے۔

امامؑ فرماتے ہیں:

" سَیِّدِی عَلَیْکَ مُعَوَّلِي وَمُعْتَمَدِي وَرَجائِي وَتَوَکُّلِي،وَبِرَحْمَتِکَ تَعَلُّقِي"

''اے میرے مولا وآقا! میرا بھروسہ، اعتماد، امید اور توکل تجھ ہی پر ہے اور تیری ہی رحمت سے میں وابستہ ہوں''

ایک دوسری جگہ فرمایا:

"یَا سَیِّدِی اِنْ وَکَلتَنِی اِلیٰ نَفْسِی هَلَکْتُ "

''اے میرے مولا وآقا! اگر تو نے مجھے میرے نفس کے بھروسہ پر چھوڑدیا ہوتا تو میں ہلاک ہوجاتا''

ابتدائے دعا میں ارشاد فرمایا:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی وَکَلَنِی إِلَیْهِ فَأَکْرَمَنِی وَلَمْ یَکِلْنِی إِلَی النَّاس"

''حمد ہے اس خدا کی جس نے مجھے اپنی ہی ذات کا بھروسہ مند بنایا پس میری عزت افزائی کی اور مجھے لوگوں کے حوالے نہیں کیا کہ وہ لوگ مجھے ذلیل وخوار کریں''

ان چند جملوں پر غور کیجیے اور پھر محسوس کیجیے کہ امامؑ معرفت ذات کے نتیجے میں کس دولت سے نواز رہے ہیں۔ دوسروں پر بھروسہ کرنا ذلت و رسوائی اور ذات الٰہی پر بھروسہ عزت افزائی ہے۔حتیٰ اپنی ذات پر بھروسہ بھی ہلاکت کا باعث ہے۔

یہ مطلب قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے ثابت ہے۔(۱۳)

اگر امت مسلمہ نے خدائے متعال پر بھروسہ کیا ہوتا تو آج دنیا کی ساری سوپر پاور حکومتیں مسلمانوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتیں لیکن ساری مادی ومعنوی قدرت کے باوجود مسلمان حکمرانوں خصوصاً آل سعود نے خدا کے علاوہ استکبار اور صہیونیت پر بھروسہ کیا نتیجہ فقط ذلت و رسوائی ہے۔اس لئے کہ خدا کے علاوہ دوسروں پر بھروسہ ذلت و رسوائی کا مرکز ہے اور خدا پر بھروسہ قیدی کو بھی روحانی قوت عطا کرتا ہے لہذا ظالم حاکم خوف زدہ اور مظلوم توکل کے سایہ میں مطمئن رہتا ہے

ظلم جب تھک گیا تو چیخ اٹھا
کیا کروں سامنا حسینؑ کا ہے

معرفت ذات اور توسل

اب تک کی گفتگو، معرفت ذات اور اس کے آثار کے سلسلے میں تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے علاوہ کسی دوسری ذات سے امید لگانا اس پر بھروسہ کرنا اس سے طلب کرنا اور اس سے مانگنا ذلت و رسوائی کا سبب ہے۔ یہ مطالب ایسے ہیں جن کے ذریعہ کج فکر افراد سیدھی سادھی عوام کو دھوکہ میں لاکر خدا کے راستہ سے منحرف کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا کے علاوہ کسی اور سے مانگنا شرک ہے، اولیاء الٰہی کی قبروں کا طواف کفر ہے۔آج اسی شبہ کے پیش نظر وہابیت مسلمانوں خصوصاً مکتب اہلبیت اطہارؑ کے طرفداروں کا قتل عام کر رہی جب کہ توسل واستمداد نہ ہی شرک ہے نہ ہی بدعت بلکہ عین عبادت ہے۔موجودہ تحریر اس کی متقاضی نہیں ہے کہ توسل کی اہمیت، افادیت، سنت سلف اور سنت پیغمبرؐ ہونے پر روشنی ڈال سکے اور اس کے منکر کو سنت سلف کا مخالف ثابت کر سکے یہاں تو فقط ان کج فکر اور مُغرِض مزاج افراد کو شبہ ایجاد کرنے سے روکنا ہے جو مولا کی اس دعا سے غلط نتیجہ نکال کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ امامؑ نے بھی معرفت ذات کے نتیجے میں فقط اللہ سے مانگنے کا حکم دیا ہے اور اگر کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور سے مانگتا ہے تو اس

نے غیر اللہ پر بھروسہ کیا ہے اس باطل فکر کو مٹانے کے لئے امام علیہ السلام نے اپنی دعا میں معرفت ذات کے ساتھ ساتھ توسل کا ذکر کے واضح کر دیا کہ توسل، معرفت ذات کے منافی نہیں بلکہ ذات باری کا حکم ہے کہ اس کے خاص بندوں کے توسل کے ذریعہ اس تک پہنچا جائے آپ فرماتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ بِذِمَّةِ الْاِسْلامِ أَتَوَسَّلُ إِلَيْکَ، وَبِحُرْمَةِ الْقُرْآنِ أَعْتَمِدُ عَلَيْکَ، وَبِحُبِّی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْقُرَشِیِّ الْهاشِمِیِّ الْعَرَبِیِّ التِّهامِیِّ الْمَکِّیِّ الْمَدَنِیِّ أَرْجُو الزُّلْفَةَ لَدَيْکَ"

"خدایا اسلام کے عہد و پیمان کے صدقے میں تیری درگاہ میں متوسل ہوں قرآن مجید کے احترام کے صدقے میں تجھ پر اعتماد کرتا ہوں اور وہ محبت جو نبی اُمی، قرشی، ہاشمی، تہامی، مکی اور مدنی سے کرتا ہوں اس کے ذریعہ تجھ سے تقرب کی امید رکھتا ہوں"

اس ایک جملہ میں امام علیہ السلام نے توسل اور اس کے فلسفہ کو واضح کر دیا کہ معرفت ذات اور توسل کے درمیان تنافی نہیں ہے بلکہ تقرب ذات باری کے لئے محمد و آل محمد علیہم السلام کا وسیلہ ضروری ہے اور جو اس کی مخالفت کرے وہ سنت سلف کا مخالف ہے وہ نام کا سلفی ہو سکتا ہے حقیقت میں وہ موافق اسلاف کفر اور مخالف اسلاف صالح ہے بلکہ مخالف سنت رسول ہے۔

افسوس کہ اس مختصر سی تحریر میں اپنی استعداد بھر بھی توضیح و تفسیر پیش نہ کر سکا، شکر، صبر، اسباب زبوں حالی اور نہ معلوم کتنے مطالب ہیں جو چھوٹ گئے فقط آخر میں ایک حصہ کی توضیح پر بات کو تمام کر دینا چاہتا ہوں۔ معرفت ذات کی بحث کے بعد امام علیہ السلام نے ان گناہوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو خدا سے دوری کا سبب ہیں آپ فرماتے ہیں:

عبادت کے وقت سستی کے اسباب

"اَللّٰهُمَّ إِنِّی کُلَّما قُلْتُ قَدْ تَهَيَّأْتُ وَتَعَبَّأْتُ وَقُمْتُ لِلصَّلاةِ بَيْنَ يَدَيْکَ وَناجَيْتُکَ أَلْقَيْتَ عَلَيَّ نُعاساً إِذا أَنا صَلَّيْتُ، وَسَلَبْتَنِی مُناجاتَکَ إِذا أَنا ناجَيْتُ، مالِی کُلَّما قُلْتُ قَدْ صَلُحَتْ سَرِيرَتِی وَقَرُبَ مِنْ مَجالِسِ التَّوَّابِينَ مَجْلِسِی عَرَضْتَ لِی بَلِيَّةً أَزالَتْ قَدَمِی وَحالَتْ بَيْنِی وَبَيْنَ خِدْمَتِکَ سَيِّدِی لَعَلَّکَ عَنْ بابِکَ طَرَدْتَنِی، وَعَنْ خِدْمَتِکَ نَحَّيْتَنِی، أَوْ لَعَلَّکَ رَأَيْتَنِی مُسْتَخِفّاً بِحَقِّکَ فَأَقْصَيْتَنِی، أَوْ لَعَلَّکَ رَأَيْتَنِی مُعْرِضاً عَنْکَ فَقَلَيْتَنِی أَوْ لَعَلَّکَ وَجَدْتَنِی فِی مَقامِ الْکاذِبِينَ فَأَقْصَيْتَنِی أَوْ لَعَلَّکَ رَأَيْتَنِی غَيْرَ شاکِرٍ لِنَعْمائِکَ فَحَرَمْتَنِی، أَوْ لَعَلَّکَ فَقَدْتَنِی مِنْ مَجالِسِ الْعُلَماءِ فَخَذَلْتَنِی أَوْ لَعَلَّکَ رَأَيْتَنِی فِی الْغافِلِينَ فَمِنْ رَحْمَتِکَ آيَسْتَنِی، أَوْلَعَلَّکَ رَأَيْتَنِی آلِفَ مَجالِسِ الْبَطّالِينَ فَبَيْنِی وَبَيْنَهُمْ خَلَّيْتَنِی، أَوْ لَعَلَّکَ لَمْ تُحِبَّ أَنْ تَسْمَعَ دُعائِی فَباعَدْتَنِی، أَوْ

لَعَلَّکَ بِجُرْمِی وَجَرِیرَتِی کَافَیْتَنِی، أَوْ لَعَلَّکَ بِقِلَّةِ حَیائِی مِنْکَ جَازَیْتَنِی"

''خدایا! میں نے جب بھی عزم وجزم کے ساتھ کہا کہ میں نے خود کو مہیا اور آمادہ کرلیا ہے اور تیرے روبرو عبادت ونماز کے لئے کھڑا ہوگیا اور میں نے تجھ سے مناجات کی تو اس وقت تو نے مجھے نیند میں ڈال دیا اور اپنی مناجات کو مجھ سے چھین لیا جب میں نے تجھ سے مناجات کی، اے خدا کیا ہوگیا ہے کہ جب بھی میں نے کہا کہ میرا باطن نیک ہوگیا ہے اور جب بھی میں توبہ کرنے والوں کی بزم کے قریب میں قرار پایا تو کوئی نہ کوئی مصیبت عارض ہوگئی جس نے میرے قدم کو ہلا دیا اور وہ میرے اور تیری خدمت کے درمیان حائل ہوگئی، میرے مالک شاید تو نے مجھ کو اپنے حق کو ہلکا سمجھنے والا پایا ہے۔اس لئے تو مجھ کو دور کردیا ہے یا شاید تو مجھ کو اپنے سے روگردان پایا تو تو نے مجھ پر غضب کیا یا شاید تو نے مجھ کو جھوٹوں کے مقام میں پایا تو تو نے مجھ کو چھوڑ دیا یا شاید تو نے مجھ کو اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا نہیں پایا اس لئے تو نے مجھ کو محروم کر دیا یا شاید تو نے مجھ کو علماء کی بزم سے غائب پایا اس لئے تو نے مجھ کو رسوا کردیا یا شاید تو نے مجھ کو غافلین میں دیکھا ہے تو تو نے مجھے اپنی رحمت سے مایوس کردیا یا شاید تو نے مجھ کو اہل باطل کی بزم سے مانوس پایا تو تو نے میرے اور ان کے درمیان تخلیہ کردیا یا شاید تو نے میری دعا کا سننا پسند نہیں کیا اس لئے تو نے مجھ کو (اپنے سے) دور کردیا ہے یا شاید تو نے میرے جرم و خطا کا بدلہ دیا ہے یا شاید تو نے مجھ کو میری بے شرمی کی سزا دی ہے۔''

اے میرے مظلوم وصابر وشاکر مولا علی ابن الحسین علیہما السلام ان چند جملوں میں آپ نے ہمارے باطن کے نہاں خانوں میں داخل ہوکر کن پوشیدہ حقیقتوں سے پردہ ہٹایا ہے۔عبادتوں میں ہماری سستی، مناجات کے وقت ہماری خستگی اور آنکھوں میں نیند کے خمار، نیک کاموں کی انجام دہی کے وقت کسی نہ کسی مشکل میں گرفتار ہوجانا ان سب چیزوں کو ہم ظاہری اسباب میں تلاش کرتے ہیں لیکن آپ ان چیزوں کے حقیقی اسباب بیان فرمارہے ہیں۔

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ خدا نے ہمیں اپنے در سے دور کردیا ہے۔اس لئے ماہ رمضان کی راتوں میں عبادتوں میں مصروف ہونے کے بجائے سڑکوں کے قمقموں اور ہوٹلوں میں بے مقصد گفتگو سے اہل باطل کا سامان فراہم کیا ہے اور انہیں سے مانوس ہوگئے۔ہم علماء کی بزم سے دور ہوچکے ہیں جس کے نتیجے میں اتنے ذلیل و رسوا ہوئے کہ ان کی توہین کرکے خوش ہوتے ہیں۔مکتب اہل بیت اطہارؑ کے وہ مجاہد جنہوں نے اپنی تمام زندگی احیاء مکتب اہل بیت اطہارؑ کے لئے وقف کردی، دنیا میں تشیع کا ایک نیا اور عزت مآب چہرہ پیش کیا سڑکوں پر انہی کی تصویر پھاڑ کر پیروں سے روندتے ہوئے گذر کر ہم نے اپنی رسوائی کا جو سامان فراہم کیا ہے وہ کبھی بھی عزت میں تبدیل نہیں ہوسکتی۔درحقیقت ہماری رسوائی ہمارے ہی جرم کی سزا ہے۔ہم حق کے نام پر اہل باطل سے مانوس ہوگئے تو خدا نے

ہمارے اوران کے درمیان الفت قائم کردی اب شاید وہ ہماری دعا سننا بھی پسند نہیں کرتا۔اس لئے ہم اس ذلت و خواری کو اپنی عزت کا سرمایہ سمجھ بیٹھے ہیں۔لیکن یہ ماہ مبارک رمضان ہے ہم اگر ذرا سا متوجہ ہو جائیں تو اپنی خطاؤں کو معاف کروا سکتے ہیں اور آئندہ اس ذلت وخواری سے بچ سکتے ہیں۔لہذا امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

" فَإِنْ عَفَوْتَ يَا رَبِّ فَطالَمَا عَفَوْتَ عَنِ الْمُذْنِبِينَ قَبْلِي لِأَنَّ كَرَمَكَ أَيْ رَبِّ يَجِلُّ عَنْ مُكافاةِ الْمُقَصِّرِينَ، وَ أَنَا عائِذٌ بِفَضْلِكَ، هارِبٌ مِنْكَ إِلَيْكَ، مُتَنَجِّزٌ مَا وَعَدْتَ مِنَ الصَّفْحِ عَمَّنْ أَحْسَنَ بِكَ ظَنّاً"

"پس اگر تو معاف کردے تو مناسب ہے کیونکہ مجھ سے قبل بہت سے گنہگاروں کو تو نے معاف کیا ہے کیونکہ اے پروردگار تیرا کرم اس سے برتر ہے کہ گنہگاروں سے بدلہ لے اور میں تو تیرے فضل کی پناہ چاہنے والا ہوں اور تجھ سے بھاگ کر تیری ہی طرف آنے والا ہوں تو نے جو حسن ظن رکھنے والوں کو معاف کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ قطعی ہے۔"

آیئے اس ماہ مبارک رمضان میں عہد کریں کہ ہم اپنے سارے گناہوں کو معاف کروالیں گے تا کہ آئندہ آنے والی زندگی میں وہ کام انجام دیں جو مولا کو پسند ہے۔لیکن مشکل یہ ہے کہ گرمی کا زمانہ ہے سحر کھاتے کھاتے ہی اذان کا وقت ہو جاتا ہے آدمی دعائے سحر پڑھے یا اتنی لمبی قرآن کے ایک پارے سے بھی زیادہ طولانی دعائے ابوحمزہ ثمالی پڑھے۔لیکن میری گذارش ہے کہ ایک بار ہی سہی اس دعا کو ترجمہ کے ساتھ ضرور پڑھیے اگر ایک بار نہ پڑھ سکے تو تدریجاً پڑھیے تجربہ اس بات پر گواہ ہے کہ اس دعا میں ایسی چاشنی ہے کہ ایک دو صفحہ پڑھتے پڑھتے انسان ایسا محو ہوتا ہے کہ ساری دعا ختم ہو جاتی ہے۔

اے اللہ مجھ کو اپنے گناہوں کا اقرار ہے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔میں تہی داماں ہوں۔بس تیری محبوب ہستیوں کا سہارا ہے تو اے ارحم الراحمین تجھے انہی محبوب ہستیوں کا واسطہ کہ گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے اس سہارے سے کبھی بھی ہم کو محروم نہ کرنا۔میرے اللہ ہم تجھ سے وہی کہتے ہیں و جو تیرے حقیقی عاشق علی ابن الحسین علیہما السلام نے کہا ہے کیونکہ اپنا مدعا پیش کرنے کے لئے ہمارے پاس طیب و طاہر مضامین بھی نہیں ہیں جس سے ہم تجھ سے مناجات کرسکیں۔یقیناً میرے گناہ جہنم میں لے جانے کے لئے کافی ہیں لیکن:

" إِلٰهِي إِنْ أَدْخَلْتَنِي النَّارَ فَفِي ذٰلِكَ سُرُورُ عَدُوِّكَ، وَ إِنْ أَدْخَلْتَنِي الْجَنَّةَ فَفِي ذٰلِكَ سُرُورُ نَبِيِّكَ، وَ أَنَا وَاللهِ أَعْلَمُ أَنَّ سُرُورَ نَبِيِّكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ مِنْ سُرُورِ عَدُوِّكَ"

"میرے معبود اگر تو مجھے جہنم میں داخل کرے گا تو اس میں تیرے دشمن کی خوشی ہے اور اگر تو مجھ کو جنت میں داخل کرے گا تو اس میں تیرے نبی کی خوشی اور میں بخدا جانتا ہوں کہ تجھ کو تیرے دشمن کے مقابلہ میں تیرے نبی کی خوشی زیادہ محبوب ہے۔"

خدایا! اگر ہم پر عذاب نازل ہوا تو تیری زہراؑ کے دشمن خوشحال ہوں گے، اپنی زہراؑ کے شکستہ پہلو کا واسطہ اس ماہ مبارک میں ہمارے سارے گناہ معاف فرما کر امام زمانہ ارواحنالہ الفداء کے ظہور میں تعجیل فرمادے اور ان کے دشمنوں کو ذلیل وخوار فرما۔ آمین یارب العالمین بحق محمد وآلہ الطاہرین۔

منابع:

(۱)۔ دعاؤکم فیہ مستجاب: خطبۂ رسول خداؐ جو خطبۂ شعبانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اقبال الاعمال، اعمال ماہ شعبان؛ وسائل الشیعہ، ج ۷، ح ۲۰، باب ۱۸

(۲)۔ شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب رجال میں آپ کا تذکرہ ان لوگوں کے باب میں کیا ہے جنہوں نے بلا واسطہ کسی بھی امام سے حدیث بیان نہیں کی ہے۔ آپ کا پورا نام ہارون بن موسیٰ بن احمد بن سعید بن سعید ہے جیسا کہ نجاشی نے ذکر کیا ہے (رجال نجاشی ۹۳۴)۔ آپ کی کنیت ابو محمد تھی آپ قبیلہ بنی شیبان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ بڑے ہی جلیل القدر، عظیم المرتبت، زیادہ روایت نقل کرنے والے اور بے نظیر ثقہ تھے (رجال طوسی ص ۴۴۹)۔ آپ کا شمار علماء شیعہ کی جانی پہچانی شخصیتوں میں ہوتا ہے آپ ثقہ اور ایسے بھروسہ مند تھے جس پر کبھی بھی کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا (رجال نجاشی ص ۴۳۹) ۳۸۵ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی (رجال طوسی ۴۴۱)

(۳)۔ حسن بن محبوب کا شمار امام موسیٰ کاظم اور امام رضا علیہما السلام کے خاص اصحاب میں ہوتا ہے۔ آپ بڑے جلیل القدر صحابی تھے اور اپنے زمانے کے چار ستونوں (ارکان اربعہ) میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ کے ۶۰ اصحاب سے آپ روایت کرتے ہیں۔ (رجال طوسی ص ۹۶) ۲۲۴ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔

(۴)۔ اقبال الاعمال ج 1 ص ۱۵۷

(۵)۔ رجال نجاشی متوفی ۴۵۰ھ تحقیق حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید موسیٰ شبیری زنجانی مدظلہ العالی ص ۱۱۵

(۶)۔ زمانہ حاضر میں رجال کشی موجود نہیں ہے بلکہ اس کا خلاصہ بنام "اختیار معرفۃ الرجال" ہے جو شیخ طوسیؒ کی زحمتوں کا نتیجہ ہے۔

(۷)۔ اختیار معرفۃ الرجال، تحقیق علامہ مصطفویؒ، ص ۲۰۲، شمارہ ۳۵۷

(۸)۔ رجال کشی میں علی بن ابی حمزہ بطائنی کی داستان تفصیل سے موجود ہے۔ لہذا اختیار معرفۃ الرجال کا شمارہ ۷۵۴ سے ۷۶۱ اور ۸۳۲ سے ۸۳۸ تک پھر شمارہ ۸۸۳ میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ شمارہ ۷۵۹ میں ہے کہ اس کے پاس ساتویں امام

کے تیس ہزار دینار تھے ۔اسی کی لالچ میں اس نے آٹھویں امام کی امامت کا انکار کیا اور واقفیہ مذہب کی ترویج کی ۔

(۹) ۔اختیار معرفۃ الرجال شمارہ ۱۳۴ تا ۱۴۰ ۔مرحوم کشیؒ نے تفصیل جناب میثم تمارؓ کے سلسلے میں چند صفحات میں گفتگو کی ہے ۔

(۱۰) ۔رجال نجاشی ص ۱۱۶

(۱۱) اور (۱۲) ۔مائدہ از آیت ۲۱ تا ۲۶

(۱۳) ۔وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (طلاق/۳)، وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَإِنَّ اللهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (انفال/۴۹)، وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَى مَا آذَيْتُمُونَا وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ (ابراھیم/۱۲)

❀❀❀

حیدر علی سی ڈی سنٹر

حیدر علی سی ڈی سنٹر کی کوششوں سے جمع کردہ اسلامی ڈیٹا جو عام مومنین کے علاوہ علماء کرام اور طلاب ذوی الاحترام کے لئے بے انتہا مفید ہے ۔یہ ڈیٹا تقریباً فی الوقت چار ہزار جی بی پر مشتمل ہے جس میں حوزوی دروس کے علاوہ احکام، فقہ، تفسیر، کلام، اخلاق، تاریخ اور مناظرہ کے عنوان پر خصوصی درس موجود ہیں ۔اس کے ساتھ ساتھ مذہبی ڈاکیومنٹری، مذہبی فلم، سیریئل اور شیعہ سنی کتابوں پر مشتمل سافٹ ویر اور عالم تشیع کے مشہور مقررین کی مختلف زبانوں میں موضوع بندی شدہ تقاریر، محافل و مجالس کے مکمل ویڈیوز، منقبتیں اور نوحے بھی کچھ موجود ہے ۔

محمد عباس مسعود حیدر آبادی

ایران: قم: ٹیلیفون: 0098-251-8747968 ؛

موبائل: 0098-9390540523

انڈیا: حیدر آباد: ٹیلیفون: 0091-40-27061835

Email:hyderalicdcenter@gmail.com

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی وصیت سے دو سبق

حجۃ الاسلام مولانا نور محمد ثالثی، مقیم نجف اشرف

وصیت ایک حق ہے جس کی سفارش جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے اور جن چیزوں کو رسول خداؐ دیں اسے اخذ کرنا ہر مسلمان کی شرعی و اخلاقی ذمہ داری ہے۔ قرآن مجید نے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا ہے کہ رسول خداؐ کے عطیات کو لے لو۔ اتباع رسولؐ کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان وصیت کرے اور اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے اہم ترین حدیث کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے سارے اعمال و کردار کی قبولیت کا دارو مدار محبت و معرفت اہل بیتؑ بالخصوص زمانہ کے امام حجت برحق امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی شناخت ہے۔ متفق علیہ بین الفریقین روایت ہے کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام و پیشوا کی شناخت کے بغیر مر جائے اس کی موت جاھلیت یعنی کفر کی موت ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح وصیت کے سلسلہ میں جہاں متواتر روایات موجود ہیں وہیں اس کی اہمیت و عظمت کے لئے کلام معصومؑ ملاحظہ ہو۔ حضرت ختمی مرتبتؐ فرماتے ہیں: مَنْ مَاتَ بِغَيْرِ وَصِيَّةٍ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً(۱)۔ جو شخص بغیر وصیت کے مر جائے اس کی موت جاھلیت کی موت ہوتی ہے۔ اب اس روایت سے زیادہ اور کون سا بیان و کلام وصیت کی اہمیت کو بتلا سکتا ہے کیونکہ اس روایت کے سہارے ہمیں جہالت کی موت کے دو اسباب معلوم ہوئے ایک حجت زمانہ کی شناخت نہ رکھنا دوسرے وصیت کے بغیر مر جانا اور دونوں کے موازنہ سے وصیت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایسے بھی ہمیں ان تمام اعمال کے بجالانے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے جسے بلا استثناء تمام معصومینؑ نے انجام دیا ہے۔ ہر نبیؑ و رسولؑ نے اور پیغمبر خداؐ سے لیکر گیارھویں امام حضرت امام حسن عسکریؑ تک سبھی اماموں نے اس شرعی حق کو عملی جامہ پہنایا ہے۔ لہذا محبان اھلبیتؑ اور دعویدار مذہب تشیع ہونے کے ناطے ہر شیعہ اور ہر محبّ اھل بیتؑ کی ذمہ داری ہے کہ بغیر وصیت کے ایک شب بھی نہ سوئے بالخصوص اگر گردن پر حقوق اور شرعی ذمہ داریوں کا بوجھ ہو تو وصیت کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اس واجب پر عمل نہ کرنے پر بروز قیامت مواخذہ ہونا طئے ہے۔

وصیت کی مہلت

جس طرح شر پسندوں اور ظالموں کی رسّی کو خداوند متعال ڈھیل دیتا ہے اور وہ اپنے ظلم وستم میں بے خوف ہو کر مظلوموں کو ستاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انھیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہے اور ظلم وستم کی سرمستی انھیں بے لگام بنائے جاتی ہے حالانکہ انھیں یہ علم نہیں ہوتا کہ خدا کے یہاں ہر بنائے مصلحت دیر تو ہوتی ہے مگر اندھیر نہیں ہوتا اس نے خود ہی قرآن میں اعلان کر دیا ہے إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا (۲) ''ہم انھیں گناہوں کی زیادتی اور ان کے برے کردار کا نامہ اعمال سنگین کرنے کے لئے مہلت دیتے ہیں''۔

عزیزو! اسی طرح وصیت جیسے عظیم شرعی حق کی ادائیگی اور بہت سے ادھورے کارہائے خیر کی تکمیل نیز حقوق الٰہی وحقوق انسان کی کماحقہ ادائیگی کے لئے خداوند متعال بہت سے مومنین کو وصیت کرنے کی مہلت دیتا ہے مگر ہم ہیں کہ اس خدائی مہلت کو درک نہیں کر پاتے۔ اکثر و بیشتر آپ نے سنا ہوگا اور ممکن ہے متعدد بار ملاحظہ ومشاہدہ کیا ہو کہ کوئی مرد مومن کافی بیمار رہنے کے بعد بلکہ کبھی کبھی حالت احتضار کو پہنچ جانے کے بعد بالکل صحت مند اور شفایاب ہو جاتا ہے اور سننے والوں کی زبان پر یہ جملہ جاری ہو جاتا ہے کہ جناب وہ اچھے بھلے تھے چل بسے۔ جناب وہ تو بالکل شفایافتہ ہو چکے تھے پھر کیا ہوا؟ کیونکر مر گئے!؟ درحقیقت خدا کی طرف سے یہ شفایابی وصیت کرنے اور حقوق کی ادائیگی کے لئے مہلت ملی تھی۔ اب اگر بیمار نے صحت وسلامتی کے بعد وصیت کر لی تھی تو کیا کہنا اور نہیں کی تھی تو اس نے مہلت گنوا دی اور الٰہی فرصت کو ضایع کر دیا ہے۔ اس مثال کو مدنظر رکھ کر ذیل کی روایت سنیں اور وصیت کے سلسلہ میں کوتاہی نہ فرمائیں بالخصوص تادیر بیمار رکھکر شفایانے والوں کو جھنجھوڑ کر ان سے اس شرعی ذمہ داری کی ادائیگی کا مطالبہ کریں ورنہ ان کے اعمال کا خاتمہ معصیت اور نافرمانی پر ہوگا اور یہ قطعاً محبان اہل بیتؑ کے لئے صحیح نہیں ہے۔

مہر معصیت

روایت یوں ہے کہ جناب حماد بن عثمان چھٹے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے معتبر صحابی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں سفر مکہ میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ سفر کی منزلیں طے رہا تھا کہ میرا ساتھی راستہ میں سخت مریض ہو گیا میں اس کی تیمارداری میں لگ گیا چند دنوں کے بعد وہ اس طرح شفایاب ہو گیا کہ بیماری کا کوئی نام ونشان اس کے جسم سے معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ سفر پھر شروع ہو گیا مگر جسے موت آئی اسے کوئی بیماری نہیں تھی؟! حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خداوند متعال اس طرح مرنے والوں کی بصارت، سماعت اور عقل وشعور کو پلٹا دیتا ہے تاکہ یہ دیکھے کہ وہ وصیت

کا فریضہ ادا کرتا ہے یا نہیں؟ اس کے بعد امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: بیماری و نقاہت کے بعد کی صحت و تندرستی اور سکون و آرام کو ''راحة الموت'' کہا جاتا ہے۔ یعنی موت کی راحت و مہلت جس میں مرد مومن کو چاہیے کہ ضرور بالضرور وصیت کرلے کیونکہ یہ ہر مسلمان کا حق ہے اور بقول امام محمد باقر علیہ السلام موت کے وقت اپنے رشتہ داروں کے لئے وصیت نہ کرنے والے کے عمل کا خاتمہ ''معصیت اور نافرمانی'' کی مُہر کے ساتھ ہوتا ہے، خداوند متعال ہمیں اس نافرمانی اور ''مُہر معصیت'' سے محفوظ رکھے۔ آمین

ایسا ہی ایک واقعہ امام جعفر صادقؑ کے غلام ''اعین'' کا بھی ہے جو چند دن بیمار رہنے کے بعد شفا پا گیا اور پھر یکا یک موت نے اسے وصیت کرنے کی مہلت نہیں دی۔ امام کا صحابی اس کے سارے مال و متاع کو امام کی خدمت میں لیکر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''تلک راحة الموت'' وہ موت کی راحت و مہلت تھی جو اسے مل گئی تھی اور خداوند متعال ہر مرنے والے کے عقل و شعور اور قوت بصارت و سماعت کو واپس کرتا ہے تا کہ ملاحظہ کرے کہ وہ وصیت کرتا ہے یا یوں ہی بلا وصیت مرجاتا ہے۔ (۳)

جانب داری ممنوع

بروز قیامت جسے حق شفاعت مل جائے سمجھ لیں اسے بہت بڑا مرتبہ اور عظیم شرف حاصل ہوگیا ہے کیونکہ شفاعت کرنے والا یقیناً عنداللہ وجیہ اور قابل قدر ہونے کے علاوہ اس کے لئے جنت میں داخل ہونا لازم ہے۔ قیامت میں وہی شفاعت کرسکتا ہے جو صالح اور خود جنتی ہو تمام اعمال و کردار کے حساب و کتاب کے تمام مراحل طے کر چکا ہو اور اللہ کی اس پر نظر عنایت ہو۔ مگر جو شخص اپنے وصیت نامہ میں جانب داری سے کام لیتا ہے تقسیم اموال میں عدل و انصاف کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ ثلث مال میں اس کا اختیار ہے لیکن اس سے بھی زیادہ تصرف کا حق استعمال کرتے ہوئے اپنے کسی ورثہ دار کو کم اور کسی کو زیادہ مال عطا کرنے کی سفارش کر جاتا ہے۔ بروز قیامت اس سے اس عمل پر مواخذہ ہوگا اور وہ بروز قیامت حق شفاعت حاصل نہیں کرسکے گا کیونکہ جناب رسول خداؐ نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کو مخاطب قرار دے کر جو وصیت فرمائی ہے اس کے ایک ٹکڑے میں ارشاد فرماتے ہیں: جو شخص اپنی وصیت کو درست طریقہ سے انجام نہیں دے گا یعنی جانب داری سے کام لے گا وہ شفاعت کا مالک نہیں بن سکے گا اور وہ کسی کے حق میں شفاعت کی اجازت نہیں پائے گا۔ نیز حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر میں وصیت میں اپنی اولاد کو نقصان پہنچاؤں تو یہ درحقیقت ان کے اموال کی چوری کے مترادف ہوگا۔ (۴) ظاہر ہے مولا علیؑ

نے وصیت میں جانب داری کی شدت سے ممانعت کی طرف اپنے شیعوں کو متوجہ کرانا چاہتے ہیں ورنہ معصوم امام کہاں اور کسی کے حق میں جانب داری کہاں؟

احکام وصیت: فقہی کتابوں میں وصیت سے متعلق بہت سے احکام پر نظر کرلیں۔ جناب شیخ حر عاملیؒ نے اپنی کتاب ''وسائل الشیعہ'' جلد ۱۳ میں کتاب الوصایا کے اندر سو باب قائم کئے ہیں جن مین وصیت سے متعلق تمام احادیث جمع کر دی ہیں اگر چہ ان احادیث کے مفاہیم کی گہرائی و گیرائی اھل فن حضرات کا کام ہے لیکن پھر بھی کلام معصومین علیہم السلام سے استفادہ کرنا اس کے مفاہیم کو بدقت سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونا نہ صرف تمام محبان اہل بیت علیہم السلام پر لازم ہے بلکہ بیاناتِ معصومین علیہم السلام سے مانوس ہونا اور تمام مراحل زندگی میں بروئے کار لانا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ آیئے وصیت پر عمومی گفتگو کے بعد مولائے کائنات حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے وصیت نامہ پر توجہ دی جائے اور مقالہ کی گنجائش کے پیش نظر تفصیلی گفتگو سے گریز کرتے ہوئے طائرانہ نظر پر اکتفاء کی جائے۔

وصیت نامہ امیر المؤمنین علیؑ پر طائرانہ نظر

ابتدائیہ

جامع نہج البلاغہ علامہ سید رضی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے نہج البلاغہ کے دوسرے حصہ مکتوبات میں ۳۱ویں نمبر پر حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ کے جس کلام کو ذکر فرمایا ہے وہ امام علی علیہ السلام کا وہ مشہور و معروف اور فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ ترین درجہ پر واقع وصیت نامہ ہے جسے امامؑ نے جنگ صفین سے واپسی پر ''حاضرین'' نامی بستی سے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو تحریر فرمایا تھا۔ اس وقت حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی عمر مبارک ساٹھ سال سے اوپر ہو چکی تھی اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جب ایک بار ایسے انسانوں کا تذکرہ ہو جو ساٹھ اور ستر سال کے مابین عمر والے ہوتے ہیں تو جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **معترک المنایا** (۵) ایسی عمر والا ''معرکہ موت'' میں اتر چکا ہوتا ہے، مطلب یہ ہے ساٹھ سال کے اوپر عمر والے انسان کو چاہیے کہ ہمہ وقت موت کی آمد پر خوش آمدید کہنے کے لئے تیار رہے۔ وصیت نامے لکھ ڈالے اور اپنے اخروی امور سے تعلق رکھنے والے تمام اعمال و کردار کا جائزہ لے لے۔

مُوصَی لہ کون؟

اس سلسلہ میں س علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ وصیت نامہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے حضرت

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے نام تحریر فرمایا ہے یا جناب محمد بن الحنفیہؓ کے نام جیسا کہ جناب جعفر بن بابویہ قمی کا خیال ہے وہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ وصیت نامہ جناب محمد ابن الحنفیہؓ کے نام امامؑ نے تحریر فرمایا ہے اور اسی بات کی تائید جناب کمال الدین میثم بحرانی اپنی شرح میں کرتے ہیں حالانکہ نہج البلاغہ کے عظیم شارح جناب میرزا حبیب اللہ ہاشمی خوئی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ مذکورہ وصیت نامہ، عام وصیت نامہ ہے جسے امام علی علیہ السلام نے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو مخاطب قرار دے کر تحریر فرمایا ہے اور اس کے اندر امام علی علیہ السلام نے انسانیت کا عظیم ترین منشور، موعظہ و پند و اندرز کی تمام قسموں اور علمی و عملی حکمتوں کے تمام شہ پاروں کو جمع کر دیا ہے جس سے ہر باپ کو استفادہ کرتے ہوئے اپنی اولاد کو انہیں خطوط و نقوش پر وصیت و نصیحت کرنا چاہیے۔

مُوصِی

خالق نہج البلاغہ، امام الفصاحۃ والبلاغۃ حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنے اس وصیت نامے میں خود اپنے لئے کچھ اوصاف ذکر کئے ہیں جن کے تذکرہ کے بعد ہر وہ شخص جو امام علی علیہ السلام کو امام معصوم اور تمام گناہان صغیرہ و کبیرہ سے منزہ و مبرا تسلیم کرتا ہے یہ سوال ضرور اٹھائے گا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ امام علی علیہ السلام اپنے آپ کو ایسے صفات اور اوصاف سے متصف فرمائیں حالانکہ آپ معصوم عن الخطاء، سہو و نسیان سے پاک، راضی برضائے الٰہی اور تمام نقوص و عیوب سے کوسوں دور ہیں؟ جواب دو جملوں میں یہی ہے کہ مضمون وصیت نامہ عام ہے اور اس کے اندر مُوصی کے لئے ذکر ہوئے صفات امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر منطبق نہیں ہوتے بلکہ آپ نے تمام افراد کے استفادہ اور عبرت کے لئے ذکر فرمایا ہے۔

اوصافِ مُوصِی

وہ صفات جن کا تذکرہ امام علی علیہ السلام نے مُوصی کے لئے ضروری سمجھ کر ذکر فرمایا ہے ان کی تعداد سات ہے جیسے فان: فنا ہو جانے والا، مقر للزمان: تمام تصرفاتِ زمانی اور اسکے قہر و غلبہ کا اقرار کرنے والا۔ مُدبِر العُمُر: عمر کی تمام بہاروں کو نقطۂ اختتام پر پہنچانے دینے والا۔ مستلزم الادھر: زمانہ کے تمام مصائب و آلام کے سامنے تسلیم ہو جانے والا، ذامّ الدنیا: دنیا کی تمام فریب کاریوں کے باعث اسی کی مذمت کرنے والا، ساکن مساکن الموتیٰ: مرنے والوں کی ویران بستی میں سکونت اختیار کرنے والا، ظاعن عن الدنیا: اس اجڑے دیار سے کوچ کرنے والا۔ یہی وہ سات صفات ہیں جنہیں مولیٰ علی علیہ السلام نے اپنے استعمال کیا ہے ظاہر ہے مولیٰ کی غرض اپنے چاہنے والوں کو درس

اور عبرت حاصل کرنے کے لئے ہے ورنہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام ہمیشہ امر خدا کے سامنے تسلیم رہے زمانہ کے در پر آپ نے کبھی گھٹنے نہیں ٹیکے۔ آپ اس دنیا سے شہید رخصت ہوئے اور شہید کو فنا نہیں بقاء حاصل ہو جاتی ہے وغیرہ۔

صفاتِ موصیٰ لہ

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام اپنے لال حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے لئے جن صفات کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی ایسے مضامین و مفاہیم کا حامل ہے جو کبھی بھی کسی معصوم ہستی کے اوپر منطبق نہیں ہو سکتے آپ اس وصیت نامہ میں چودہ صفاتِ مُوصَی لہ کے لئے ذکر کرتے ہیں جو دنیا کے تمام انسانوں کے لئے درس عبرت اور سبق آموز ہے۔ ہم سرسری طور پر تمام سفات کا یکجا ترجمہ کئے دیتے ہیں: ایسے فرزند کے نام جو حاصل نہ ہو سکنے والی امیدیں لگائے بیٹھا ہے، ہلاک ہو جانے والوں کی راہ پر چل پڑا ہے، جو بیماریوں کے نشانہ پر ہے، زمانہ کے ہاتھوں گروی ہے، مصیبتوں کے تیروں کا نشانہ بنا ہوا ہے، جو دنیا کا پجاری اور غلام ہے، مکر و فریب کا سوداگر اور موت کا مقروض ہے، جو موت کا سیر رنج واندوہ کا ہمنوا، مصیبتوں کا ساتھی ہے، جو آفتوں کے نشانہ پر اور دھوکوں کا بچھاڑا ہوا ہے اور مرنے والوں کا جانشین ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جنھیں امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے مُوصَی لہ کے طور پر حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے لئے ذکر فرمایا ہے۔ ظاہر سی بات ہے ان میں سے بہت سے اوصاف کا حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے آپ امام معصوم ہیں لیکن مولیٰ علی علیہ السلام نے عام مسلمانوں بلکہ رہتی دنیا تک کے شفیق آباء کو اپنی پیاری اولاد کے اصلاح اور ان کے مستقبل قریب (دنیا) اور بعید (آخرت) کو سنوارنے کے لئے ذکر فرمایا ہے۔

ایک سوال

امام امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے مُوصی لہ کے صفات کو مُوصی کے صفات سے زیادہ بلکہ دوگنا صفات کا تذکرہ کیوں کیا ہے؟ جواب واضح ہے کیونکہ مُوصَی لہ وصیت کا مقصود ہوتا ہے اسے زیادہ پند و نصیحت کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ مُوصی لہ موصی کے ماترک اور ورثہ میں تصرف کا باعث ہوتا ہے۔ اس کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے موصی کے اموال بلکہ بعض مواقع پر انفس میں تصرف کیا جاتا ہے۔ لہذا مُوصی لہ میں موصی سے زیادہ صفات ہونے ہی چاہیے اور اسے ہر جہت سے امین، خدا کا خوف رکھنے والا بلکہ ایک جملہ میں یوں کہہ دیا جائے کہ ان تمام صفات حمیدہ اور اخلاق حسنہ کا مُوصی لہ کو حامل ہونا چاہیے جنھیں امام علی علیہ السلام نے اپنے اس اہم وصیت نامہ میں تذکرہ فرمایا ہے۔ جو مُوصی لہ کے مذکورہ صفات کو مدنظر رکھے گا کبھی بھی موصی کے اموال میں بے جا تصرف نہیں کرے گا۔ مذکورہ صفات ہر انسان کے اندر

پائے جانے چاہیے چاہے اسے کوئی اپنا وصی و وارث بنائے یا نہ بنائے کیونکہ یہ وہ صفات ہیں جو ہر انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہر انسان میں کم و بیش یہ صفات پائے جاتے ہیں جس سے کسی کو انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مقصد وصیت: مُوصی اور موصَی لہ کے صفات کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد امام علی علیہ السلام وصیت تحریر کرنے کی وجہ بھی ذکر کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں: اے میرے لال! جب میں نے دیکھا کہ میں اپنی عمر کے اس مرحلہ میں داخل ہوگیا ہوں جس میں بدن کے اندر کمزوری ہی بڑھتی ہے اور بگڑے ہوئے گھوڑے کی طرح زمانہ کی آفتیں یلغار کردیتی ہیں اور آخرت کا رخ میری طرف ہے اور عنقریب مجھے اس دارفانی کو خیرباد کہنا ہے تو میں موت آنے سے پہلے اور بھرپور طریقہ سے قوتوں کے کمزور ہو جانے سے پہلے اپنے لخت جگر بلکہ اپنے پورے سرمایہ یعنی تمھارے لئے وصیت کے چند جملے تحریر کردئے ہیں جو درحقیقت امام علیؑ کا تمام انسانیت کے نام منشور حیات اور دستور زندگی ہے۔

پہلی اہم وصیت: تقویٰ

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے مقصد وصیت ذکر کرنے کے بعد جس شئی کو اپنی طولانی وصیت نامہ میں سب سے پہلے ذکر کیا ہے وہ ہے تقویٰ و پرہیزگاری کی وصیت، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری کس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ کائنات کا مولیٰ و آقا اپنے عظیم المرتبت فرزند کو اس کی طرف سب سے پہلے متوجہ کر رہا ہے یوں تو پورا وصیت نامہ تقوائے الٰہی کی شرح و تفسیر ہے لیکن امیر المؤمنینؑ نے اجمالی طور پر سب سے پہلے خدا کے امر و حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کا خوف اور تقویٰ دل میں رکھتے ہوئے تمام دستورات قرآنی پر عمل پیرا ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے اور ان امور میں جسم انسانی کے اندر سب سے انوکھی چیز جسے دل کہا جاتا ہے اس کی موت و حیات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اپنے دل کو یاد الٰہی سے آباد رکھو، دل کی حیات کے اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وعظ و نصیحت اور پند و اندرز سے دل کو زندگی ملتی ہے اور نفس و خواہشات نفس کی موت کے لئے پارسائی اور پرہیزگاری کا سہارا لو۔ یقین کی طاقت سے دل کو تقویت پہنچاؤ، حکمت کے ذریعہ دل کی تاریکیوں کو روشنی میں بدل دو، موت کی اسے بار بار یاد دلا کر قابو میں کرلو، دنیا کے شدائد و مشکلات مصائب و محن کا تذکرہ کر کے دل کی آنکھوں کو بصیر بنا دو۔ سابقہ امتوں کے حالات، ان کے اوپر بیتی مصیبتوں اور ان کے انجام کی یاد دلا کر اس بات پر مطمئن بنا دو کہ عنقریب تم گذشتہ قوموں کے زمرہ میں شمار ہو جاؤ گے، تمہارا تذکرہ بھی قصۂ پارینہ بن جائے گا۔ شاید تقویٰ کی اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام اپنے اس طولانی وصیت نامہ میں سے صرف تقویٰ و

پرہیزگاری اور فرائض الٰہی پر عمل پیرا ہونے اور صالحین کے اعمال و کردار کو اپنانے کو وصیت کا ماحصل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: میرے وصیت نامہ میں سے صرف تقوائے الٰہی کو اگر تم اخذ کر لو تو یہی میرے نزدیک سب سے زیادہ پیارا و پسندیدہ ہے کیونکہ تقویٰ ہی خدا تک پہنچانے والے سفرِ طولانی کا زادِراہ ہے۔

دوسری اہم وصیت: توحید

دین کی ابتدا کا نام معرفت خداوند ہے توحید ہی دین اسلامی کا رکن رکین ہے۔اگر یہ ستون منہدم ہو جائے تو پھر ریت پر عمارت کھڑی کرنے کے مترادف تمام اعمال و کردار ہو جائیں گے۔امیر المؤمنین علیؑ اپنے عظیم وصیت نامہ میں حضرت امام حسن علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: ''اے میرے لال! اگر تمہارے پروردگار کا کوئی شریک کار ہوتا یعنی اگر دو خدا ہوتے تو اس دوسرے خدا کے بھی نمائندے ہوتے اس کی سلطنت و مملکت کے آثار نمایاں ہوتے اس کے افعال و صفات کا تمہیں علم ہو جاتا لیکن خدا ایک ہے اس جملہ میں جہاں وحدانیت پروردگار کی محسوس دلیل پیش کی جارہی ہے وہیں ''دوسرے خدا'' کا تذکرہ بھی کیا جارہا ہے۔ظاہر ہے کہ اگر کوئی دوسرا خدا ہوتا تو اسے بھی الوہیت کے تمام صفات اور خدائی کے تمام آثار کا جامع و حامل ہونا چاہیے کیونکہ الوہیت کے آثار و لوازم کے بغیر اس کی شناخت ممکن نہ ہوگی اور وہ بغیر افعال و صفات الوہیت کے خدا نہیں کہلائے گا۔مولیٰ علی علیہ السلام دوسرے خدا کے مفروضہ کو باطل قرار دیتے ہوئے شریکِ خدا کی نفی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دوسرا خدا ہوتا تو کم از کم الوہیت کے تین نمایاں لوازم اسمیں ضرور پائے جاتے ۱۔وہ بھی اپنے انبیاء و رسل بھیجتا ۲۔اس کی سلطنت و مملکت کے آثار نمایاں ہوتے ۳۔اس کے بھی افعال و صفات کا علم و عرفان حاصل ہوتا اور چونکہ یہ تینوں لوازم منتفی ہیں لہذا ماننا پڑے گا کہ صرف ایک خدا ہے کوئی دوسرا خدا نہیں۔

بستان یا زندان

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام وصیت نامہ کے دوسرے حصہ میں دنیا و آخرت کے حالات سے باخبر کرتے ہوئے ابنائے دنیا اور فرزندان آخرت کی مثال بیان کرتے ہیں۔ابنائے دنیا اپنے آپ کو بستان اور چمنستان میں سرمست بنائے ہوئے ہیں ان کے سامنے آخرت کا تذکرہ سنگین اور سفر آخرت بالکل ایسا ہی ہے جیسے انھیں سرسبز و شاداب بستان سے خراب اور قحط زدہ علاقہ کی طرف کوچ کرنا ہو جبکہ فرزندان آخرت اس دنیا میں تمام زحمتیں، آفتیں اور مصیبتیں اس لئے ہنسی خوشی سے سہے جارہے ہیں کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ یہ چند روزہ سفر دنیا ختم ہونے والا ہے اور بہار حیات

آخرت ہے جہاں انہیں سرسبزوشاداب بستان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنا ہے ۔لہذا وہ دنیا ئے ناپائیدار کی تمام سختیوں اور دنیا کی تمام صعوبتوں کو بخوشی برداشت کرر ہے ہیں اور اپنی ابدی زندگی تک پہنچنے کے لئے قحط زدہ علاقہ کی دشوار گذار وادیوں اور خاردار راہوں پر گامزن ہیں ان کے سامنے دنیا کی چند روزہ زندگی زندان کی چند روزہ قید سے چھوٹ کر آخرت کی ابدی حیات ، بستان و چمنستان قرب الٰہی میں پہنچنا ہے ۔شاید اسی لئے دنیا و آخرت کی تشبیہ کلام رسول خداؐ میں ابنائے دنیا اور فرزندان آخرت کے لحاظ سے ”زندان یا بستان“ کے عنوان پچھوائی گئی ہے ۔آپ فرماتے ہیں :الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے............(جاری ہے)

منابع :

(۱) ۔وسائل الشیعہ ،حدیث نمبر ۲۳۵۴۶

(۲) ۔آل عمران ۱۷۸/

(۳) ۔کافی ج ۷،ص ۳ ح ۲

(۴) ۔وسائل الشیعہ ،کتاب الوصایا ،باب ۵ ، ح ۱

(۵) ۔شرح ابن ابی الحدید ،ذیل وصیت مذکور

❁❁❁

نماز عید اور اسکی دعاؤں میں عید کا پیغام

حجۃ الاسلام مولانا مرغوب عالم عسکری

مختلف مناسبتوں اور مختلف ایام میں ائمہ معصومین علیہم السلام سے منقول ہونے والی دعائیں صرف خدا سے انس و محبت کا رابطہ اور قلبی احساسات کو بیدار کرنے کا ذریعہ نہیں ہیں اور نہ ہی صرف مادی و معنوی ضرورتوں کو خدا سے طلب کرنے کا وسیلہ ہیں بلکہ یہ دعائیں ان دونوں پہلوؤں کے علاوہ بہت ہی عمیق فکری انقلابات اور بہت سارے اعتقادی خطوط کو صحیح سمت کی جانب نشاندہی کرنے کی ضامن ہوتی ہیں کہ جس سے ایک وارستہ و بیدار معاشرے کے فکری، اعتقادی اور عملی اسلوب کی حکایت ہوتی ہے۔ نیز ان دعاؤں کے ذریعہ اپنے زمانہ کے اہم سیاسی مسائل اور صحیح و درست عقائد کو دعاؤں کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے برجستہ اور نمایاں نمونے "صحیفۂ سجادیہ" اور مختلف مناسبتوں سے ائمہ معصومین علیہم السلام سے نقل ہونے والی دعائیں ہیں۔ ہم اس مقالہ میں اسلام میں پیام عید اور اس کے اہداف کے حوالے سے عید الفطر اور عید قربان کی دعاؤں کا ایک سرسری جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

مفہوم عید

عید کے پیغامات اور اس کے صحیح اھداف کو سمجھنے کے لئے بہ عنوان مقدمہ چند نکات کا بیان کر دینا ضروری ہے۔ سب سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ خود عید کا معنی و مفہوم کیا ہے؟ اس سلسلہ میں راغب اصفہانی کا کہنا ہے (۱) کہ عید وہ ہے کہ جس کی مسلسل اور پے در پے بازگشت و تکرار ہو اور اسلام میں یہ دن، عید الفطر اور عید قربان سے مخصوص ہے اور چونکہ یہ دن اسلام کی رو سے مسرت و خوشی کے لئے قرار دیا گیا ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، "ایام عید" خورد و نوش اور شادی و بیاہ سے عبارت ہے، ہر وہ دن کہ جس میں انسان کو سرور و نشاط، خوشی و مسرت حاصل ہو اسے عید کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی مطلب کو ہم قرآن میں ملاحظہ کرتے ہیں ارشاد ہوتا ہے: "پروردگارا! آسمان سے ہم پر دسترخوان نازل کرتا کہ اس کا اول و آخر ہمارے لئے عید قرار پائے"۔

''عید'' سے مراد ہر وہ حالت ہے کہ جس کی برگشت انسان کی طرف ہوتی ہے اور ہر وہ شئے جسکی برگشت انسان کی طرف ہوتی ہے اس سے مراد اس شئے کا نفع اور اس کا حاصل ہے کہ جو انسان تک پہونچتا ہے۔(۲)

کلام راغب سے (دو چیز کا) استفادہ ہوتا ہے ایک یہ کہ عید سے مراد خوشی و مسرت کا دن ہے دوسرے یہ کہ اس دن انسان کو نفع (فیض) پہونچتا ہے۔ ہر چند راغب کا یہ قول کہ عید فقط عید الفطر اور عید قربان سے مخصوص ہے ہم قبول نہیں کرتے کیونکہ آئندہ چل کر اس بات کی طرف (روایات میں) اشارہ ہوگا کہ اسلامی عیدیں چار ہیں کیونکہ روز جمعہ اور یوم الغدیر پر بھی عید کا اطلاق ہوتا ہے۔

اقسام عید

اسلامی تہذیب و ثقافت میں ایک قاعدہ کلیہ عید کے لئے پیش کیا گیا ہے ممکن ہے اس کے متعدد اور بہت سارے مصادیق ہوں وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے جس دن کوئی گناہ نہ ہو وہ دین عید شمار ہوتا ہے، ایک شخص نے عید قربان کے دن حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا کہ ایک چشمہ کے کنارے بیٹھے ہوئے جو کی خشک روٹی پانی سے بھگو کر تناول فرما رہے ہیں تو اس شخص نے عرض کیا: یا علی! روز عید بھی آپ مرغن اور رنگین غذاؤں کے بجائے جو کی خشک روٹی پر اکتفاء کر رہے ہیں؟! تو حضرتؑ نے اس شخص کے جواب میں ایسی بات کہی جو عید کے حقیقی اور واقعی معیار اور شرف کو بیان کرنے والی ہے۔ حضرت نے فرمایا: ''اِنَّمَا هُوَ عِيدٌ قَبِلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ وَ شَكَرَ قِيَامَهُ وَكُلُّ يَوْمٍ لَا يَعْصَى اللّٰهُ فِيهِ فَهُوَ عِيدٌ''(۳) بے شک وہ دن اس شخص کے لئے عید ہے کہ جس کے روزے کو خدا نے شرف قبولیت بخشا اور جس کی نماز کی خدا نے تعریف کی اور ہر وہ دن جس میں خدا کی نافرمانی نہ ہو وہ عید کا دن ہے۔

مولائے متقیان حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے اس کلام سے یہ بات بخوبی واضح و روشن ہو جاتی ہے کہ عید کا حقیقی معیار و مصداق صرف خوشی و مسرت اور انواع و اقسام کی رنگین غذاؤں کا نوش فرمانا نہیں ہے بلکہ اس کا اصلی معیار، سرچشمہ اطمنان، آرام بخش حقیقی خداوند عالم کی نافرمانی کا نہ ہونا ہے نیز ایسی معصیت کا مرتکب نہ ہونا ہے کہ جو قلبی سرور اور نشاط کے لئے زہر قاتل ہو، اس معیار کے تحت جو لوگ بھی معصومین علیہم السلام کی طرح گناہوں کے مرتکب نہیں ہوتے ہیں ان کے لئے ہمیشہ عید ہے، حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اَلْيَوْمُ لَنَا عِيدٌ وَ غَداً لَنَا عِيدٌ، وَكُلُّ يَوْمٍ لاَ نَعْصَى اللّٰهُ فِيهِ فَهُوَ لَنَا عِيدٌ'' (۴)

''ہمارے لئے آج بھی عید ہے، ہمارے لئے کل بھی عید ہے اور جس دن معصیت الٰہی کے مرتکب نہ ہوں وہ دن

ہمارے لئے عید ہے۔"

اس معیار کلی کے علاوہ کچھ ایسے ایام بھی ہیں کہ جن کو عید کا عنوان دیا گیا ہے،

راغب اصفہانی کے عقیدے کے مطابق کہ جو اہلسنت کے بزرگ علماء میں سے ہیں عید الفطر اور عید قربان فقط عید کے عنوان سے موسوم ہے لیکن شیعہ ماخذ اور شیعہ روایات میں ان دونوں کے علاوہ کچھ ایام ہیں کہ جن کو بہ عنوان عید یاد کیا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب آپ سے کسی نے سوال کیا

"لِلْمُسْلِمِيْنَ عِيْدٌ غَيْرُ الْعِيْدَيْنِ؟ قَالَ : نَعَمْ ،يَاحَسَن! اَعْظَمُهُمَا وَ اَشْرَفُهُمَا قُلْتُ وَاَىُّ يَوْمٍ هُوَ؟ قَالَ: يَوْمُ نَصْبِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ صَلوَاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهُ عَلَيْهِ عَلَماً لِلنَّاسِ"(۵)

"کیا مسلمانوں کے لئے عید الفطر اور عید قربان کے علاوہ بھی کوئی عید ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں اے حسن! ان دونوں عیدوں (فطر و قربان) سے اشرف اور با فضیلت تر عید ہے تو میں نے کہا وہ کون سا دن ہے؟ فرمایا: وہ دن جس دن حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کو خلافت و امامت اور پیشوائے امت کے لئے منتخب و معین کیا گیا تھا۔"

عبد الرحمٰن بن سالم نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ سوال کیا:

"هَلْ لِلْمُسْلِمِيْنَ عِيْدٌ غَيْرُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَالْاَضْحَى وَالْفِطْرِ؟ قَالَ : نَعَمْ، اَعْظَمُهَا حُرْمَةً .قُلْتُ وَاَىُّ عِيْدٍ هُوَ جُعِلْتُ فِدَاكَ ؟ قَالَ : اَلْيَوْمُ الَّذِىْ نَصَبَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ....."(۶)

"کیا مسلمانوں کے لئے جمعہ، عید الفطر اور عید قربان کے علاوہ بھی کوئی عید ہے؟ تو آپ نے فرمایا: حرمت کے لحاظ سے اس سے افضل اور اس سے برتر عید موجود ہے۔ راوی کہتا ہے میں آپ پر قربان جاؤں وہ کون سا دن ہے؟ آپ نے فرمایا وہ دن وہ ہے جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو لوگوں کا امام مقرر کیا۔"

اس روایت میں جمعہ اور عیدین کے علاوہ روز غدیر کو بھی عید سے تعبیر کیا گیا ہے اور عید غدیر کو حرمت کے لحاظ سے مذکورہ اعیاد سے افضل و برتر قرار دیا گیا ہے۔

ایک روایت میں عید کے عنوان سے روز جمعہ کو عید الفطر اور عید قربان پر فوقیت و برتری دی گئی ہے، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے آپ نے فرمایا:

".....وَ الْجُمُعَةُ لِلتَّنْظِيْفِ وَ التَّطَيُّبِ وَ هُوَ عِيْدٌ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَ هُوَ اَفْضَلُ مِنَ الْفِطْرِ وَ الْاَضْحَى وَ يَوْمُ

غَدِيْرِ خُمٍّ اَفْضَلُ الْاَعْيَادِ وَ هُوَ الثَّامِنَ عَشَرَ مِنْ ذِي الْحَجَّةِ وَ يَخْرُجُ قَائِمُنَا اَهْلَ الْبَيْتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ تَقُوْمُ الْقِيَامَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ مَا مِنْ عَمَلٍ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اَفْضَلُ مِنَ الصَّلاةِ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ .(۷)

''روز جمعہ طہارت و نظافت،عطر و خوشبو سے مخصوص ہے اور مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے اور یہ دن عید الفطر اور عید قربان سے افضل ہے لیکن عید غدیر تمام اعیاد سے افضل و اشرف ہے اور یہ دن اٹھارہ ذی الحجہ سے مخصوص ہے روز جمعہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ ہمارا قائم (قائم آل محمدؑ) اسی روز قیام کرے گا اور قیامت بھی اسی روز برپا ہوگی اور روز جمعہ سب سے افضل ترین عمل محمد و آل محمدؑ پر درود وصلوات پڑھنا ہے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ معصومینؑ کے ارشادات کی روشنی میں عید کے کل چار مصادیق ہیں،عید الفطر،عید قربان، عید جمعہ،عید غدیر ۔اس میں سب سے افضل ترین عید،عید غدیر ہے اور اس کے بعد روزہ جمعہ کا مرتبہ ہے،اس نتیجہ کی روشنی میں راغب اصفہانی کے قول کا ضعف اور اس کا نقص واضح ہوجاتا ہے کہ جس نے عید کو عید الفطر اور عید قربان سے مختص جانا تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ نہ ہی عید فقط خورد و نوش،شادی بیاہ اور مسرت سے عبارت ہے بلکہ کبھی کبھی ایک اعتقادی امر جیسے مسئلہ امامت یا حضرت حجتؑ کا قیام اور ظہور یا قیامت کا برپا ہونا بھی معیار عید قرار پا سکتے ہیں۔(۸)

ان مقدماتی اور تمہیدی نکات کے بعد نماز عید سے پہلے اور نماز عید کے وقت کی دعاؤں کے بارے میں جستجو و تحقیق کریں گے۔

دعا تمام عیدوں کے لئے ہے اور عید تمام مسلمانوں کے لئے ہے

نماز عید سے پہلے دعا صرف عید الفطر اور عید قربان سے مخصوص نہیں ہے بلکہ روز جمعہ، جمعہ کی نماز کے لئے نکلتے وقت بھی دعا پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔جیسا کہ ابوحمزہ ثمالی نے حضرت امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا:

''اُدْعُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اِذَا تَهَيَّأْتَ لِلْخُرُوْجِ بِهٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰهُمَّ مَنْ تَهَيَّأَ وَ تَعَبَّأَ وَ اَعَدَّ وَاسْتَعَدَّ لِوِفَادَةٍ اِلَى مَخْلُوْقٍ رَجَاءَ رِفْدِهِ وَ طَلَبَ نَائِلِهِ وَ جَوَائِزِهِ وَ فَوَاضِلِهِ وَ نَوَافِلِهِ فَاِلَيْكَ يَا سَيِّدِي وَ فَادَتِي وَ تَهْيِئَتِي وَ تَعْبِئَتِي وَ اِعْدَادِي وَاسْتِعْدَادِي رَجَاءَ رِفْدِكَ وَ جَوَائِزِكَ وَ نَوَافِلِكَ فَلاَ تُخَيِّبِ الْيَوْمَ رَجَائِي يَا مَنْ لاَ يَخِيْبُ عَلَيْهِ سَائِلٌ وَ لاَ يَنْقُصُهُ نَائِلٌ فَاِنِّي لَمْ آتِكَ الْيَوْمَ بِعَمَلٍ صَالِحٍ قَدَّمْتُهُ وَلاَ شَفَاعَةِ مَخْلُوْقٍ رَجَوْتُهُ وَ لٰكِنْ اَتَيْتُكَ مُقِرّاً بِالظُّلْمِ وَ الْاِسَائَةِ لاَ حُجَّةَ لِي وَ لاَ عُذْرَ فَأَسْأَلُكَ يَا رَبِّ اَنْ تُعْطِيَنِي مَسْأَلَتِي وَ تَقْلِبَنِي بِرَغْبَتِي وَ لاَ تَرُدَّنِي مَجْبُوْهاً وَ لاَ خَائِباً يَا عَظِيْمُ يَا عَظِيْمُ يَا عَظِيْمُ اَرْجُوْكَ لِلْعَظِيْمِ اَسْئَلُكَ يَا عَظِيْمُ اَنْ تَغْفِرَ

لِیَ الْعَظِیْمَ لاَ اِلٰهَ اَنْتَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَ ارْزُقْنِی خَیْرَ هٰذَا الْیَوْمِ الَّذِی شَرَّفْتَهُ وَ عَظَّمْتَهُ وَ تَغْسِلْنِی فِیْهِ مِنْ جَمِیْعِ ذُنُوْبِی وَ خَطَایَایَ وَ زِدْنِی مِنْ فَضْلِکَ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ''(۹)

''اس دعا کو عید الفطر اور عید قربان کے دن پڑھو اور جمعہ کے دن اس وقت پڑھو جب نماز جمعہ کے لئے نکل رہے ہو۔ خدایا! اگر کسی نے خود کو آمادہ اور تیار کیا ہے کسی مخلوق کی بارگاہ میں جانے کے لئے تا کہ اس سے انعام و اکرام، بذل و بخشش کا مطالبہ کرے تو ایسا کرے لیکن اے میرے مولا و آقا! میں نے خود کو تیری بارگاہ میں آنے کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار کیا ہے اپنے تمام وجود اور جملہ استعداد کے ساتھ، تیرے انعام و اکرام اور عطاو بخشش کی امید ہیں لہذا آج کے دن تو مجھے نا امید نہ کر! اے وہ ذات کہ جو سائل کو اپنے در سے نا امید نہیں کرتا اور جس کی عطاو بخشش اس کے خزانے میں کمی و نقصان کا باعث نہیں ہوتی، بیشک آج کے دن میں ایسا عمل صالح لیکر نہیں آیا ہوں کہ جس پر اعتماد اور بھروسہ کروں اور نہ ہی کسی کی شفاعت لیکر آیا ہوں کہ جس کے سہارے پُر امید ہو جاؤں، لیکن تیری بارگاہ میں اس حال میں آیا ہوں کہ اپنے ظلم و عصیان کا معترف ہوں اور میرے پاس کوئی حجت اور کوئی عذر بھی نہیں ہے۔ بارالٰہا! میں تیری بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں میری درخواست اور میری حاجتوں کو پورا کر اور مجھے اپنی بارگاہ سے محروم اور نامراد (دست خالی) واپس نہ کر، یا عظیم یا عظیم یا عظیم، اے عظمتوں کے حامل، اے بزرگ و برتر ذات، اے بزرگی اور کبریائی کے مالک! میں تجھ سے بہت ہی عظیم درخواست کا امیدوار ہوں، اے میرے عظیم پروردگار میں تجھ سے اس بات کا سوالی ہوں کہ تو میرے عظیم گناہوں کو بخش دے۔ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ بارالٰہا! محمد و آل محمد پر درود نازل کر اور آج کے دن کی خیر و خوبی مجھے عطا کر کہ جس دن کو تو نے عظمت و شرف سے نوازا ہے اور اس دن (آج) مجھے تمام گناہوں اور خطاؤں سے پاک کر دے اور تو مجھے اپنے فضل و کرم سے زیادہ عطا کر بیشک تو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔''

علاوہ بر ایں یہ عید کے ایام تمام مسلمانوں کے لئے عید ہیں ان ایام کا عید ہونا کسی خاص طبقہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ مرد و زن، پیر و جواں، خورد و کلاں سب کے لئے عید ہے، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عید قربان فقط ان لوگوں سے مخصوص ہے جو مکہ معظمہ (زیارت خانۂ خدا) سے مشرف ہوئے اور جنھوں نے منٰی میں قربانی انجام دی، یا عید الفطر فقط روزہ داروں سے مخصوص ہے۔ بچے، بیمار، مسافر و معذور افراد سے عید کا کوئی تعلق نہیں ہے، نہیں ایسا نہیں ہے، اسی طرح جمعہ بھی صرف ان لوگوں سے مخصوص نہیں ہے جنھوں نے جمعہ کی نماز میں شرکت کی بلکہ روز جمعہ سب کے لئے عید

ہے، ہر چند نماز جمعہ میں شرکت کرنے والے زیادہ اجر وثواب کے مستحق ہیں اور اس کی برکت سے زیادہ مستفیض وبہرہ مند ہوتے ہیں۔

جو روایت ہم نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کی ہے اس میں اس عمومیت کی طرف اشارہ ہوا ہے، "فَهُوَ عِيدٌ لِلْمُسْلِمِينَ" (۱۰) عبدالرحمٰن بن سالم اور علی بن ابراہیم کی روایت میں بھی لفظ "مسلمین" آیا ہے جس سے تمام مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے۔ هَلْ لِلْمُسْلِمِينَ عِيدٌ غَيْرُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَالْاَضْحَى وَالْفِطْرِ؟.....

چنانچہ نماز عید کے قنوت میں بھی ہم اس فقرہ کو پڑھتے ہیں "اَسْئَلُکَ بِحَقِّ هٰذَا الْيَوْمِ الَّذِی جَعَلْتَهُ لِلْمُسْلِمِينَ عِيداً" (۱۱) اور نماز عید سے پہلے کی دعا میں ہم اس عبارت کو ملاحظہ کرتے ہیں

"وَ قَدْ غَدَوْتُ اِلَی عِيدٍ مِنْ اَعْيَادِ اُمَّةِ نَبِيِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَوَاتُکَ عَلَيْهِ وَ عَلَی آلِهِ" (۱۲)

"میں نے تیرے پیغمبرؐ کی امت کی عیدوں میں سے ایک عید کے ساتھ صبح کی ان پر اور ان کی پاک وپاکیزہ آل پر درود وسلام ہو۔"

اس دعا اور اس عبارت میں بھی امت محمدؐ کی تعبیر آئی ہے یہیں سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ عید غدیر بھی فقط شیعوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ عید غدیر تمام مسلمانوں کی سب سے اہم اور افضل ترین عید ہے، ہر چند کہ اہلسنت اس سے غافل اور اس کی طرف سے لاپرواہ اور اپنا رخ موڑے ہوئے ہیں لیکن ان کی اس بے توجہی اور پہلو تہی سے حقیقت قضیہ پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں ہے۔

البتہ یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ ہر چند کہ یہ تمام مذکورہ عیدیں سارے مسلمانوں کے لئے عید ہیں لیکن تنہا محمدؐ وآل محمدؐ ہیں جو مکمل طور پر ان عیدوں کے جملہ ابعاد کو درک کرنے والے ہیں اور ان عیدوں سے بہ صورت اتم واکمل بہرہ مند ہوتے ہیں اور اپنی آخرت کے لئے توشہ اور زاد راہ فراہم کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے بیش از پیش اپنے مقامات اور اپنے مراتب میں اضافہ کرتے ہیں۔

لہذا ہم پڑھتے ہیں "وَلِمُحَمَّدٍ ذُخْراً وَ شَرَفاً وَ مَزِيداً..." (۱۳)

"محمدؐ کے لئے اس دن کو ذخیرہ وشرف قرار دیا اور اس میں مزید اضافہ کیا (معنوی مراتب کے اعتبار سے)۔"

شاید وہ روایت جو یہ کہتی ہے کہ گاہی پیغمبرؐ اور ائمہ معصومینؑ خدا کے ساتھ ایسے حالات کے حامل ہوتے ہیں اور ان کے درمیان ایسے روابط وضوابط پائے جاتے ہیں کہ جس سے وہ معنوی فیض کو کسب کرتے ہیں۔ اور یہ مراتب کسی کے لئے قابل فہم وادراک نہیں ہیں، اس سے ان کے اسی مزید مقام وشرف کی طرف اشارہ ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لاَ یَسَعُنِی مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَ لاَ نَبِیٌّ مُرْسَلٌ" (۱۴)

"خدا کے ساتھ میرے ایسے روابط ہیں کہ جس کو کوئی ملائکہ مقرب اور نبی مرسل درک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔"

سب کی سیر خدا کی جانب ہے

بہت سارے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب عید آجاتی ہے تو پھر عبادت اور خدا سے رابطہ کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔اس کے بعد سیر و تفریح، عیش و نوش، فرحت و مسرت، سرور و نشاط اور ہر قسم کی خوشی ہی خوشی ہے اور بس، لیکن آئمہ معصومین علیہم السلام کی دعائیں ہمیں اس بات کا درس دیتی ہیں کہ عید خدا کی جانب سیر و سلوک کا پہلا قدم اور خداوند عالم کی ملاقات کا پیش خیمہ ہے، ہر چند کہ مسرت و خوشی، سرور و نشاط اور مؤمنین کی ایک دوسرے سے ملاقات لازم و ضروری ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ ساری چیزیں خداوند عالم کی خوشنودی اور رضایت کے لئے ہوں، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نماز عید سے پہلے کی دعاء میں فرماتے ہیں:

"اَللّٰھُمَّ مَنْ تَھَیَّأَ وَ تَعَبَّأَ وَ اَعَدَّ وَاسْتَعَدَّ لِوَفَادَةٍ اِلَی مَخْلُوْقٍ رَجَاءَ رِفْدِہٖ وَ طَلَبَ نَائِلِہٖ وَ جَوَائِزِہٖ وَ فَوَاضِلِہٖ وَ نَوَافِلِہٖ فَاِلَیْکَ یَا سَیِّدِی وَ قَادَتِی وَ تَھْیِئَتِی وَ تَعْبِئَتِی وَ اِعْدَادِی وَاسْتِعْدَادِی" (۱۵)

"خدایا! آج (یوم عید) جو بھی آمادہ ہوا ہے اور جس کسی نے بھی کسی مخلوق کے پاس جانے کی تیاری کی ہے اور مقدمات فراہم کئے ہیں وہ بذل و بخشش، انعام و اکرام کی امید میں ہے، لیکن اے میرے مولا و آقا! میں نے خود کو تیرے لئے آمادہ و تیار کیا ہے اور تیری بارگاہ میں آنے کی سعی و استعداد فراہم کی ہے۔"

بعینہ یہی دعاء شب جمعہ کے اعمال میں بھی وارد ہوئی ہے کیونکہ جمعہ بھی عید کا دن ہے لیکن آخر میں کچھ کلمات کا اضافہ ہوا ہے اور خدا کی بارگاہ میں جانے کے اسرار کو بیان کیا گیا ہے۔

"یَا مَنْ لاَ یَخِیْبُ عَلَیْہِ سَائِلٌ وَلاَ یَنْقُصُہُ نَائِلٌ فَاِنِّی لَمْ اَتِکَ ثِقَةً بِعَمَلٍ صَالِحٍ عَمِلْتُہُ" (۱۶)

اے وہ ذات کہ جو کسی سائل کو ناامید نہیں کرتا اور اس کی بخشش سے اس کے خزانۂ عطا میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، بے شک میں کوئی ایسا عمل صالح لیکن تیری بارگاہ میں حاضر نہیں ہوا ہوں کہ جس پر اعتماد کر سکوں.....

عید کے اہداف و مقاصد

۱۔انعامات کا دریافت کرنا: "اِلَیْکَ یَا سَیِّدِی تَھْیِئَتِی وَ تَعْبِئَتِی ... رَجَاءَ رِفْدِکَ وَ جَوَائِزِکَ"

''اے میرے مولاو آقا میں تیری بارگاہ میں انعام واکرام کی امید میں آمادہ و تیار ہو کر آیا ہوں۔''

کلمہ ''رفد'' اس بخشش کو کہتے ہیں کہ جس کو اعانت ومدد کے قصد سے انجام دیا جائے ''هُوَ الْعَطِيَّةُ بِعُنْوَانِ الْإِعَانَةِ'' زمانہ جاہلیت میں ''رفادہ'' اس چیز کو کہتے تھے کہ جس کے وسیلہ سے خورد و نوش کا سامان حاجیوں کے لئے مہیا اور آمادہ ہوتا (۱۷)۔لہذا ''رفد الٰہی'' سے مراد وہ اعانت و بخشش ہے جو روزہ داروں، حاجیوں اور نماز جمعہ میں شرکت کرنے والوں کو دی جاتی ہے کلمہ ''جائزہ'' سے مراد وہ انعام واکرام ہے جو کسی مقابلہ (Competetion) میں جیتنے والے اور سبقت لے جانے والے کو یا کوئی انوکھا اور اچھوتا کارنامہ انجام دینے والے کو بعنوان تشویق وترغیب دیا جاتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ لفظ ''جائزہ'' میں ایک طرف سے استحقاق پایا جاتا ہے لیکن کلمہ ''رفد'' میں ایسا کوئی استحقاق موجود نہیں ہے بہر حال روز عید سے مراد وہ دن ہے جس دن خدا کی بخشش و اعانت اس کے بندوں کے شامل حال ہوتی ہے۔لہذا کار خیر انجام دینے والوں کے لئے یہ دن انعام واکرام اور بخشش کا دن ہے۔

جناب جابرؓ سے منقول ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

''قال النبیّ: اِذَا كَانَ اَوَّلُ يَوْمٍ مِنْ شَوَّالٍ نَادَى مُنَادٍ: اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ اُغْدُوا اِلَى جَوَائِزِكُمْ ثُمَّ قَالَ يَا جَابِرُ جَوَائِزُ اللّٰهِ لَيْسَتْ بِجَوَائِزِ هٰؤُلَاءِ الْمُلُوْكِ ثُمَّ قَالَ هُوَ يَوْمُ الْجَوَائِزِ'' (۱۸)

'' حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ پہلی شوال (روز عید فطر) کو ایک منادی ندا دیتا ہے: اے مومنو! صبح کے وقت اپنے انعامات واکرامات دریافت کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ خدا کی جانب سے یہ انعامات تمہارے لئے پہلے سے مہیا ہیں، اس کے بعد فرمایا اے جابر یہ انعامات الٰہی بادشاہوں کے انعام واکرام کے مانند نہیں ہیں (بلکہ یہ انعامات نہایت گرانقدر اور قابل توصیف ہیں) اس کے بعد فرمایا یہ عید اور یہ دن انعامات کے دریافت کرنے کا دن ہے۔''

۲۔تفضلات الٰہی سے مستفیض و بہرہ مند ہونا: مزید سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم نماز عید سے پہلے کی دعا میں یہ عبارت ملاحظہ کرتے ہیں

''وَ نَوَافِلِكَ وَ فَوَاضِلِكَ وَ فَضَائِلِكَ وَ عَطَايَاكَ'' (۱۹)

'' تیرے فضل وکرم اور تیری بخشش کی امید میں۔''

مندرجہ بالا عبارت میں فضل و بخشش کے حوالے سے چند کلمات کا استعمال ہوا ہے جن میں سے ہر کلمہ ایک خاص معنی کا حامل ہے پہلا کلمہ ''نوافل'' ہے جو نافلہ کی جمع ہے مادہ ''نفل'' سے غنیمت کے معنی میں ہے ''يُنَفِّلُ الْإِمَامُ

الْجُنْدِ ''امام نے غنیمت کا ایک حصہ فوجیوں کے لئے قرار دیا ہے۔کلمہ''نافلہ'' ''اَلْعَطِیَّةُ یُعْطِیْهَا تَطَوُّعاً بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ مِنْ صَلَقَةٍ اَوْ صَلَاحٍ اَوْ عَمَلٍ خَیْرٍ(۲۰) ''نافلہ''اس تفضّل کو کہتے ہیں جس کو انسان بلاعوض اور بلا تکلیف فقط خوشنودی خدا کے لئے واجبات کو انجام دینے کے بعد بجالاتا ہے خواہ وہ صدقہ ہو یا خیر خواہی یا عمل خیر۔

مستحبی نمازوں کو بھی نافلہ اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ مستحبی نمازیں یا نماز واجب سے پہلے پڑھی جاتی ہیں یا اس کے بعد گویا ایک طریقہ سے یہ مستحبی نمازیں،نماز واجب کے اوپر ایک اضافہ ہیں لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ''نوافل'' وہ الٰہی تفضّل واکرام ہے۔جوان انعامات واکرامات کے علاوہ ہے جس پر انسان کو استحقاق ہوتا ہے اور اس''رفد'' سے بھی ماسوا ہے جس میں اعانت وکمک کا عنوان شامل ہے،اور معمولاً نوافل کا تصور اور اس کا استعمال وہیں ہوتا ہے جہاں فرائض پہلے سے موجود ہوں لہذا معلوم یہ ہوا کہ''نوافل'' سے مراد تفضّل واکرام ہے جو استحقاق کے بعد عطا ہو۔

دوسرا کلمہ''فواضل'' ہے جو فضل کی جمع ہے،مادی اور معنوی ضرورتوں کے لئے جتنا لازم و درکار ہے اس سے مازاد بخشش واکرام کو فواضل کہتے ہیں''وَالْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی عِبَارَةٌ عَنْ عَطَائِهِ زَائِداً عَلٰی مَا هُوَ اللَّازِمُ الْمُقَرَّرُ فِی مَقَامِ تَأْمِیْنِ الْمَعَاشِ الْمَادِّیِ وَ الرُّوْحَانِی'' خداوند متعال کی جانب سے مادی اور معنوی ضرورتوں کی تامین وتکمیل کی خاطر اسکی معین مقدار سے زیادہ عطا کرنے کو''فضل'' سے تعبیر کرتے ہیں،خلاصہ یہ کہ فضل ممکن ہے اس کا تعلق اصل آفرینش (خلقت) میں تکوین ابتدائی سے ہو یا اس کے بعد سے،اور یہ بھی ممکن ہے اس کا تعلق ایسے امور سے ہے کہ جس کی اسے توفیق حاصل ہوگئی ہے اور اس کا ربط اس سے ہے جو فضل وکرم کا دریافت کرنے والا ہے(۲۱)۔چنانچہ نوافل اور فواضل کے درمیان فرق یہ ہے کہ نوافل کا تعلق نوعاً ومعمولاً ایسے امر سے ہوتا ہے جو پہلے سے ہو اور جس کے مقابلہ میں اس کو استحقاق بھی حاصل ہو لیکن فواضل کے اندر عمومیت ہے ممکن ہے بغیر کسی سوابق کے ابتدائی طور پر عطا ہو اور ممکن ہے مقدمات واسباب کے فراہم ہونے کے بعد عطا ہو۔

تیسرا کلمہ''عطا'' ہے،لفظ عطا ان بخششوں سے عبارت ہے جس کے لئے مقتضی وہ شئے ہے کہ جس کا ربط خود عطا کرنے والے کی ذات سے ہے اور وہ چیز اس کے نفس میں موجود ہے مثلاً اس شخص کی بزرگی وکرامت،اس کے علاوہ اس میں کوئی دوسری غرض مدنظر نہیں ہوتی وہ عطا وبخشش فقط اس لئے کرتا ہے کہ وہ کریم ہے،جواد ہے،چنانچہ لفظ''جود'' بہت زیادہ بخشش کرنے کے معنی میں ہے یعنی جس کی روح اور جس کے نفس میں بذل وبخشش کی صفت سرایت کرگئی ہو اور ملکہ بن گئی ہو اور کلمہ''ہبہ'' اس بخشش کو کہتے ہیں جو بلاعوض اور بلا اجرت ہو۔

عطیہ الٰہی

'' اَلْعَطَایَا مِنْ جَانِبِ اللّٰہِ بِمُقْتَضٰی مَقَامِ عَظَمَتِہٖ وَسِعَۃِ رَحْمَتِہٖ وَ بَسْطِ اِفَاضَتِہٖ'' (۲۲)

''بے شک الٰہی بخشش، الٰہی کرم اس کی وسعت رحمت اور اس کے مرتبہ کی عظمت اور اس کے لامتناھی و بے پایان فیضان کے تحت انجام پاتی ہے، اور روز عید (عید الفطر) انعامات دریافت کرنے کے علاوہ عطیہ خداوندی سے بہرہ مند ہونے کا بھی دن ہے۔''

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''اِنَّ الْمَلَائِکَۃَ یَقُوْمُوْنَ یَوْمَ الْعِیْدِ عَلَی اَفْوَاہِ السِّکَّۃِ وَ یَقُوْلُوْنَ اُغْدُوْا اِلٰی رَبٍّ کَرِیْمٍ یُعْطِی الْجَزِیْلَ وَ یَغْفِرُ الْعَظِیْمَ''(۲۳)

'' ملائکہ روز عید گلی کوچوں میں کھڑے ہو کر کہتے ہیں، علی الصبح پروردگار کریم کے حضور میں آو کیونکہ وہ بے دریغ کثیر مقدار میں بذل و بخشش سے نوازنے والا ہے۔''

عطیہ الٰہی کے گوناگوں اور متنوع (انواع و اقسام) ہونے کا راز، کلمہ ''رفد و اعانت'' سے بھی ظاہر ہے اور کلمہ ''نوافل و فواضل''، سے بھی اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے، ''فضل'' سے مراد وہ کمک اور وہ اعانت ہے جو ابتدائی ہو اور بغیر استحقاق کے ہو خود عظمت الٰہی اور اس کے لامتناھی کمالات سے بھی اس مطلب کا استخراج ہوتا ہے، چنانچہ نماز عید کی دعائے قنوت کے آغاز میں ہم پڑھتے ہیں

'' اَللّٰھُمَّ اَھْلَ الْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَۃِ وَ اَھْلَ الْجُوْدِ وَالْجَبَرُوْتِ وَ اَھْلَ الْعَفْوِ وَالرَّحْمَۃِ وَ اَھْلَ التَّقْوٰی وَ الْمَغْفِرَۃِ''(۲۴)

''بارالھا! تو ہی عظمت و کبریائی کا مالک ہے، اور تو ہی صاحب جود و جبروت ہے، اور تو ہی ہے صاحب عفو و بخشش اور اھل رحمت ہے اور تو ہی اھل تقوی اور صاحب مغفرت ہے، چونکہ تو عظمت و بزرگی کا حامل ہے لہذا فضل و بخشش بھی ترا ہی حق ہے، چونکہ تو صاحب جود و کرم نیز بذل و بخشش کا مالک ہے لہذا رحمت و اعانت بھی تجھ سے ہی مخصوص ہے، اسی عظمت و کبریائی کی وجہ سے اس (عید) میں بہت زیادہ تکبیریں قرار دی گئی ہیں۔''

حضرت امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے:

'' اِنَّمَا جُعِلَ التَّکْبِیْرُ فِیْھَا صَلَاۃِ الْعِیْدِ اَکْثَرُ مِنْہُ فِی غَیْرِھَا مِنَ الصَّلَوَاتِ لِاَنَّ التَّکْبِیْرَ اِنَّمَا ھُوَ تَعْظِیْمٌ لِلّٰہِ وَ تَمْجِیْدٌ عَلٰی ھُدًی وَ عَافٰی کَمَا قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَلِتُکَبِّرُوْا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰیکُمْ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴾'' (۲۵)

"بے شک نماز عید میں دوسری نمازوں کی بہ نسبت تکبیروں کی تعداد اس لئے زیادہ ہے کیونکہ کلمۂ "تکبیر" (اللہ اکبر کہنا) خداوند عالم کی ہدایت و عافیت کے مقابلہ میں اس کی تعظیم و تکریم ہے، (یعنی نعمت ہدایت کے مقابلہ میں اس کی قدر دانی ہے) جیسا کہ فرمان خداوندی ہے، اپنی ہدایت و اصلاح کی بنا پر خدا کی عظمت و کبریائی کا اعلان کرو شاید کہ تم شکر گذار ہو جاؤ۔"

۳ محمد و آل محمد علیہم السلام کے مرتبہ سے قریب ہونا: حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین علیہم السلام یہ سب کے سب ہمارے لئے عینی نمونہ ہیں کہ جنھیں خداوند عالم نے امر ہدایت کی تسہیل و تکمیل کے لئے نوع بشر کی دسترس میں قرار دیا ہے، ماہ رمضان، خانہ کعبہ کا حج، شب و روز کے اعمال بالخصوص روز جمعہ کے کہ جو عید کا دن ہے اسی طرح روز عید غدیر کہ جس کا تعلق اور جس کی نسبت حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت سے ہے، بیشک یہ ایام تزکیہ نفس، تہذیب اخلاق اور انسانی ہدایت کی راہ ہموار کرتے ہیں تا کہ بشر ان عینی نمونوں سے معنوی اعتبار سے قریب ہو سکے، جیسا کہ نماز عید کے قنوت میں ہم یہ فقرہ ملاحظہ کرتے ہیں:

اَسْئَلُکَ اَنْ تُدْخِلَنِی فِی کُلِّ خَیْرٍ اَدْخَلْتَ فِیْهِ مُحَمَّداً وَ آلَ مُحَمَّدٍ وَ اَنْ تُخْرِجَنِی مِنْ کُلِّ سُوْءٍ اَخْرَجْتَ مِنْهُ مُحَمَّداً وَ آلَ مُحَمَّدٍ صَلَوَاتُکَ عَلَیْهِ وَ عَلَیْهِمْ (۲۶)

"بارالہا! اس دن ہم کو بھی ہر اس خیر میں داخل کر جس میں تو نے محمد و آل محمد کو داخل کیا ہے، اور ہر اس برائی سے خارج کر جس سے تو نے محمد و آل محمد کو خارج کیا ہے اور محمد و آل محمد داخل ہیں اور وہ شر (بدبختی) کہ جس سے محمد و آل محمد خارج ہیں۔"

اس مطلب کا خلاصہ آیت تطہیر کے ذیل میں آیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (۲۷)

"خداوند عالم کا ارادہ ہے کہ اے اہلبیت تم سے ہر طرح کے رجس (پلیدی) کو دور رکھے اور اس طرح سے پاک و پاکیزہ قرار دے جو پاد پاکیزہ قرار دینے کا حق ہے۔"

علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آیت تطہیر میں خداوند عالم کا ارادہ، ارادہ ابدی ہے یعنی اے اھلبیت خداوند عالم کا یہ ارادہ دائمی و ہمیشگی ہے کہ تم سے ہر قسم کی پلیدی مثلاً اعتقادی، اخلاقی، گناہوں سے دور رکھے اور عقاید حقہ سے آراستہ اور الطاف الٰہی (عصمت خاص) سے سرفراز فرما کر تم کو پاک و پاکیزہ قرار دے۔

ابن حجر مکی کہتے ہیں یہ آیت (تطہیر) اہل بیت نبوت کے فضائل وکمالات کا منبع وسرچشمہ ہے، کیونکہ یہ آیت اہل بیت علیہم السلام کے درخشاں فضائل ومناقب پر مشتمل ہے، اور صراحت کے ساتھ ان کی شان میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ آیت کا آغاز لفظ ''انما'' سے ہوتا ہے اور ''انما'' حصر پر دلالت کرتا ہے، یہ آیت اہل بیت نبوت علیہم السلام سے رجس و کثافت کو دور رکھنے اور انھیں اس سے منزہ قرار دینے کے بارے میں ارادہ الٰہی کو بیان کر رہی ہے اور یہاں رجس سے مراد ہر قسم کا اخلاقی ونفسانی گناہ ہے۔ اور وہ بات جو روایت میں نقل ہوئی ہے کہ آتش جہنم ان پر حرام ہے اس مطلب کا مستفاد بھی آیت تطہیر ہی ہے۔(۲۸)

تفسیر نمونہ میں ہم اس مطلب کو ملاحظہ کرتے ہیں کہ آیت تطہیر میں کلمہ ''رجس'' اپنی ظاہری کثافت وآلودگی کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس سے اس کی باطنی پلیدگی وکثافت کی طرف اشارہ ہے، اور اس کلمہ کا اطلاق کفر وشرک، منافی اخلاق، خلاف عفت اعمال میں سے ہر طرح کے انحصار اور ہر قسم کی محدودیت کی نفی کرتا ہے، جو فکری، اعتقادی، اخلاقی وعملی آلودگیوں کو شامل ہے درنتیجہ جن چیزوں سے اہلبیت علیہم السلام خارج اور دور ہیں ان سے مراد اعتقادات باطلہ، کفر و شرک نیز ہر طرح کے فکری، اخلاقی وعملی گناہ ہیں، اور جن چیزوں میں آل محمد علیہم السلام داخل ہیں ان سے مراد اعتقادات حقہ، اوصاف حمیدہ، اخلاق محسنہ، عصمت کبری جیسے فضائل ہیں۔

ہر چند ممکن ہے ایک انسان ان تمام مواھب الٰہی سے بہرہ مند نہیں ہوسکتا کہ جن سے محمد وآل محمد متصف ہیں بلکہ ان اوصاف تک رسائی انسان کے لئے محال ہے لیکن از باب تعالی روح اس کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس طرح کی دعا کرے اور خداوند عالم سے ان اوصاف کا طالب ہوتا کہ وہ کسی حد تک محمد وآل محمد علیہم السلام کے اوصاف وکردار سے نزدیک و متصف ہوجائے۔

۴۔احسن خیر کی درخواست:

اَللّٰھُمَ اِنِّی اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَئَلَکَ عِبَادُکَ الْمُرْسَلُوْنَ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّمَا اَعَاذَ بِہٖ عِبَادُکَ الْمُخْلَصُوْنَ(۲۹)

''بارالہا! میں تجھ سے احسن اور ان بہترین چیزوں کا سوال کرتا ہوں جس کا تیرے فرستادہ بندوں (انبیاو مرسلین) نے تجھ سے سوال کیا ہے اور ان اشرار اور برائیوں سے تیری پناہ کا طالب ہوں جس سے تیرے مخلص و شائستہ بندوں نے پناہ چاہی ہے۔''

سوال یہ ہے کہ انبیاء ومرسلین یا بندگان صالح کی آرزو درخواست کیا ہے؟ اس حوالے سے اتنا کہنا ضروری ہے وہ

تمام چیزیں جو قرآن مجید میں "رب" کے عنوان سے آئی ہیں مثلا "رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا"(۳۰) یا "رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ "(۳۱) اس پر نگاہ کی جائے، کیونکہ دعا و مناجات دراصل انبیا و بندگان صالح کی آرزو اور درخواست ہے، اسی میں ان کا مطالبہ ذکر ہوا ہے، اس خوف سے کہ مقالہ بہت زیادہ طولانی نہ ہو جائے فقط اس کے چند نمونوں کی طرف اجمالا اشارہ کرتے ہیں:

الف: قرآن مجید میں ہم یہ دعا ملاحظہ کرتے ہیں

"رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ"(۳۲)

"پروردگارا ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری برائیوں پر پردہ ڈال دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت عطا کر۔"

مذکورہ آیت میں تین مہم حاجتوں کی درخواست ہوئی ہے؛ گناہوں کی بخشش و مغفرت، عیوب اور برائیوں کی پردہ پوشی، صلحا اور نیک لوگوں کی ہمنشینی ۔ درواقع ایک روزہ دار، ایک حاجی، ایک عبادت گذار عید کے دن خداوند عالم سے دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتا ہے اور اپنے انجام خیر کی دعا کرتا ہے۔

ب: اسی طرح قرآن میں ہم یہ دعا پڑھتے ہیں

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ (۳۳)

سلیمان نبیؑ نے کہا پروردگارا تو مجھے اتنی توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کی ہے اور مجھے ایسے عمل صالح کی توفیق عطا کر جس سے تو راضی ہو جا اور مجھے اپنی رحمت کے طفیل میں اپنے شائستہ و صالح بندوں کی فہرست میں داخل کر لے۔ حضرت سلیمانؑ نے مذکورہ آیت میں تین چیزوں کا خدا سے مطالبہ کیا ہے: ۱۔ اپنی والدین کی نعمتوں کے سبب شکر خدا کی توفیق، ۲۔ عمل صالح انجام دینے کی درخواست، ۳۔ بندگان صالح کی جماعت میں داخلہ۔

ایک روزہ دار، ایک حاجی، ایک بندۂ صالح بھی عید کے دن خدا سے انھیں امور کی درخواست کرتا ہے

ج: ایک دوسری آیت میں ہم یہ دعا ملاحظہ کرتے ہیں

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ (۳۴)

''بارالھا ہمیں ہماری ازواج اور ہماری اولاد کے حوالے سے خنکی چشم عطا کر اور ہمیں متقین کا پیشوا اور امام قرار دے۔''

اس آیت میں ایک بندہ صالح کی دعا ہے کہ اسے اپنے خانوادے اور نسل بچوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو اور وہ پرہیز گاروں کے لئے اسوہ حسنہ اور نمونہ قرار دے۔

منابع:

(۱)۔وَالْعِيْدُ مَا يُعَاوِدُ مَرَّةً اُخْرَى وَ خُصَّ فِي الشَّرِيْعَةِ بِيَوْمِ النَّحْرِ وَ لَمَّا كَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ مَجْعُوْلاً لِلسُّرُوْرِ فِي الشَّرِيْعَةِ كَمَا نَبَّهَ النَّبِيُّ ﷺ بِقَوْلِهِ "اَيَّامُ اَكْلٍ وَ شُرْبٍ وَ بَعَالٍ" صَارَ يُسْتَعْمَلُ الْعِيْدُ فِي كُلِّ يَوْمٍ فِيْهِ مَسَرَّةٌ وَ عَلٰى ذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْداً﴾ وَ الْعِيْدُ كُلُّ حَالَةٍ تُعَاوِدُ الْاِنْسَانَ وَ الْعَائِدَةُ كُلُّ نَفْعٍ يَرْجِعُ اِلَى الْاِنْسَانِ مِنْ شَيْءٍ۔

(۲)۔المفردات فی غریب القرآن، راغب اصفہانی، تہران، دفتر نشر الکتاب، ۱۴۰۴ھ، ص ۳۵۲ و آیت نشان ۱۱۴ سورۂ مائدہ۔

(۳)۔نہج البلاغہ، محمد دشتیؒ، ص ۷۳۲، حکمت ۴۲۸

(۴)۔مستدرک الوسائل، مرزا حسین نوریؒ، بیروت، آل البیت، طبع سوم ۱۴۱۱ھ، مطابق ۱۹۹۱ء، ج ۲، ص ۱۵۴، حدیث ۸/۲۶۷۹

(۵)۔الکافی، شیخ کلینیؒ، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۵ھ، ج ۲، ص ۲۲۴، حدیث ۱

(۶)۔حوالہ گذشتہ، ج ۴، ص ۱۴۹، من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۹۰

(۷)۔وسائل الشیعہ، حر عاملیؒ، آل البیتؑ، قم، ۱۴۰۹ھ، ج ۱۳ ص ۱، حدیث ۹۶۳۵

(۸)۔اور یہاں ایک اہم مسئلہ کی طرف نشاندہی ضروری ہے وہ یہ کہ کتابیں خاص طور سے لغات قرآن اور دائرۃ المعارف وغیرہ کو اقوال اور فرمائشات ائمہ معصومینؑ کی روشنی میں دوبارہ تحقیق اور نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔اس وقت لغت کی موجودہ کتابیں زیادہ تر اہلسنت علماء اور غیر مسلمان رائٹروں کے ہاتھوں تدوین ہوتی ہیں۔لہذا اس میں بہت زیادہ خامیاں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تدوین کے وقت شیعہ اماموں کے نورانی بیانات کی طرف توجہ نہیں دی گئی ہے۔

(۹) تہذیب، شیخ طوسیؒ، تہران، دار الکتب الاسلامیۃ، ۱۳۶۵ھ ش ج ۳، ص ۱۴۲؛ بحار الانوار، ج ۸۸، ص ۱۹

(۱۰)۔وسائل الشیعہ، حوالہ سابق ج ۱۳ ص ۱

(۱۱)۔وسائل الشیعہ، حر عاملیؒ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع چہارم، (۲۰ جلدی)، ج ۵، ص ۱۳۱، باب ۲۶

(۱۲)۔تھذیب، شیخ طوسیؒ، حوالہ سابق، ج ۳ ص ۱۴۲؛ بحارالانوار حوالہ سابق ج ۸۸ ص ۱۹

(۱۳)۔حوالۂ سابق

(۱۴)۔بحارالانوار، علامہ مجلسیؒ، بیروت، موسسۃ الوفاء، ج ۷۹ ص ۲۴۳

(۱۵)۔تھذیب، حوالۂ سابق، ج ۳، ص ۱۴۲

(۱۶)۔اعمال شب جمعہ، ص ۵۴؛ تھذیب، ج ۳، ص ۱۴۲

(۱۷)۔التحقیق، علامہ مصطفوی، مرکز نشر آثار علامہ مصطفوی تھران، ۱۳۸۵ھ ش، ج ۴، ص ۱۸۹ تلخیص کے ساتھ۔

(۱۸)۔الکافی، شیخ کلینیؒ، دارالکتب الاسلامیۃ، تھران، ج ۴ ص ۱۶۸؛ وسائل الشیعہ، ج ۵، ص ۱۴۰، ح ۱، باب ۳۷

(۱۹)۔مفاتیح، ص ۴۰۴؛ تھذیب، ج ۳، ص ۱۴۲؛ بحارالانوار، ج ۸۸، ص ۱۹

(۲۰)۔العین، خلیل بن احمد فراھیدی، قم، موسسۃ النشر الاسلامی، ۱۴۱۴ھ، ص ۸۳۰

(۲۱)۔التحقیق، حوالۂ سابق، ج ۹ ص ۱۱۶

(۲۲)۔التحقیق، حوالۂ سابق، ج ۸، ص ۲۱۰

(۲۳)۔مستدرک الوسائل، مرزا حسین نوریؒ، بیروت، آل البیت، طبع سوم، ۱۴۱۱ھ، ج ۶ ص ۱۵۴

(۲۴)۔مفاتیح الجنان، ص ۴۰۶؛ وسائل الشیعہ، حوالۂ سابق (۲۰ جلدی)، ج ۵، ص ۱۳۱، ص ۲۶

(۲۵)۔مفاتیح الجنان، ص ۴۰۶؛ وسائل الشیعہ (۲۰ جلدی)، ج ۵ ص ۱۳۱، ب ۲۶

(۲۶)۔وسائل الشیعہ، ج ۵ ص ۱۱، روایت ۲، باب ۲۶، باب استحباب دعا

(۲۷)۔احزاب/۳۳

(۲۸)۔المیزان، علامہ طباطبائیؒ، تھران، دارالکتاب الاسلامیہ، ج ۱۶، ص ۳۳

(۲۹)۔وسائل الشیعہ، ج ۵، ص ۱۳۲، ح ۵

(۳۰)۔طہ/۱۱۴

(۳۱)۔بقرہ/۲۰۱

(۳۲)۔آل عمران/۱۹۳

(۳۳)۔نمل/۱۹

(۳۴)۔فرقان/۷۴

❀❀❀

عصر غیبت میں مرجعیت کی ضرورت

حجۃ الاسلام مولانا سید محمد فائز باقری

مقدمہ

اسلام ایک جامع اور کامل دین ہونے کے ساتھ ساتھ، عالمی اور ابدی دین ہے، اسلام کی جامعیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس نے زندگی کے ہر مرحلہ پر انسان کی تمام ضرورتوں پر گفتگو کی ہے اور ان کے لئے حکم بیان کیا ہے لہذا اسلام کی معاشرہ پر اتنی ہی توجہ ہے جتنی انفرادی زندگی پر اور دنیاوی زندگی اسی طرح اہمیت کی حامل ہے جیسے اخروی حیات بس فرق اتنا ہے کہ دنیا کی زندگی مقدمہ ہے آخرت کی زندگی کیلئے، اسی بنا پر انبیا بشریت کو کمال اور سعادت تک لیجانے والا دستور العمل لیکر آئے۔ اسلام کا عالمی اور ابدی دین ہونا اسلامی نظام میں رہبری کی اہمیت اور قدر و منزلت کو اجاگر کرتا ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس اسلامی معاشرہ کی داغ بیل ڈالی اور آسمانی تعلیمات ہم تک پہنچائی اور اپنے بعد اسلامی نظام کی باگ ڈور بارہ ایسے رہنماوں کے سپرد کر کے گئے جن کی دنیا میں کوئی مثال نہیں، تو کیسے ممکن ہے کہ بارہویں رہنما کے پردۂ غیب میں چلے جانے کے بعد امت کی رہنمائی اور ہدایت کا کوئی انتظام نہ کیا ہو۔ یہیں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دینی مسائل کی ذمہ داری کچھ ایسے افراد کے سپرد کی گئی ہے جو علم و فضائل و کمالات میں معصومین علیہم السلام کے تابع ہوں اور مظہر معصومین علیہم السلام ہونے کی اہلیت رکھتے ہوں ورنہ غیبت امام کے مدنظر تشریعی ہدایت کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا جو کہ مسلمات اسلام اور تعلیمات اسلام کے خلاف ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر اجتھاد و مرجعیت کی ضرورت سامنے آتی ہے۔ بحث سے قبل ضروری ہیکہ آیات و روایات کی روشنی میں اجتھاد و تقلید کے جواز پر مستدل اور متقن بحث کی جائے کیونکہ جب تک اس کا صحیح معنی و مفہوم اور ضرورت واضح نہ ہوجائے مرجعیت کا مقام اور اس کی ضرورت پر سیر حاصل بحث نہیں کی جاسکتی۔

اجتھاد

مفہوم اجتہاد

مکتب اہلبیت علیہم السلام کے نزدیک کلمہ اجتہاد دو معنی میں ذکر ہوا ہے ایک مذموم اور ناپسند معنی جس سے روایات میں سختی سے روکا گیا ہے اور دوسرے ممدوح و پسندیدہ معنی جس کی ترغیب دلائی گئی ہے اور پیروان اہلبیت علیہم السلام کا طریقہ ہے۔

مذموم اجتہاد: یعنی ''قرآن و روایات معصومین علیہم السلام سے مستند کئے بغیر اپنی ذاتی رائے سے فتوی دینا اور اپنی اسی ذاتی رائے کو حکم خدا سمجھنا'' اس معنی میں اجتہاد وہی طریقہ ہے جسے مکتب خلفا کے ماننے والے اختیار کرتے ہیں کیونکہ وہ معتقد ہیں کہ اپنی ذاتی رائے (شخصی اجتہاد، یعنی قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ اور سد ذرائع) سے کوئی شرعی حکم یا قانون بنایا جا سکتا ہے اور اس معنی کی بنا پر اجتہاد قرآن و سنت کے مقابل خود ایک مستقل قانون سازی کا منبع و مصدر بن جاتا ہے لہذا فقہ جعفری میں اس طرح کے اجتہاد سے سختی سے روکا گیا ہے اور روایات میں اس طریقہ کی مذمت اور توبیخ وارد ہوئی ہے۔ بعض آیات اور روایتیں بطور مثال پیش ہیں۔

۱۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (۱)

اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے مت جانا۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

من افتی الناس برایه فقد دان بما لا یعلم ومن دان بما لا یعلم فقد ضاد الله حیث احل وحرم فیما لا یعلم (۲)

جو لوگوں کو اپنی رائے سے فتوی دے وہ نادانی سے نزدیک ہوا اور جو نادانی سے نزدیک ہو وہ اللہ کے مقابل آیا کیونکہ اس نے اس چیز کو حلال و حرام کیا جس چیز کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔

۳۔ معروف اخلاقی حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام عنوان بصری سے مخاطب ہوکر ارشاد فرماتے ہیں:

ایاک ان تعمل برایک شیئا..... واهرب من الفتیا هربک من الاسد ولا تجعل رقبتک للناس جسرا (۳)

خبردار اپنی ذاتی رائے سے ہرگز فتوی مت دینا۔۔۔ اور (اپنی ذاتی رائے سے) فتوی دینے سے بچو جیسے شیر سے بچتے ہو اور اپنی گردن کو لوگوں کیلئے پل نہ بناؤ

۴۔ مولائے کائنات نہج البلاغہ میں اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ترد علی احدهم القضیة فی حکم من الاحکام فیحکم فیها برایه ثم ترد تلک القضیة بعینها علی

غیرہ فیحکم فیھا بخلاف قولہ ثم یجتمع القضاۃ بذالک عند الامام الذی استقضاھم فیصوب آرائھم جمیعا والھھم واحد ونبیھم واحد وکتابھم واحد...(۴)

ان میں سے کسی ایک کے سامنے کوئی مسئلہ کسی حکم کے بارے میں پیش ہوتا ہے تو وہ اپنی رائے سے اس کا حکم دیتا ہے پھر وہی مسئلہ بعینہ دوسرے کے سامنے پیش ہوتا ہے تو وہ پہلے والے کے قول کے برخلاف حکم دیتا ہے پھر یہ تمام قاضی اپنے اس امام کے سامنے جمع ہوتے ہیں جس نے انہیں قاضی بنایا تھا تو وہ ان سب کی آرا کو تصویب یعنی صحیح قرار دیتا ہے حالانکہ ان کا خدا ایک ہے نبی ایک ہے کتاب ایک ہے۔۔۔

اس خطبہ میں مولائے کائناتؑ ذاتی رائے کی سخت مذمت کر رہے ہیں اسی طرح نظریہ تصویب کی بھی سخت انداز میں تنقید کر رہے ہیں۔تو مذکورہ بالا آیات وروایات میں صریح طور پر اجتھاد کے اس طریقہ سے روکا گیا ہے جس میں ذاتی رائے کی دخل اندازی ہو اور خدا کے مقابل قانون سازی وشریعت سازی انجام دی جائے۔

ممدوح اجتھاد: یعنی اجتھاد "اس تلاش وکوشش کو کہتے ہیں جو احکام خدا کو ان کی معتبر دلیلوں (قرآن،سنت،اجماع اور عقل) سے حاصل کرنے میں صرف ہوتی ہے" اسی لئے علمائے اصول،اجتھاد کی تعریف میں کہتے ہیں:

ملکۃ یقتدر بھا علی استنباط الحکم الشرعی الفرعی من الاصل (۵)

یعنی اجتھاد وہ ملکہ ہے جس کے ذریعہ انسان شریعت کے فرعی احکام کو ان کی اصل (کتاب وسنت) سے استنباط کرنے کی قدرت حاصل کرتا ہے۔

اور اجتھاد اس معنی میں صرف قابل قبول ہی نہیں بلکہ لازم وواجب ہے جیسا کہ آیات وروایات میں اس کی تاکید ہوئی ہے اور مکتب اہلبیتؑ کے ماننے والوں کا یہی طریقہ ہے۔ہم نمونہ کے طور پر کچھ دلیلوں کو یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

۱۔ ارشاد رب العزت ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ(۶)

صاحبانا یمان کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ سب کے سب نکل پڑیں تو ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہیں نکلتے تا کہ علم دین حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرائیں شاید وہ اس طرح ڈریں۔

۲۔ امام محمد باقرؑ ارشاد فرماتے ہیں:

الکمال کل الکمال التفقه فی الدین (۷)

سب سے بڑا کمال علم دین حاصل کرنا ہے۔

ان نصوص سے اجتہاد کا واجب کفائی ہونا ثابت ہوتا ہے لہذا مکتب اہلبیت علیہم السلام کے فقہا کے نزدیک اجتہاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا اور رسول کے مقابل اپنی ذاتی رائے (شخصی اجتہاد) کا اظہار کریں یا قانون سازی انجام دیں بلکہ اجتہاد کا معنی یہ ہے کہ شارع کی جانب سے مقرر کردہ معتبر دلیلوں سے احکام خدا کا حصول (استنباط) اور قانون فہمی، کیونکہ قانون سازی رب العالمین خدا کی شان ہے اسی لئے علماء، فقہ کی تعریف میں کہتے ہیں: هو العلم بالاحکام الشرعية الفرعية عن ادلتها التفصيلية (۸) یعنی شریعت کے فرعی احکام کو ان کی تفصیلی دلیلوں سے جاننے کو فقہ کہتے ہیں۔ تو اس تعریف کی بنا پر فقہ، شریعت سازی نہیں ہے بلکہ شریعت فہمی اور قانون فہمی ہے کیونکہ شرعی احکام جاننے کا نام فقہ رکھا گیا ہے نہ کہ شرعی احکام بنانے اور گڑھنے کا نام۔ لہذا اجتہاد جبکہ شارع کی جانب سے مقرر کردہ معتبر دلیلوں پر مبتنی ہو اور ہدف الٰہی احکام وقوانین کا سمجھنا اور جاننا ہو تو اس وقت مستحسن ہے۔

ضرورت اجتہاد

اجتہاد [یعنی دین میں غور وخوض] اسلام کے روشن مستقبل کی دلیل اور انسانی معاشرے میں اس کی اہمیت وبقا پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اسلام ایک محدود اور علاقائی دین نہیں ہے بلکہ عالمی اور ابدی دین ہے لہذا اس کے قوانین نوع بشر کیلئے ہیں اور قرآن "هدی للناس" یعنی بشریت کو ساحل نجات تک پہونچانے کیلئے آیا ہے لہذا اسلام میں دو باتوں کی بہت اہمیت ہے ایک رہبریت وقیادت اور دوسرے الٰہی احکام وقوانین۔ لیکن بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد سب سے زیادہ اختلاف امت کی رہبری اور الٰہی احکام وقوانین کو سمجھنے میں پیش آیا جبکہ مرسل آعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا انتظام کر کے گئے تھے کیونکہ آپ نے امت مسلمہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا تھا:

انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهلبیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی وانهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض (۹)

"میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میری عترت میرے اہلبیت اگر تم نے ان دونوں سے تمسک اختیار کیا تو ہرگز ہرگز میرے بعد گمراہ نہیں ہوگے اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملیں۔"

اگر امت نے اہلبیت اطہار علیہم السلام کا دامن تھاما ہوتا اور ان کی رہبری کو قبول کیا ہوتا تو آج اسلام کو نہ رہبری کی مشکل پیش آتی اور نہ اسلامی قوانین و احکام سمجھنے میں دشواری سے دوچار ہونا پڑتا کیونکہ شریعت کے تمام نشیب و فراز واضح طور پر ہمارے درمیان ہوتے حتی بعید نہیں کہ محافظ شریعت بھی پردۂ غیب میں نہ ہوتے۔

مکتب اہلبیت علیہم السلام کے ماننے والوں نے تو ان کی رہبری کو قبول کیا اور ان کے دامن سے تمسک حاصل کرتے ہوئیان کی تأسی کی لیکن مکتب خلفا کے ماننے والوں نے صاحبان وحی سے اپنا رابطہ توڑ کر میراث وحی سے اپنا رشتہ توڑ لیا جس کا خمیازہ اسلامی معاشرے کو بھگتنا پڑا اور کبھی تو نص کے مقابل اجتھاد کے مرتکب ہوئے اور کبھی شخصی اجتھاد کا سہارا لیا یعنی قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، سدذرایع اور ذاتی اجتھاد کو حکم خدا سمجھا۔اس کے مقابل مکتب اہلبیت علیہم السلام کے ماننے والوں نے صاحبان وحی و شریعت سے اپنا رابطہ برقرار رکھا جس کے نتیجہ میں نہ نص کی کمی کا احساس ہوا اور نہ نص کے مقابل اجتھاد کی نوبت آئی بلکہ معصومین علیہم السلام کی راہنمائی میں شریعت فہمی اور احکام و قوانین الٰہی کی جستجو و تلاش کی جانب قدم بڑھائے تا کہ شریعت محمدی پر عمل پیرا ہو کر رب العالمین خدائے وحدہ لاشریک کی خوشنودی حاصل کریں اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں۔آنے والے دور اور غیبت حجت الٰہی کے پیش نظر معصومین علیہم السلام نے اپنے اصحاب میں جس اجتھاد کی داغ بیل ڈالی تھی وہ سلسلہ مراجع کرام کی صورت میں آج تک قائم و دائم ہے اور اس نے انسانی زندگی کو ایک تابناک مستقبل عطا کیا، علمی مستند دلیلوں سے ہر تند و تاریک ہوا کا مقابلہ کیا ہر مرحلہ پر انسانی حقوق کی پاسبانی کی، انسانیت کو عبودیت کی راہ سے ہٹنے نہ دیا الحادی فکر اور بے دینی کو غالب نہ ہونے دیا بلکہ توحید و ولایت کا پرچم ہمیشہ بلند رکھا، نئے پیش آنے والے مسائل (مسائل مستحدثہ) کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیا، نہ ذاتی رائے کی دخل اندازی ہونے دی اور نہ نفسانی خواہشات کی پیروی کی گئی بلکہ تقوی و پرہیز گاری، خدا محوری اور رضایت پروردگار ان کا ہدف، معاشرہ میں الٰہی قوانین کا اجرا ان کا ہم و غم، ظالم و جابر طاقتوں کے مقابل نہ جھکنا ان کا شعار اور اہلبیت اطہار علیہم السلام کی سیرت ان کا آئیڈیل قرار پایا۔

لہذا اگر ہم یہ فیصلہ کر کے بیٹھ جائیں کہ اجتھاد کا دروازہ اب بند ہو جانا چاہئے تو پھر یا تو یہ ماننے کہ انسان کی ضرورتیں اور تقاضے ختم ہو گئے ہیں یا پھر اسلام بھی دوسرے ادیان کی طرح صرف ایک خاص زمانہ تک کیلئے محدود دین قرار پائیگا جبکہ اسلام، عالمی رہبری اور انسانیت کو کمال و سعادت تک پہونچانے کا ذمہ دار ہے اور ابدی و دین خاتم ہونے کا اعلان کرتا ہے لہذا اس کے قوانین ہمیشہ بشریت کی ضرورتوں کو پورا کرنے والے اور تازہ ہیں ہر مشکل کا حل اسلام کے دامن میں موجود ہے لہذا ضروری ہے کہ غیبت میں بھی ایک ایسا انتظام کیا ہو جس سے بشریت فائدہ اٹھاتی

رہے اور یہ انتظام غیبت صغری میں نواب خاص (نواب اربعہ) کے ذریعہ انجام پایا اور غیبت کبری میں نواب عام (مراجع تقلید) کے ذریعہ انجام پا رہا ہے جس پر متعدد عقلی و نقلی دلیلیں موجود ہیں اور مجتہد میں زندہ ہونے کی شرط مکتب اہلبیت علیہم السلام کے امتیازات میں سے ایک امتیاز ہے جس نے اجتہاد کو ایک تازگی بخشی ہے۔ شہید مطہری اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اجتہاد ایک اسلامی معجزہ ہے (۱۰)''۔

تقلید

مفہوم تقلید

تقلید کا ایک مذموم و ناپسند طریقہ ہے جس سے آیات و روایات میں سختی سے روکا گیا ہے اور دوسرا ممدوح و پسندیدہ طریقہ ہے جس کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ترغیب دلائی گئی ہے۔

مذموم تقلید: یعنی انسان کسی فرد، گروہ، تنظیم یا مکتب فکر کی (خواہ دینی ہو یا غیر دینی) جاہلانہ اور آنکھیں بند کر کے اندھی تقلید کرے اور یہ تقلید صحیح فکر، دینی پلیٹ فارم اور الٰہی اصولوں پر قائم نہ ہو بلکہ پست اہداف جیسے جاہلانہ خاندانی، تنظیمی یا علاقائی تعصب اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر ہو۔ تقلید کے اس طریقہ کی آیات و روایات میں سخت مذمت ہوئی ہے۔

۱۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

إِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ (۱۱)

ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں۔

۲۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَائَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (۱۲)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس کا اتباع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے چاہے ان کے باپ دادا کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔

بیشک تقلید و پیروی کا یہ طریقہ ایک مذموم طریقہ ہے جو معاشرہ کی فکری پسماندگی، اخلاقی فساد اور بے راہ روی کا سبب بنتا ہے اور ایسے افراد، منفعت طلب اور استعماری و استبدادی طاقتوں کا کھلونا بن جاتے ہیں۔

ممدوح تقلید: یعنی غیر ماہر اور ناواقف افراد کا اس فن کے ماہرین اور جانکار کی جانب رجوع کرنا۔ بالفاظ

دیگر: ''جاہل کا عالم سے پوچھنا''یعنی جوافراد کسی علمی یا مہارتی شعبہ میں واقفیت نہیں رکھتے یا اس میں ماہر نہیں ہیں اور انہیں زندگی میں اس شعبہ یا فن کی ضرورت پڑے تو وہ اس شعبہ کے جانکار و ماہرین کی جانب رجوع کرتے ہیں اور ان کی رائے کے مطابق عمل کرتے ہیں اسی کو علمی اور فقہی اصطلاح میں تقلید کہتے ہیں۔اور تقلید کا یہ مفہوم نہ یہ کہ مذموم نہیں بلکہ نظام کائنات میں بشری حیات اسی قانون پر عمل پیرا ہے اور اس سے روگردانی کی صورت میں انسانی زندگی عسر و ہرج اور بسا اوقات تباہی کا شکار ہو جاتی ہے لہذا یہ ایک پسندیدہ عمل ہے نہ کہ مذموم۔اور یہ بات بھی روشن ہے کہ ہر انسان ہر شعبہ میں ماہر فن نہیں ہوسکتا پس ناگزیر ہے کہ جن شعبوں میں انسان مہارت نہیں رکھتا ان میں ماہرین فن کی جانب رجوع کرے مگر مریض کا ایک ماہر ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا غلط ہے؟امکان کی تعمیر کیلئے انجینئر سے رجوع کرنا کار عبث ہے؟!علمی جہالت کو دور کرنے کیلئے ماہر عالم کی طرف رجوع کرنا حماقت ہے؟ ! قانون خدا سے ناواقفیت کی صورت میں قانون خدا کے جانکار اور ماہر کی طرف رجوع کرنا بے وقوفی ہے؟!ان ہی عقلی و منطقی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ تقلید اگر ان اہداف کے پیش نظر ہو تو یہ قابل مذمت نہیں بلکہ مستحسن امر ہے تا کہ انسان خطا و غلطی سے محفوظ رہے۔

تقلید کے سلسلہ میں عقلی و منطقی دلیلوں کے علاوہ قرآن میں بھی دلیلیں موجود ہیں جو نمونہ کے طور پر اس طرح ہیں۔

۱ ۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لاتَعْلَمُونَ (۱۳)

اگر تم لوگ نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھو۔

۲ ۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلانَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ(۱۴)

صاحبان ایمان کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ سب کے سب نکل پڑیں تو ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہیں نکلتے تا کہ علم دین حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرائیں شاید وہ اس طرح ڈریں۔

ان آیات کریمہ میں مجتہدین سے پوچھنے اور ان کی اتباع و پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

ضرورت تقلید

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا کہ جاہل کا عالم سے پوچھنا یا غیر ماہر کا ماہرین فن کی جانب رجوع کرنا ایک غیر

منطقی ،غیر شرعی اور اندھی تقلید نہیں ہے بلکہ عقلائے عالم کا یہی طریقہ کار ہے اور عقلی ومنطقی تقاضا بھی یہی ہے ۔قرآن مجید تقلید سے منع نہیں کرتا بلکہ اندھی تقلید سے منع کرتا ہے کیونکہ خداوند عالم نے انسان کو چشم وبصیرت کی نعمت سے نوازا ہے اچھے وبرے کی پہچان کیلئے رہنما اصول بتائے ہیں لہٰذا اسے پسند نہیں کہ اس کا بندہ انحراف وگمراہی کے دلدل میں پھنسے توان نعمتوں کا شکریہ ہے کہ ہم ان کا صحیح استفادہ کریں اوراسی راستہ کوانتخاب کریں جس میں ہمارے معبود کی رضا ہو۔

البتہ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ تقلید اصل نہیں ہے بلکہ شریعت کے احکام کو جاننے اوراس پرعمل کرنے کا ایک راستہ ہے کیونکہ جوافراد اسلامی احکام کو اجتہاد کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتے یا اتنا علم نہیں ہے کہ احتیاط پرعمل کریں، ان کی اس مجبوری پر اوراس بات کے مدنظر کہ ہرانسان الٰہی احکام کو حاصل کرنے کیلئے اجتہاد کے درجہ پر فائز نہیں ہوسکتا [کیونکہ اس طرح دوسرے وہ شعبے جوانسانی حیات کیلئے ضروری ہیں خالی رہ جائیں گے]لہٰذا پروردگاراوراس کے حقیقی رہنماؤں نے فروع دین (الٰہی احکام وقوانین) میں جامع الشرائط مجتہد کی تقلید کو لازم وضروری قرار دیا ہے تاکہ دین وشریعت میں تعطیل نہ آسکے اسی لئے تقلید ایک عقلی ضرورت ہے اور شارع نے بھی ہمیں اس کام کا حکم دیا ہے۔

مرجعیت

غیبت صغری اور غیبت کبری دونوں میں امام عصرؑ کا رابطہ لوگوں سے منقطع نہیں ہوا بلکہ نیابت کے ذریعہ رابطہ کا سلسلہ قائم ہے ، نائبین خاص غیبت صغری میں (۲۶۰ھ ۔ق سے ۳۲۹ھ۔ق تک اور نائبین عام غیبت کبری میں ۳۲۹ھ۔ق سے ظہور تک)امام عصرؑ کے نائب ہیں ۔

نیابت خاص:وہ نیابت ہے کہ جس میں امام عصرؑ نے کسی خاص شخص کو نام بنام اپنی نیابت کیلئے انتخاب کیا ہو جیسا کہ آپ نے امام حسن عسکریؑ کی شہادت (۲۶۰ھ۔ق) کے وقت جناب عثمان بن سعید عمری کو اپنا پہلا نائب خاص انتخاب کیا اوران کی رحلت کے بعد آپ کے لائق فرزند جناب محمد بن عثمان بن سعید عمری کو اپنا دوسرا نائب انتخاب کیا اور ۳۰۴یا ۳۰۵ھ۔ق ۔میں ان کی رحلت کے بعد جناب حسین بن روح نوبختی کو اپنا تیسرا نائب انتخاب کیا اور ۳۲۶ ھ۔ق ۔میں ان کی رحلت کے بعد جناب علی بن محمد سمری کو اپنا چوتھا اور آخری نائب خاص منتخب کیا اور ۳۲۹ھ۔ق ۔ میں ان کی رحلت کے بعد غیبت کبری کا آغاز ہوا۔

نیابت عام:وہ نیابت ہے کہ جس میں امام معصومؑ یا امام عصرؑ کسی خاص ومعین شخص کی نشاندہی نہیں فرماتے بلکہ بعض خصوصیات وصفات کا ذکر فرماتے ہیں کہ ''جس میں یہ خصوصیات وصفات پائی جائیں وہ ہمارا نائب ہے''بعض

روایتیں بطور مثال پیش ہیں۔

۱ ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

فاما من كان من الفقها صائنا لنفسه حافظا لدينه مخالفالهواه مطيعا لامر مولاه فللعوام ان يقلدوه(۱۴)

فقہا میں سے جو اپنے نفس کی محافظت کرنے والا، محافظ دین، نفسانی خواہشات کا مخالف اور مولا کے امر کا فرمانبردار ہو تو عوام کو چاہئے کہ اس کی پیروی کریں۔

۲ ۔ امام عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف اسحاق بن یعقوب کیلئے لکھی اپنی توقیع میں ارشاد فرماتے ہیں:

واما الحوادث الواقعة فارجعوا فيها الى رواة احاديثنا فانهم حجتي عليكم وانا حجة الله عليهم(۱۵)

نئے پیش آنے والے مسائل میں ہماری احادیث روایت کرنے والوں کی جانب رجوع کرو کیونکہ وہ تم پر میری حجت اور میں ان پر اللہ کی حجت ہوں۔

لہذا فقہا صرف مجتہد اور مراجع تقلید ہی نہیں بلکہ نائب امام زمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف بھی ہیں اور ان کی پیروی امام عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی پیروی ہے اور ان کی مخالفت امام عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی مخالفت ہے۔

مقام مرجعیت

شیعہ علماء اور مفکرین نے معصومین علیہم السلام کی موجودگی [۳۲۹ھ۔ق۔تک] میں اجتہاد کے بنیادی ارکان اور الٰہی احکام وقوانین کے حصول (شریعت فہمی) کے صحیح طریقوں کو عترت طاہرہ سے حاصل کیا اور معاشرہ میں آئندہ پیش آنے والی نئی نئی ضرورتوں اور جدید مسائل [مسائل مستحدثہ] کے صحیح جواب کا طریقہ آئمہ علیہم السلام کی رہنمائی میں اچھی طرح سیکھا۔

اور زمانہ غیبت میں، امام عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی مستقل نظارت کے تحت اجتہاد وتقلید کا عظیم، پختہ اور مستحکم طریقہ ہمیشہ امت مسلمہ کی مشکلات کیلئے رہ گشا ثابت ہوا اور شیعہ فقہاء نے اصالت مکتب کی پاسبانی کرتے ہوئے فکری وثقافتی یلغار کا مقابلہ کیا۔ان کی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سلسلہ میں چند روایتیں بطور مثال پیش ہیں۔

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ(۱۶)

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

۲۔ مولائے کائنات علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

من كان من شيعتنا عالما بشريعتنا فاخرج ضعفاء شيعتنا من ظلمة جهلهم الى نور العلم الذى حبوناه

به جاء یوم القیام علی راسه تاج من نور یضیيء لاهل جمیع تلک العرصات (۱۷)

"ہمارے شیعوں میں سے جو ہماری شریعت (قوانین) کا جاننے والا ہو اور (اعتقادی لحاظ سے) ہمارے ضعیف شیعوں کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر اس علم کی روشنی تک لیجائے جو ہماری طرف سے اس کو عطا ہوا ہے تو روز قیامت اس حال میں آئیگا کہ اس کے سر پر ایک نور کا تاج ہوگا جو تمام اہل محشر کو ضیاء بار کریگا۔"

ان جیسی تعبیرات و کلمات عصر غیبت میں مرجعیت کی اہمیت و ضرورت کو بہتر طریقہ سے نمایاں اور واضح کرتے ہیں لہذا ہماری ذمہ داری ہے کہ مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کریں تا کہ اپنی شرعی ذمہ داریوں کو خدا اور رسول اور آئمہ کے حکم کے مطابق ادا کرسکیں۔

منابع:

(۱)۔اسراء/۳۶
(۲)۔علامہ مجلسیؒ، بحارالانوار، ج۲،ص۲۹۹
(۳)۔علامہ مجلسیؒ، بحارالانوار، ج۱،ص۲۲۶
(۴)۔نہج البلاغہ، خطبہ۱۸
(۵)۔آخوند خراسانیؒ، کفایۃ الاصول ،ج۲،ص۴۲۲
(۶)۔توبہ/۱۲۲
(۷)۔علامہ مجلسیؒ، بحارالانوار، ج۷۵،ص۱۷۲
(۸)۔معالم الدین فی الاصول،ص۲۲
(۹)۔صحیح مسلم، ج۷،ص۱۲۲، صحیح ترمذی، ج۵،ص۶۲۱، مسند احمد، ج۵،ص۱۸۱
(۱۰)۔شہید مرتضی مطہریؒ، اسلام و مقتضیات زمان ج۱،ص۲۴۱
(۱۱)۔زخرف/۲۳
(۱۲)۔بقرہ/۱۷۰
(۱۳)۔نحل/۴۳، انبیاء/۷
(۱۴)۔توبہ/۱۲۲
(۱۵)۔علامہ مجلسیؒ، بحارالانوار، ج۲،ص۸۸
(۱۶)۔شیخ صدوقؒ، کمال الدین، ج۲،ص۴۸۳، شیخ طوسی، الغیبۃ،ص۱۷۷ ،طبرسی، احتجاج، ج۲،ص۲۸۳
(۱۷)۔متقی ہندی، کنز العمال ،ج۱۰،ص۱۳۵
(۱۸)۔ملا فیض کاشانیؒ، محجۃ البیضاء، ج۱،ص۲۹

❀❀❀

عوام اور خواص(۱) قرآن وروایات کی روشنی میں

حجۃ الاسلام والمسلمین استاد سید جواد حسینی

ترجمہ: مولانا آغا منور علی

انسانی معاشرہ کی تقسیم یوں تو کئی زاویوں سے ممکن ہے جیسے متمدن معاشرہ اور غیر متمدن معاشرہ، دیندار معاشرہ اور بے دین معاشرہ اور نہ جانے کتنے زاویے ہیں جن کے اعتبار سے معاشرہ کی تقسیم عمل میں لائی جاسکتی ہے لیکن اگر خاص سماجی نقطۂ نظر سے تقسیم کی جائے تو انسانی معاشرہ خواہ اس کا تعلق کسی شہر سے ہو یا کسی ملک سے دو گروہوں میں تقسیم ہوسکتا ہے: پہلا گروہ ان لوگوں کا ہے جنکے پیچھے چلا جاتا ہے، جنکی بات مانی جاتی ہے، جنکے تفکر، تدبر اور تحقیق سے استفادہ کیا جاتا ہے، یہ گروہ ''خواص'' کہلاتا ہے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو پہلے گروہ یعنی خواص کے پیچھے چلتے ہیں، جو خواص کی بات مانتے ہیں اور جو خواص کے تفکر، تدبر اور تحقیق سے استفادہ کرتے ہیں یہ گروہ ''عوام'' کہلاتا ہے۔ گویا عوام ہمیشہ خواص کے تابع ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں اگر چہ یہ دو لفظ (عوام اور خواص) من وعن استعمال نہیں ہوئے ہیں لیکن ان دو لفظوں کے معنی کو پہنچانے والے کئی الفاظ قرآن میں موجود ہیں جیسے عوام کے لئے ''اکثـــــرھـــم'' کا لفظ اور خواص کے لئے ''علماء''، ''اولی الالباب'' جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ قرآن مجید میں عوام اور خواص کے ہم معنی الفاظ تو ہیں ہی لیکن ساتھ ہی ان دو لفظوں کو سمجھانے والے مصداق بھی کم نہیں ہیں۔ جہاں تک روایات کا تعلق ہے تو قرآن ہی کی طرح یہ الفاظ روایات میں بھی اس عنوان کے تحت موجود نہیں ہیں لیکن ان کے معنی کو پہنچانے والے لفظ جیسے خواص کے لئے ''عصابہ'' اور عوام کے لئے ''ھَمَجٌ رَعَاعٌ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

عوام اور خواص کی تعریف

خواص کی سب سے اچھی تعریف وہی ہے جو مظلوم کربلا امام حسینؑ نے اپنے کلام میں فرمائی ہے جسکے ضمن میں عوام کی تعریف بھی آگئی ہے۔ امام حسینؑ فرماتے ہیں: ''تم اے بزرگ مردوں! وہ بزرگ مرد جنکا علم

و دانش مشہور، جنکی خیر و نیکی زبان زد خاص و عام، پند و نصیحت کے لئے تم معروف ہو، اللہ والے ہونے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں تمہاری عظمت اس طرح بیٹھی ہوئی ہے کہ شریف آدمی تمہارے دبدبے کا قائل ہے اور کمزور تمہاری عزت کرتا ہے، تمہیں محترم جانتا ہے۔ وہ لوگ تمہیں اپنے اوپر سبقت دیتے ہیں جن پر تمہیں نہ تو کوئی برتری حاصل ہے اور نہ ہی وہ تمہارا کوئی مال باقی ہیں نہ تمہارے دیے ہوئے قرض کا بوجھ ان پر ہے۔ جب انکی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں تو وہ تم سے سفارش طلب کرتے ہیں اور تم انکے ساتھ بادشاہوں کی شان و شوکت اور بڑے لوگوں کی عظمت لیے ہوئے راستہ چلتے ہو'' (۲)۔

امام حسینؑ کے اس نورانی کلام سے یہ بات واضح ہے کہ قوم کے بڑے و برجستہ افراد، منصب و مراتب کے حامل لوگ ''عصابہ'' یا ''خواص'' سمجھے جاتے ہیں جیسے علماء کا طبقہ، پڑھے لکھے لوگ، صاحبان منصب و اقتدار، سخاوت مند تاجر اور وہ لوگ جو سماج میں حیثیت کے حامل ہوں یہ سب خواص کے زمرے میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو اس خواص کے طبقے کی پیروی کرتے ہیں، جو انکے پیچھے پیچھے چلتے ہیں، انکی بات مانتے ہیں عوام کے زمرے میں شمار کیے جاتے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ عوام اور خواص کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں: ''لوگ تین طرح کے ہیں: خدا تک پہنچا ہوا، راہ نجات پر چلنے والا طالب علم اور عوام الناس کا گروہ جو ہر آواز کے پیچھے چل پڑتا ہے اور ہر ہوا کے ساتھ لہرانے لگتا ہے۔ اس نے نہ نور کی روشنی حاصل کی ہے اور نہ کسی مستحکم ستون کا سہارا لیا ہے'' (۳)۔

حضرت امیرؑ کے اس قول کی روشنی میں ابتدائی دو گروہ خواص کے ہیں اور تیسرا گروہ عوام کا ہے۔

بعض محققین نے عوام اور خواص کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے: ''خواص ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو بصیرت اور آگہی کی بنیاد پر کوئی قدم اٹھاتے ہیں۔ انکے فیصلے خود انہیں کے ہوتے ہیں نہ یہ کہ کسی اور کے کہنے پر فیصلے لیتے ہوں۔ عوام ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو تجزیہ و تحلیل کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ انکے کاموں کی اساس بصیرت پر نہیں ہوتی۔ عوام ہمیشہ ماحول کے تابع ہوتے ہیں۔ ہر معاملہ میں وہ ہوا کے رخ کو دیکھتے ہیں جدھر کی ہوا ہوتی ہے وہ بھی ادھر ہی چل پڑتے ہیں''۔ (۴)

یہ تعریف رہبر معظم انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ خامنہ ای کے اس کلام سے ماخوذ ہے جو حقیقت میں سید الشہداء مظلوم کربلا حضرت امام حسینؑ کے کلام سے اخذ شدہ ہے جس میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ''عوام

خواص کے پیچھے چلتی ہے، جس طرف خواص حرکت کرتے ہیں عوام بھی انہیں کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ برجستہ اور ممتاز لوگوں کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ اگر وہ منحرف ہو جائیں تو انکا انحراف عوام کے ایک بہت بڑے طبقے کے انحراف کا موجب بنتا ہے"۔(۵)

مذکورہ بالا تعریف میں برجستہ اور ممتاز افراد سے مراد وہی خواص ہیں اور وہ با بصیرت انپڑھ جنہوں نے نہ تو زمانہ کے رائج علوم پڑھے ہوں اور نہ ہی تعلیم یافتہ (Qualified) کہلانے کے حقدار ہوں ان کو بھی انکی بصیرت کی وجہ سے خواص ہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آقائے سید احمد خاتمی لکھتے ہیں: "جن لوگوں کو ہم خواص کہتے ہیں ان میں پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ ساتھ بہت سے انپڑھ بھی شامل ہیں۔ انپڑھ ہونے کے باوجود وہ اس لئے خواص کے طبقے میں شامل ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے، خود تشخیص دیتا ہے اور خود ارادہ کر کے اپنے فیصلے کی بنیاد پر عمل کرتا ہے اگر چہ اس نے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی، کسی مدرسہ میں نہیں پڑھا اور نہ ہی عباقا زیب تن کی اور نہ ہی کہیں سے سند یافتہ ہے لیکن غیر معمولی سمجھ کا حامل ہے۔ ہم جو خواص کہتے ہیں اس سے مراد ایک خاص صنف نہیں ہے، مرد بھی ہوسکتا ہے عورت بھی ہوسکتی، پڑھا لکھا بھی ہوسکتا ہے اور انپڑھ بھی، امیر بھی ہوسکتا ہے اور غریب بھی"۔(۶)

خلاصہ یہ ہے کہ علماء، دانشور، سمجھدار لوگ، با بصیرت افراد، صاحبان قلم، بہترین سابقہ رکھنے والے لوگ (جیسے مجاہدین و مہاجرین)، اور وہ افراد جو کسی نہ کسی وجہ سے سماج میں کسی حیثیت کے حامل ہوں وہ سب خواص میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید ایسے افراد کے بارے میں کیا فرما رہا ہے اور ان لوگوں سے کیا توقع رکھتا ہے:

الف۔ علماء و مبلغین

خواص کا سب سے پہلا گروہ جسے قرآن نے نہ صرف اہمیت کی نظر سے دیکھا ہے بلکہ انکی سماجی حیثیت کو بھی بڑھایا ہے اور اسی مقدار میں ان سے توقع بھی وابسطہ کی ہے اور انکے دوش پر ذمہ داری کا بوجھ بھی ڈالا ہے وہ علماء اور مبلغین کا گروہ ہے۔ علماء و مبلغین کی سماجی حیثیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے:

۱۔ بلندی درجات

"يَرْفَعُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ" (۷)

خدا صاحبان ایمان اور جن کو علم دیا گیا ہے ان کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

۲۔صرف خدا کا خوف

"إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ"(۸)

اللہ سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں صرف صاحبانِ معرفت ہیں۔

علماء کے اسی خوف الٰہی اور بلندی درجات اور سماج میں انکی بہتر حیثیت کی وجہ سے قرآن سب سے یہ اقرار لے رہا ہے کہ: "هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَايَعْلَمُون"(۹) کہہ دیجئے کہ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں ان کے برابر ہو جائیں گے جو نہیں جانتے ہیں۔یقیناً جو بھی اس طرف تھوڑی سی توجہ کریگا اس کا جواب یہی ہوگا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

علماء سے قرآن کی توقعات اور امیدیں

۱۔خدا کے احکام کو بغیر کسی خوف و ہراس کے پہونچانا

"الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَايَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللهَ وَكَفَى بِاللهِ حَسِيبًا" (۱۰)

وہ لوگ اللہ کے پیغام کو پہنچاتے ہیں اور دل میں اس کا خوف رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے ہیں اور اللہ حساب کرنے کے لئے کافی ہے۔

۲۔لوگوں کی ہدایت کرنا

"فَلَوْلَانَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ"(۱۱)

تو ہر گروہ میں سے ایک جماعت اس کام کے لئے کیوں نہیں نکلتی ہے کہ دین کا علم حاصل کرے اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو اسے عذاب الٰہی سے ڈرائے کہ شاید وہ اسی طرح ڈرنے لگیں۔

۳۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا

قرآن نے جو توقعات علماء سے رکھی ہیں ان میں سے ایک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی ہے تا کہ کبھی بھی وہ اس اہم فریضہ سے غافل نہ رہیں۔قرآن اس سلسلے میں فرماتا ہے:

" وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنْ الْمُنْكَرِ وَأُوْلَئِكَ هُمْ الْمُفْلِحُون"(۱۲)

"اور تم میں سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہئے جو خیر کی دعوت دے، نیکیوں کا حکم دے برائیوں سے منع کرے اور یہی

لوگ نجات یافتہ ہیں۔"

اگر چہ اس آیۂ کریمہ کا خطاب ظاہراً عام لوگوں سے ہے لیکن وہ لوگ جو خیر کی طرف دعوت دینے والوں میں سرفہرست اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی شرائط سے سب زیادہ واقف ہیں وہ حقیقی علماء ومبلغین ہی ہیں۔قرآن مجید یہودی ونصرانی علماء کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے فرماتا ہے:

" لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ"(۱۳)

"آخر انہیں اللہ والے اور علماء ان کے جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے۔یہ یقیناً بہت برا کر رہے ہیں۔"

یہ آیات اس مطلب کو سمجھانا چاہتی ہیں کہ طبقۂ خواص میں علماء سب سے ممتاز مقام کے حامل ہونے کے اعتبار سے سکوت اور پہلو تہی نہیں کر سکتے۔اگر ایسا کیا تو خدا کے غضب سے نہیں بچ پائیں گے۔پیغمبر اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

" اِذَا ظَهَرَتِ الْبِدَعُ فِيْ اُمَّتِيْ فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهُ فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰه"(۱۴)

"جب بھی میری امت میں بدعت ظاہر ہو عالم کو چاہیے کہ وہ اپنے علم کا اظہار کرے اگر ایسا نہ کیا تو اللہ کی اس پر لعنت ہو۔"

۴۔عقیدوں کی حفاظت کرنا

اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ سے اخلاقی جرائم وفحشاء کی روک تھام نہ کی جائے تو دھیرے دھیرے بنیادی عقائد کی سرحد حملہ کی زد میں آجائے گی اور پھر انکار کی بھی صورت پیدا ہو سکتی ہے اور یہ وہی چیز ہے جو کبھی کبھی دیکھنے میں آتی ہے کیونکہ غلط اعمال غلط فکر کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔قرآن کریم فرماتا ہے کہ "اس کے بعد برائی کرنے والوں کا انجام برا ہوا کہ انہوں نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلا دیا اور برابر ان کا مذاق اڑاتے رہے"۔ناشائستہ اعمال کے علاوہ شبہہ ایجاد کرنا اور شک وتردید پیدا کرنا معاشرے میں خاص کر جوانوں کے عقائد کو متزلزل کرتے ہیں۔اسی لئے علماء ومبلغین کو چاہیے کہ وہ اخلاقی جرائم کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے نہ صرف شبہات کے جواب دینے کو اہمیت دیں بلکہ گناہوں کو ختم کرنے سے زیادہ شبہات کو برطرف کرنے کو دیں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہمارے علماء ومبلغین دینی علوم کے حصول کے ساتھ ساتھ عصری علوم پر بھی مسلط ہوں تا کہ نت نئے شبہات سے آشنا ہوں اور انکا بہتر انداز میں جواب دے سکیں۔اسلامی معاشرہ کے عقائد پر جب بھی حملہ ہوتا ہے تو قرآن کریم معاشرہ کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ علماء کی طرف رجوع کرے:

"فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" (۱۵)

''اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے دریافت کرو۔''

اس آیۂ مبارکہ کا ابتدائی حصہ اگر چہ اعتقادی مسائل سے جڑا ہوا ہے جو خاتم النبیین ؐ کی رسالت سے مربوط ہے لیکن آیت کا شان نزول کسی خاص واقعہ سے مقید ہونے کا سبب نہیں ہوتا لہذا ہر وہ سوال جسکا جواب اسلامی معاشرہ کی بھلائی سے جڑا ہوا ہو اس کا جواب دینا ان علماء کی ذمہ داری ہے جو اہل ذکر کے وارث ہیں۔یہ وہی کام ہے جو استاد شہید مرتضٰی مطہریؒ جیسے افراد انجام دیتے رہے ہیں جیسا کہ وہ خود اس سلسلہ میں فرماتے ہیں ''اس بندہ نے پچھلے بیس سالوں میں اپنے قلم سے جو بھی مقالے یا کتابیں لکھی ہیں ان میں ایک چیز جسے اپنے ہر نوشتہ کا مقصد قرار دیا ہے وہ ان مشکلات کا حل تلاش کرنا اور ان سوالات اور مسائل کے جواب دینا ہے جس سے موجودہ اسلامی دنیا جوجھ رہی ہے۔اس ناچیز کے نوشتہ جات بعض فلسفی، بعض سماجی، بعض اخلاقی، بعض فقہی اور بعض تاریخی حیثیت کے حامل ہیں۔ان نوشتہ جات کے موضوعات ایک دوسرے سے بالکل الگ نوشتہ ہونے کے باوجود بھی ان سب کا مقصد بس ایک ہی چیز تھی۔''(۱۶)

۵۔قول وفعل میں یکسانیت رکھنا

وہ اہم ترین عامل جو علماء کو ذمہ دار خواص کے زمرہ میں باقی رکھتا ہے اور معاشرہ بھی انکے پیچھے پیچھے چلنے پر راضی رہتا ہے یہ ہے کہ علماء سب سے پہلے اپنی کہی ہوئی باتوں پر عمل پیرا ہوں۔تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ وہی علماء و دانشور کامیاب ہو پائے ہیں جو اہل علم ہونے کے ساتھ ساتھ اہل عمل بھی تھے۔قرآن کریم اس سلسلے میں فرماتا ہے:

''یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لاتَفْعَلُونَ کَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لاتَفْعَلُون'' (۱۷)

''ایمان والو آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔''

اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔اس آیت کا مخاطب بھی عام آدمی ہی ہے لیکن چونکہ وہ گروہ جو دوسروں کو بہت زیادہ وعظ و نصیحت کرتا ہے علماء اور مبلغین ہی کا ہے۔لہذا اس طبقے کو چاہیے کہ اپنے قول وفعل میں یکسانیت کا لحاظ رکھے۔

۶۔عدالت برپا کرنا اور حقداروں کو انکا حق دلانا

خواص کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری عدالت قائم کرنا اور کمزوروں اور اپنے ماتحتوں کو انکا حق دلوانا ہے اسلئے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔خاتم الانبیاء ﷺ کی سب سے بڑی ذمہ داری عدالت قائم کرنا اور حقدار کو اسکا حق پہنچانا تھی اور علماء چونکہ انبیاء کے وارث ہیں لہذا انکی بھی یہی ذمہ داری ہے۔

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے نورانی کلام کو جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''کیا یہ احترام و تواضع اس لئے نہیں ہے کہ لوگ یہ امید رکھتے ہیں کہ تم حقوق الٰہی کو زندہ کرنے کے لئے قیام کرو؟ لیکن اکثر موقعوں پر تم نے خدا کے حق کو ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے اور ائمہؑ کے حق کو ہلکا شمار کیا، کمزوروں اور بے نواؤں کے حق کو پامال کیا۔ تم نے جس چیز کو اپنا حق سمجھا نا روا طریقے سے اسے حاصل کر لیا لیکن راہ خدا میں نہ تو تم نے کوئی مال خرچ کیا اور نہ ہی اپنی جان خطرے میں ڈالی اور نہ ہی اپنی قوم سے خدا کی رضا کی خاطر جدا ہوئے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ خدا کے پیمان کو توڑا جا رہا ہے اور تم خاموش ہو اور تمہیں اس سے کوئی ہراس نہیں ہے۔ اندھے، گونگے اور مفلوج شہروں میں بے یار و مددگار پڑے ہوئے ہیں اور تم ذرہ برابر ان پر رحم نہیں کرتے اور وہ کام جو تم انکے حق میں کرنے پر قادر ہو وہ بھی نہیں کرتے اسکا ارادہ تک نہیں کرتے بلکہ ستمگروں کی چاپلوسی اور تملق جوئی میں لگے ہوئے ہو اور ان سے اپنی آسایش و رفاہ کے طالب ہو۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ ان گندے اعمال کو روکا جائے لیکن تم اس سے غافل ہو۔ تم مصیبت پیدا کرنے والے لوگ ہو کیونکہ تم جان بوجھ کر اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرتے ہو۔ تمام پریشانیوں کا سبب یہ ہے کہ تمام امور کی باگ ڈور اور احکام کو جاری کرنے کا کام علمائے ربانی کے سپرد ہے کہ جو حلال و حرام خدا کے معاملے میں امانتدار ہیں لیکن یہ مقام و منزلت تم سے چھن چکا ہے کیونکہ تم حق کے محور سے بکھر گئے ہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں روشن دلیلیں ہونے کے باوجود بھی تم نے اختلاف کیا۔ اگر رنج و مصیبت پر صبر کرتے اور خدا کی راہ میں سختیوں کو برداشت کر لیتے تو دین خدا کے امور تمہارے ہاتھوں سے جاری ہوتے لیکن تم نے ستمگروں کو لاکر اپنی جگہ بٹھا دیا اور خدا کے دین کے امور کا اجرا انہیں سپرد کر دیا ہے، اور وہ اپنی غلط کاریاں انجام دے رہے ہیں اور اپنی شہوت کو پورا کرنے کی راہ میں قدم بڑھا رہے ہیں اور تم پر مسلط ہو چکے ہیں''۔(۱۸)

ب۔ بابصیرت اور سمجھدار لوگ

خواص کا دوسرا بڑا گروہ ان لوگوں کا ہے جو بابصیرت اور سمجھدار ہوتے ہیں۔ بابصیرت ہونا اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ بعض تعریفوں میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ ''وہ لوگ جب بھی کوئی کام کرتے ہیں یا کوئی موقف اختیار کرتے ہیں یا کسی راہ کو چنتے ہیں تو پہلے غور سے اس کی تحلیل کر کے اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کرتے ہیں پھر اس پر عمل کرتے ہیں۔''(۱۹)

بابصیرت لوگ وہ ہیں جنہیں حالات زمانہ گمراہ نہیں کر سکتے۔ وہ فریب کاری، استحصال، دوغلے پن اور جھوٹ کو سچائی سے، کھوٹے کو کھرے سے جدا کر کے حق کا راستہ اپناتے ہیں۔

قرآن کریم بابصیرت لوگوں کی تائید کرتا ہے اور انہیں واقعات کو اچھی طرح سمجھنے، تحلیل کرنے اور ان سے عبرت لینے والا جانتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''تمہارے واسطے ان دونوں گروہوں کے حالات میں ایک

نشانی موجود ہے جو میدان جنگ میں آمنے سامنے آئے کہ ایک گروہ راہ خدا میں جہاد کررہا تھا اور دوسرا کافر تھا جوان مومنین کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہا تھا اور اللہ اپنی نصرت کے ذریعہ جس کی چاہتا ہے تائید کرتا ہے اور اس میں صاحبان نظر کے واسطے سامان عبرت و نصیحت بھی ہے۔"(۴۰)

دوسری جگہ پر ارشاد ہورہا ہے کہ "با بصیرت صاحبانِ نظر یہودیوں سے عبرت حاصل کرو"۔

قرآن مجید میں ۱۶ سے زیادہ مقامات پر اس گروہ کو "اولی الالباب" (صاحبان عقل، سمجھدار) کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے اور انکا امتیاز یہ بیان کیا کہ وہ معاشرے کے حقیقی مسائل کو سمجھتے ہیں، تاریخ اور قرآن کی باریکیوں کو درک کرتے ہیں، خدا کی نشانیوں کی شناخت رکھتے ہیں اور نصیحت کو قبول کرتے ہیں۔

روایات میں بھی با بصیرت اور سمجھدار لوگوں کا تذکرہ کثرت سے موجود ہے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: اولیائے خدا وہ ہیں کہ جب لوگ دنیا کے ظاہر کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کے باطن پر نظر کرتے ہیں اور جب لوگ اس کی جلد میسر آجانے والی نعمتوں میں کھو جاتے ہیں، تو وہ آخرت میں حاصل ہونے والی چیزوں میں منہمک رہتے ہیں۔"(۴۱)

اسلام کے ابتدائی ایام میں صاحبان بصیرت نے دینی و قرآنی تعلیمات کو پھیلانے میں بڑا کلیدی رول ادا کیا ہے۔ استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ اپنی کتاب "جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام" کے صفحہ ۲۱۵ پر اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ "مکی دور میں مسلمانوں نے تعلیم حاصل اور روح اسلام سے آشنا ہو گئے۔ اسلامی تعلیمات ان پر اس طرح اثر انداز ہوئیں کہ جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو ان میں ہر شخص اسلام کا ایک حقیقی مبلغ بن کے ابھرا۔ تبلیغ اسلام کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب انہیں اطراف کے علاقوں میں بھیجتے تو وہ تبلیغ کا حق ادا کر کے لوٹتے۔ جب بھی جہاد کے لئے جاتے تو انہیں پتہ ہوتا تھا کہ وہ کس مقصد کی خاطر لڑنے جارہے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:.... حَمَلُوا بَصَائِرَهُمْ عَلَى اَسْيَافِهِمْ .... "انہوں نے اپنی بصیرت کو اپنی تلواروں پر مسلط کردیا اور اپنے نصیحت کرنے والے کے حکم سے پروردگار کی بارگاہ میں جھک گئے۔"(۴۲)

ہر محاذ پر حرف اول بصیرت ہے اور آج بھی وہی لوگ اپنی ذمہ داری کو پورا کر سکتے ہیں اور اسلام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچا سکتے ہیں جو بصیرت اور باریک بینی کے حامل ہوں۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَلَا يَحْمِلُ هٰذَا الْعَلَمَ اِلَّا اَهْلُ الْبَصَرِ وَ الصَّبْرِ وَ الْعِلْمِ بِمَوَاقِعِ الْحَق

''اس علم کو وہی اٹھائے گا جو صاحب بصیرت وصبر ہوگا اور حق کے مراکز کا پہچاننے والا ہوگا''۔(۲۳)

ج۔اہل قلم

معاشرہ کے برجستہ افراد میں شمار ہونے والا ایک گروہ اہل قلم حضرات کا ہے۔ایک معاشرے کے سدھرے ہوئے ہونے یا بگڑے رہنے کا گہرا تعلق اہل قلم حضرات سے ہے۔قرآن کریم ان لوگوں کو محترم جانتا ہے اور ان کے قلم کی قسم کھائی ہے''

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ''(۲۴)

ن , قلم اور اس چیز کی قسم جو یہ لکھ رہے ہیں۔

یقیناً قلم ہی وہ سورج ہے جس سے تمدن کی ترقی،علوم کے کمال،فکروں کی بیداری،ہدایت اور آگہی کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔قرآن مجید نے مکہ کے اس ماحول میں قلم کی قسم کھائی ہے جبکہ بشریت قلم کے رول سے کما حقہ واقف بھی نہیں تھی۔(۲۵)

سرکار دوعالم ﷺ پر نازل ہونے والی سب سے پہلی آیت میں خدا نے قلم کی طرف اشارہ فرمایا ہے اقْــرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی ہے۔(۲۶)

ان آیتوں میں قلم کا ذکر قلم اور اہل قلم کی عظمت کی علامت ہے۔عصر حاضر میں بھی قلم اور اہل قلم کے برجستہ رول کا کوئی منکر نہیں ہے لیکن اہمیت والی بات یہ ہے کہ قرآن نے اس طبقے سے کیا توقع رکھی ہے؟ خواص میں شمار ہونے والے اہل قلم کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حق کی حمایت میں وہی لکھیں جو حق ہے اور اس میں تحریف نہ کریں۔قلم کی نوک سے دوسروں کی آبرو کے لباس کو چاک نہ کریں۔قرآن کریم فرماتا ہے'' فَوَيْـلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ''(۲۷) وائے ہو ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تا کہ اسے تھوڑے دام میں بیچ لیں. ان کے لئے اس تحریر پر بھی عذاب ہے اور اس کی کمائی پر بھی۔

ایک ہی آیت میں لفظ''ویل'' کے ذریعے تین مرتبہ عذاب کی خطرناک خبر سنانا،حقائق کو تحریف کرنے والے زہر آلود قلم کی تباہ کاریوں کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔عصر حاضر میں پرنٹ میڈیا کی اہمیت کے پیش نظر بین

الاقوامی صہیونیت اور اسلام دشمن مغربی طاقتیں کتاب اور مجلّات کے ذریعے گھر پر آ کر ٹیوشن پڑھانے والے ایک ٹیچر کی شکل میں مسلمانوں کی فکر پر اپنے نقوش چھوڑ رہے ہیں تا کہ انکا اقتصادی اور سیاسی استحصال کیا جاسکے۔ایک فرانسیسی قلمکار نے اس سلسلے میں بڑی خوبصورت تعبیر استعمال کی ہے۔وہ لکھتے ہیں ''آج کل معاشروں کی بے ہوشی کے ذمہ دار پرنٹ میڈیا سے وابستہ وہ افراد ہیں جنکے ہاتھوں میں قلم ہے اور اس بے ہوشی کا سب سے زیادہ فائدہ وہ بین الاقوامی سرجن اٹھا رہے ہیں جو ملتوں کی چیر پھاڑ میں مشغول ہیں۔''(۲۸)۔آج سے ۴۲ سال پرانی یونسکو کی ایک رپورٹ کے مطابق روزانہ ۱۳۶۵ اخبارات چھپتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہزار افراد کے لئے ۱۳۶۵ اخبارات چھپتے ہیں۔(۲۹) اور یہ تعداد صرف روزناموں (اخبارات) کی ہے جن میں کتابیں اور مجلّات شامل نہیں ہیں اور غور طلب بات یہ ہے کہ یہ رپورٹ ۴۲ سال پرانی ہے تو آج یہ تعداد ہزار گنا زیادہ ہوگئی ہوگی۔

اس بھاری تعداد میں جو مطبوعات موجود ہیں تو ظاہری بات ہے اسی اعتبار سے حقائق کو مسخ کرنے اور ان میں تحریف کا کام ہو رہا ہوگا خاص طور پر جبکہ صہیونیت کا عالمی میڈیا میں گہرا اثر و رسوخ ہے۔پانچ مقامات پر قرآن نے یہودیوں کی جانب سے توریت، انجیل میں تحریف کرنے اور قرآن سننے کے بعد اسکے مطالب الٹا بیان کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔اسلامی معاشرہ میں موجود اہل قلم حضرات سے قرآن کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ غلط فکر کی ترویج کے ذریعہ معاشرہ کی بے ہوشی کا سامان مہیا نہ کریں اور نہ ہی انہیں چیر پھاڑ کرنے والے سرجنوں کے بھینٹ چڑھائیں۔قرآن اس طبقہ سے ایک اور توقع یہ کر رہا ہے کہ وہ اپنی معلومات میں سے انہیں معلومات کو انتخاب کریں جو معاشرہ کے لئے فائدہ مند ہوں اور غیر مفید و بے ہودہ مطالب کو نقل کرنے سے پرہیز کریں۔قرآن فرماتا ہے:

"فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمْ اللهُ وَأُوْلَئِكَ هُمْ أُوْلُوا الْأَلْبَاب" (۳۰)

''اور جن لوگوں نے ظالموں سے علیحدگی اختیار کی کہ ان کی عبادت کریں اور خدا کی طرف متوجہ ہوگئے ان کے لئے ہماری طرف سے بشارت ہے لہذا پیغمبر آپ میرے بندوں کو بشارت دے دیجئے جو باتوں کو سنتے ہیں اور جو بات اچھی ہوتی ہے اس کا اتباع کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہدایت دی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو صاحبانِ عقل ہیں۔''

واقعی عقلمند شخص وہ ہے جو بہترین چیز کو انتخاب کر کے معاشرے کے حوالے کرتا ہے۔

د۔راہ خدا میں جہاد کرنے والے

خدا کی راہ میں برپا ہونے والے انقلاب کے لئے کوشش کرنے والے مجاہد جو رزمگاہ حق و باطل کے شہ

سوار ہوتے ہیں خواص کے طبقے میں شامل ہیں۔اس طبقہ کوخدا نے سماج میں ایک خاص اہمیت بخشی ہے۔قرآن مجید صاف الفاظ میں اس طبقے کے بلند مرتبہ کی طرف اشارہ فرمارہا ہے:

"لَایَسْتَوِی الْقَاعِدُونَ مِنْ الْمُؤْمِنِینَ غَیْرُ أُوْلِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِی سَبِیلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِینَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَی الْقَاعِدِینَ دَرَجَةً وَکُلًّا وَعَدَ اللهُ الْحُسْنَی وَفَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِینَ عَلَی الْقَاعِدِینَ أَجْرًا عَظِیمًا. دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً"(۳۱)

"اندھے بیمار اور معذور افراد کے علاوہ گھر بیٹھ رہنے والے صاحبانِ ایمان ہرگز ان لوگوں کے برابر نہیں ہوسکتے جو راہ خدا میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرنے والے ہیں -اللہ نے اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر امتیاز عنایت کئے ہیں اور ہر ایک سے نیکی کا وعدہ کیا ہے اور مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں کے مقابلہ میں اجر عظیم عطا کیا ہے۔اس کی طرف سے درجات مغفرت اور رحمت ہے اور وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

یقیناً اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کو بڑی عظمت حاصل ہے اور یہی چیز سماج میں انکے برجستہ ہونے کا سبب ہے جسکی وجہ سے وہ خواص میں شمار کیے جاتے ہیں۔بقول کسی شاعر کے: جن کے رتبے ہیں سوا انکو سوا مشکل ہے۔لہذا جتنا بڑا رتبہ ہوگا اتنی ہی بڑی ذمہ داریاں ہوں گی۔انہیں ذمہ داریوں میں بعض کا ذکر یہاں کیا جارہا ہے:

۱۔طاقت وقدرت میں اضافہ: راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ حتی المقدر اپنی طاقت وقدرت میں اضافہ کرتے رہیں اور حرب وضرب سے متعلق تمام ضروری فنون سے آراستہ رہیں تاکہ اسلام کا دفاع کرسکیں۔قرآن کریم اس سلسلے میں فرمارہا ہے:

"وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّکُمْ"(۳۲)

"اور تم سب ان کے مقابلہ کے لئے امکانی قوت اور گھوڑوں کی صف بندی کا انتظام کرو جس سے اللہ کے دشمن ،اپنے دشمن اور ان کے علاوہ جن کو تم نہیں جانتے ہو اور اللہ جانتا ہے سب کو خوفزدہ کردو۔"

اس آیت سے بخوبی یہ استفادہ ہوتا ہے کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے تمام ضروری ساز وسامان کا بندوبست لازمی ہے تاکہ اسلام کا دشمن اسلام پر حملہ کی سوچ ہی سے کانپ اٹھے۔

۲۔غفلت سے دوری: خواص کے اس طبقے کی سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ جہاد کے دوران دی جانے والی قربانیوں کو بھول کر ٹکڑیوں میں تقسیم ہوجائیں، عیش وآرام کی زندگی میں گرفتار ہوکر غفلت کے گہرے

سمندر میں ڈوب جائیں۔دشمن اسی موقع کی تلاش میں رہتا ہے اسی لئے قرآن فرما رہا ہے:

" وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً "(۳۳)

"اپنے اسلحہ اور بچاؤ کے سامان اپنے ساتھ رکھے ۔ کفار کی خواہش یہی ہے کہ تم اپنے ساز و سامان اور اسلحہ سے غافل ہو جاتو یہ یکبارگی حملہ کردیں۔"

۳۔اقدار کی پاسداری اور شوق شہادت: اقدار کو جنم دینا صالح اور پاک فکر کا کام ہے۔راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جہاد و شہادت ،قربانی کے جذبوں کو معاشرہ میں زندہ رکھیں کیونکہ دشمن کی کوشش یہ ہے کہ وہ فریضۂ جہاد میں خدشہ پیدا کر کے یا تو اس کی قدر و منزلت کو گھٹا دے یا پھر اسے اسلامی اقدار کی فہرست ہی سے خارج کردے۔اسلام کے کھلے دشمن جان بوجھ کر اور بے خبر افراد نادانی میں آج اس کام کو بڑی چالاکی سے انجام دے رہے ہیں۔قرآن اس سلسلے میں فرما رہا ہے:

"فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ"(۳۴)

"خدا کی طرف سے ملنے والے فضل و کرم سے خوش ہیں اور جو ابھی تک ان سے ملحق نہیں ہو سکے ہیں ان کے بارے میں یہ خوش خبری رکھتے ہیں کہ ان کے واسطے بھی نہ کوئی خوف ہے اور نہ حزن۔"

ہ۔سبقت کرنے والے لوگ

ہر معاشرہ میں سبقت کرنے والے لوگ پائے جاتے ہیں ہجرت میں سبقت ، جہاد میں سبقت ، الٰہی انقلاب میں سبقت ، نیک کاموں میں سبقت ۔اسی وجہ سے یہ لوگ سماج میں ایک خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں ۔قرآن کریم فرما رہا ہے:

" وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ .أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ" (۳۵)

"اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہی ہیں وہی اللہ کی بارگاہ کے مقرب ہیں۔"

ہجرت میں سبقت حاصل کرنے والوں کے تعلق سے قرآن مجید اس طرح بیان فرما رہا ہے:

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ(۳۶)

''اور مہاجرین وانصار میں سے سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے نیکی میں ان کا اتباع کیا ہے ان سب سے خدا راضی ہوگیا ہے اور یہ سب خدا سے راضی ہیں۔''

توقع یہ کی جارہی ہے کہ ہجرت میں یہ سبقت باقی رہے خاص طور پر پڑھے لکھے طبقے اور علماء کی ہجرت کا سلسلہ جاری رہے تاکہ محروم علاقوں میں جہاں علماء کی ضرورت زیادہ ہے وہاں تک ان کی رسائی ہوسکے اور اسی طرح دنیا کے کونے کونے میں اسلامی تعلیمات کے تشنہ افراد کی پیاس بجھانے کی خاطر ہجرت کا یہ سلسلہ جاری رہے۔

وـتاجر اور دولتمند افراد

ایک اور طبقہ جو معاشرہ میں اپنا نفوذ رکھتا ہے وہ دیندار تاجروں اور دولتمند افراد کا طبقہ ہے جنہیں خواص میں شمار کیا جاتا ہے۔ آفریقا کے دور دراز علاقوں تک اسلام کی روشنی کو پہنچانے میں دیندار تاجر طبقے نے بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ قرآن مجید نے انفاق، انفاق کے طریقہ کار اور انفاق کی جزا کے بارے میں ۷۰ سے زیادہ آیتیں مختص کی ہیں جن میں سے اکثر کا مخاطب قوم کا پیسے والا اور دولتمند طبقہ ہے۔ بعض آیتوں میں انفاق کرنے میں پیش پیش رہنے والوں کے بارے میں کہا گیا ہے:

''وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَايَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللهُ الْحُسْنَى وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ. مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ''(۳۷)

''اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے ہو جب کہ آسمان وزمین کی وراثت اسی کے لئے ہے اور تم میں سے فتح سے پہلے انفاق کرنے والا اور جہاد کرنے والا اس کے جیسا نہیں ہوسکتا ہے جو فتح کے بعد انفاق اور جہاد کرے۔ پہلے جہاد کرنے والے کا درجہ بہت بلند ہے اگر چہ خدا نے سب سے نیکی کا وعدہ کیا ہے اور وہ تمہارے جملہ اعمال سے باخبر ہے۔ کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کو دوگنا کردے اور اس کے لئے باعزت اجر بھی ہو۔''

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''.....امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علاوہ ایک اور دوسروں کو اسلام کی دعوت دینا ہے۔ ظلم کو ختم کرنے اور ظالموں کی مخالفت کے ساتھ ساتھ بیت المال اور غنائم کی عادلانہ تقسیم کی دعوت دینا اور اسلام نے جن چیزوں پر مال دینے کو واجب کیا ہے اسکو جمع کرنا اور اسکا صحیح مقام پر استعمال کرنا ضروری ہے۔''(۳۸)

ط۔عوام

خواص کی تعریف کے ضمن میں عوام کی تعریف گذر چکی ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عوام کے پاس اتنا علم نہیں ہوتا کہ وہ اس علم کی بنیاد پر عمل کرے۔وہ بلاسوچے سمجھے بغیر بصیرت کے عمل کرتے ہیں۔خدا،قرآن میں اس طبقہ کا ذکر اکثریت کے عنوان سے فرمارہا ہے: "أَكْثَرُهُمْ لاَيَعْلَمُونَ" (۳۹) ان کی اکثریت اس سے بے خبر ہے۔ایسی تعبیر قرآن مجید میں ۷۷ بار دوہرائی گئی ہے۔کبھی اکثریت کو بے علم،کبھی ناسمجھ (حجرات/۴)،کبھی فاسق (آل عمران/۱۱۰)،کبھی غیر مؤمن اور ناشکرے (یوسف/۳۸)،کبھی کافر (نحل/۸۳)،کبھی اکثریت کو حق کو ناپسند کرنے والی (مؤمنون/۷۰) کہا گیا ہے۔کبھی اس طرح کہا گیا ہے: "يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ" (۴۰) یہ لوگ صرف زندگانی دنیا کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت کی طرف سے بالکل غافل ہیں۔

ایک اور آیہ کریمہ ارشاد ہورہا ہے:

" لَهُمْ قُلُوبٌ لاَيَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لاَيُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لاَيَسْمَعُونَ بِهَا أُوْلَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُوْلَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ" (۴۱)

"ان کے پاس دل ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں اور آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں ہیں اور کان ہیں مگر سنتے نہیں ہیں۔یہ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ اصل میں غافل ہیں۔"

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام بے بصیرت عوام کے اوصاف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

كَالْبَهِيمَةِ الْمَرْبُوطَةِ هَمُّهَا عَلَفُهَا

ان جانوروں کی مانند کہ اگر آزاد ہوتے ہیں تو ان کا کل مشغلہ ادھر اُدھر چرنا ہوتا ہے۔(۴۲)

یہاں سے ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ عوام اور ان پڑھ لوگ ایک طبقہ نہیں ہے۔قرآن نے عوام کو "الناس" کہہ کر خطاب کیا ہے اس لئے کہ بہت سے لوگ جو "الناس" میں شامل ہیں شاید پڑھے لکھے ہوں لیکن پڑھے لکھے ہونے کے باوجود بھی قرآنی نقطۂ نظر سے انکا شمار عوام ہی میں ہوتا ہے بلکہ کبھی تو عوام سے بھی بدتر انعام (جانوروں) میں انکا شمار ہوتا ہے۔شیطان اپنے بے پناہ علم اور ۶ لاکھ سال کی عبادت کے باوجود بھی عرش کی بلندی سے گمراہی کی کھائی میں جاگرا۔بلعم باعورا جسے آیات الٰہی عطا کی گئیں تھیں اور جو مستجاب الدعوۃ ہونے کے قریب قریب پہنچ چکا تھا لیکن جب اپنے مقام سے گرا تو ایسا گرا کہ قرآن مجید نے اسکی مثال ایسے کتے سے دی ہے جس پر حملہ

کروتب بھی زبان نکالے رہتا ہے اور چھوڑ دو تب بھی اسکی زبان باہر ہی رہتی ہے۔(۴۳)

طلحہ و زبیر جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب خاص میں شامل تھے اور ابتدا میں امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے حامی تھے لیکن آخر کار دنیا پرستی کی وجہ سے خواص کے طبقے سے ایسا نکلے کہ بدترین عوام میں بدل گئے۔(۴۴)

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویاں، ان دو عظیم المرتبت پیغمبروں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اپنے کو خواص کے طبقے میں سنبھال کر نہ رکھ سکیں اور اس طرح گریں کہ کافروں کے لئے مثال بن کر عوام سے بھی بدتر انعام (جانوروں) کے زمرہ میں داخل ہوگئیں؛ خدا نے کفر اختیار کرنے والوں کے لئے زوجۂ نوح اور زوجۂ لوط کی مثال بیان کی ہے کہ یہ دونوں ہمارے نیک بندوں کی زوجیت میں تھیں لیکن ان سے خیانت کیں تو اس زوجیت نے خدا کی بارگاہ میں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ تم بھی تمام جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔(۴۵) جناب آسیا فرعون کی بیوی کے پاس کوئی زیادہ علم نہ تھا اس کے باوجود بھی گہری بصیرت کی حامل تھیں۔فرعون کے محل میں رہتے ہوئے موسیٰؑ پر ایمان رکھتیں تھیں۔سخت ترین تکالیف بھی انہیں اپنے عقیدہ سے ہٹا نہ سکیں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ طبقۂ خواص کے لئے آج تک مثال بنی ہوئی ہیں۔اور خدا نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی زوجہ کی مثال بیان کی ہے کہ اس نے دعا کی کہ پروردگار میرے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے کاروبار سے نجات دلا دے اور اس پوری ظالم قوم سے نجات عطا کر دے۔(۴۶)

عوام کی خصوصیات

۱۔عوام باریک بینی اور تجزیہ و تحلیل کی صلاحیت نہیں رکھتے:مختلف وجوہات کی بناء پر عوام کا طبقہ گہرائی سے کسی مسئلہ کو سمجھنے اس کا تجزیہ و تحلیل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔پیش آنے والے واقعات کو عوام فقط اوپر اوپر سے دیکھتے ہیں باطن میں چھپے عوامل کو وہ درک نہیں کر پاتے۔عوام کی اسی صفت کو قرآن مجید نے حضرت ابراہیمؑ کے اس واقعہ میں پیش کیا ہے جس میں آپ نمرود کو جو خدا کے بارے میں دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

رَبِّیَ الَّذِی یُحیِی وَ یُمِیتُ

میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

نمرود نے بھی خود کو زندہ کرنے والے اور مارنے والے کے طور پر پیش کیا اور حکم دیا کہ ایک قیدی کو آزاد کر دیا جائے اور دوسرے کو قتل کر دیا جائے اور اس کو زندہ کرنے اور مارنے سے تعبیر کیا۔اس مقام پر عام لوگ نمرود کے اس جھانسہ کو سمجھنے سے قاصر رہے ایسے میں حضرت ابراہیمؑ نے لوگوں کی فکری سطح کو دیکھتے ہوئے ایک ایسی دلیل نمرود کے سامنے

پیش کی جس سے لوگ نمرود کے فریب سے باخبر ہو گئے۔حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا:

فَإِنَّ اللهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (۴۷)

''میرا خدا مشرق سے سورج نکالتا ہے تو مغرب سے نکال دے''

عوام کی اسی ناسمجھی کی وجہ سے انبیاءو اولیائے خدا بہت سی باتوں کو ان سے پوشیدہ رکھتے تھے۔عام لوگ تجزیہ وتحلیل کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔کچھ لوگ انبیاء کو جادوگر خیال کرتے تھے تو کچھ لوگ مبالغہ کرتے ہوئے انہیں الوہیت تک پہنچا دیتے تھے۔

۲۔عوام کی نظر ظاہری چیزوں پر ہوتی ہے:عوام کسی بھی چیز کے ظاہر سے متاثر ہو کر اس کو ماننے لگتی ہے،علمی اور عقلی بحثیں انکی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہیں جسکی وجہ سے ایسی بحثیں ان کے لئے بے کار ہوتی ہیں۔حضرت ابراہیمؑ نے لوگوں کو جب بتوں کی پوجا کرتے دیکھا تو انہیں اس کام سے روکتے رہے اور استدلال کے ذریعہ انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ بتوں کے سامنے جھکنا صحیح نہیں ہے۔یہی بات انہیں سمجھانے کے لئے آپؑ نے جب بتوں کو توڑ دیا اور اپنی کلہاڑی بڑے بت کی گردن میں لٹکا دی تو ان سے کہنے لگے:اگر تمہارے خدا بات کر سکتے ہیں اور تمہاری بات کا جواب دے سکتے ہیں تو خود انہی سے پوچھ لو کہ کس نے انکی یہ حالت بنائی ہے۔

نمرود کی قوم اپنے وقار کو باقی رکھنے کی خاطر لوگوں سے جدل کرتے ہوئے انہیں دھوکہ دینے لگی تا کہ لوگ جھوٹے خداؤں کے دفاع کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔لوگوں کی نظروں کے سامنے حضرت ابراہیمؑ سے جرح کی گئی اس کے باوجود بھی لوگ حضرت ابراہیمؑ کی نہ تو بات ہی سمجھ سکے اور نہ ہی انکی حقانیت انکے سمجھ میں آئی۔

فَأْتُوا بِهِ عَلَى أَعْيُنِ النَّاسِ (۴۸)

''اسے لوگوں کے سامنے لے آ''

سب کچھ ہونے کے باوجود عوام اپنی گمراہی پر ڈٹی رہی۔

۳۔عوام مادّی اقدار کو اہمیت دیتے ہیں:عوام مادی چیزوں سے زیادہ مانوس رہتے ہیں۔ان کا معیار ظاہری طاقت اور شان وشوکت ہوتا ہے جس پر وہ لوگوں کو پرکھتے ہیں۔جب عوام نے سامری کے سونے کی گوسالہ دیکھی تو اس کی چمکدار آنکھوں نے انہیں اپنی طرف کھینچ لیا جسکی وجہ سے بغیر سوچے سمجھے اسے خدا ماننے لگے اور ہارون جیسے خدا کے خاص بندے کے ڈرانے پر انہوں نے کہا:

لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَى (۹۱)

''ہم اس کے گرد جمع رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ ہمارے درمیان واپس آ جائیں''

عوام کی اسی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے فرعون کہتا ہے:

يَاقَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ (۵۱)

''اے قوم کیا یہ ملک مصر میرا نہیں ہے اور کیا یہ نہریں جو میرے قدموں کے نیچے جاری ہیں یہ سب میری نہیں ہیں پھر تمہیں کیوں نظر نہیں آ رہا ہے۔''

چونکہ عوام کی نظروں میں مادی اور ظاہری چیزیں اقدار کے عنوان سے اہمیت رکھتی ہیں تو اس سے فائدہ اٹھا کر فرعون بھی اسی زاویہ سے گفتگو کرتے ہوئے انہیں اپنی طرف بلا رہا ہے۔

۴۔اندھی تقلید: عوام کے پاس لوگوں کے پیچھے چلنے کے علاوہ کوئی چارہ ہے ہی نہیں۔بری عوام جاہلانہ طور پر کسی کے پیچھے چل پڑتی ہے۔یہ لوگ نہ ہی عقل سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی صاحبان عقل وشعور کی بات مانتے ہیں۔وہ قومی اور خاندانی رسوم وقیود کے پابند ہوتے ہیں۔عقل وشعور کو ایک کونے میں اسیر کر کے ان کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح انکی نفسانی خواہشیں پوری ہو جائیں۔اسی بناء پر جب فوج درفوج انہیں جہنم میں جھونکا جائیگا تو جہنم کے داروغہ ان سے سوال کریں گے:

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ

''تمہیں ڈرانے کے لئے کوئی نہیں آیا؟''

وہ لوگ کہیں گے کہ ڈرانے والے تو آئے لیکن ہم نے ان کو جھٹلایا اور انکی رسالت کا انکار کر دیا۔آخر میں یہ اعتراف کریں گے کہ:

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (۱۰)

''اگر ہم بات سن لیتے اور سمجھتے ہوتے تو آج جہنم والوں میں نہ ہوتے''

لوگوں کی پیروی کرنے والی عوام اپنے باپ دادا کے بنائے ہوئے رسم ورواج کو سماج میں رہنے کے لئے ضروری اور خاندانی رشتوں کے استحکام کا سبب سمجھتی ہے۔اسی لئے ان کی مخالفت کرنے کو برا سمجھتی ہے اور یہی رسم ورواج کی پابندی ان کے گمراہی پر ڈٹے رہنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔

مذکورہ بالا تقلید مذموم تقلید ہے لیکن اگر ناواقف افراد اپنے مسائل لیکر ماہر افراد سے رجوع ہوں اور اپنے مسائل ان

سے حل کروائیں تو یہ تقلید نہ صرف یہ کہ مذموم نہیں بلکہ ممدوح ہے اور عقلاً و شرعاً جائز بلکہ واجب ہے۔

۵۔عوام ماحول کے تابع ہوتے ہیں: عوام ہمیشہ اکثریت کو ملاک سمجھتی ہے۔اسی وجہ سے اکثریت سے جدا ہونے سے وہ ڈرتے ہیں۔وہ کبھی یہ یقین نہیں کر سکتے کہ اکثریت گمراہ ہو سکتی ہے یا غلطی کر سکتی ہے۔جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ گذشتہ کئی نسلیں کسی کام کو انجام دیتی آرہی ہیں تو وہ یہ قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے کہ گذشتہ نسلیں خطا پر تھیں یا غلط کام انجام دے رہیں تھیں۔وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ

فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَى(۵۲)

''پھر ان لوگوں کا کیا ہوگا جو پہلے گزر چکے ہیں''

سامری نے جب سونے کی گوسالہ بنی اسرائیل کے سامنے پیش کی تو بغیر سوچے سمجھے بنی اسرائیل نے فوراً اسے خدا مان لیا اور اس کی طرف دوڑ پڑے۔ماحول کا اس تیزی سے ان پر اثر ہوا کہ عوام میں مقابلہ کی تاب ہی نہ رہی اور ساری کی ساری قوم گوسالہ کو خدا مان کر اسکی پوجا کرنے میں لگ گئی۔انکا کہنا یہ تھا کہ ''ہم نے اپنے اختیار سے تیرے وعدہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ جب ہم نے گوسالہ کی پوجا کرنے والوں کی اکثریت دیکھی تو اس اکثریت کی مخالفت سے خوف کھا کر بے اختیار گوسالہ کی پوجا کرنے لگے۔''(۵۳)

عوام کی ذمہ داریاں

جس طرح سے خواص کی کچھ ذمہ داریاں ہیں اسی طرح سے عوام کے سپرد بھی کچھ ذمہ داریاں کی گئی ہیں۔اگر عوام اپنی ان ذمہ داریوں کو بخوبی نبھاتے ہیں تو معاشرہ میں چین سکون اور خوشحالی حاکم ہو سکتی ہے۔وہ ذمہ داریاں یہ ہیں:

۱۔حق کی اتباع کے ساتھ باعمل علماء کی پیروی: عوام کے اوپر لازم ہے کہ وہ اچھے علماء اور خواص کے تابع رہیں۔اس صورت میں ان کا شمار حق کی قوت بڑھانے والوں کے ساتھ ساتھ اپنے شرعی وظیفہ پر عمل کرنے والوں میں ہوگا۔علماء کی اتباع کرنا بہت ہی معقول بات ہے لیکن علماء سے منظور حق گو اور باعمل علماء ہیں۔امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

فَامَّا مَنْ كَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ، صَائِناً لِنَفْسِهِ، حَافِظاً لِدِينِهِ، مُخَالِفاً عَلَى هَوَاهُ، مُطِيعاً لِأَمْرِ مَوْلَاهُ فَلِلْعَوَامِ اَنْ يُقَلِّدُوْهُ وَ ذٰلِكَ لَا يَكُوْنُ اِلَّا بَعْض فُقَهَاءِ الشِيْعَة لَا جَمِيْعَهُمْ(۵۴)

''فقہاء میں سے جو شخص بھی اپنے نفس کو پاکیزہ رکھتا ہو، دین کی حفاظت کرتا ہو، خواہشات نفسانی کی مخالفت کرتا

ہو، اپنے پروردگار کا مطیع و فرمانبردار ہو پس عوام کے لئے لازم ہے کہ اس کی تقلید کریں۔ البتہ سبھی فقہاء ایسے نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض شیعہ فقہاء ان صفات کے حامل ہیں۔"

۲۔ جہل پر مبنی اظہار نظر سے پرہیز: امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَوْ سَکَتَ الْجَاهِلُ مَا اخْتَلَفَ النَّاس (۵۵)

جاہل اگر خاموش رہیں تو کبھی اختلاف پیش نہ آئے۔

اس بناء پر عوام کے لئے یہ سزاوار ہے کہ وہ علماء اور خواص پر سبقت نہ کریں اور ان کے اظہار نظر سے پہلے اپنے نقطۂ نظر کو پیش کرنے سے پرہیز کریں اور جس کام کا جو اہل ہے وہ کام اسی کے حوالے کردیں۔ علماء اور اچھے خواص کی پیروی بھی ایک شرط کے ساتھ ہے اور وہ شرط خدا نے بیان کر دی ہے:

اتَّبِعُوا مَنْ لَا یَسْأَلُکُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ (۵۶)

" ان کا اتباع کرو جو تم سے کسی طرح کی اجرت کا سوال نہیں کرتے ہیں اور ہدایت یافتہ ہیں"

اچھے عوام، اچھے علماء اور اچھے خواص کی اتباع کرتے ہوئے خدا کی خشنودی حاصل کرتے ہیں۔ اپنے نفس کی رضایت کے لئے وہ انکی پیروی نہیں کرتے۔ البتہ انکی پیروی عقل و علم کے ملاک پر ہونی چاہیے نہ کہ وہم و گمان پر اور نہ ہی خاندان کی بنیاد پر۔

۳۔ علم میں اضافہ کے ذریعہ عوام کے گروہ سے باہر نکلنے کی کوشش: اسلام یہ پسند نہیں کرتا کہ کچھ لوگ وادی جہل میں پڑے رہیں اور ہمیشہ دوسروں کے رحم و کرم کے محتاج رہیں۔ ایک طرف سے اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان علم و دانش کسب کرے اور دوسری طرف اسلام نے عالموں سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اپنا علم دوسروں تک منتقل کریں۔

حضرت علی علیہ السلام نے معاشرہ کے افراد کو تین گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے:

النَّاسُ ثَلَاثَةٌ: فَعَالِمٌ رَبَّانِیٌّ وَ مُتَعَلِّمٌ عَلَى سَبِیلِ نَجَاةٍ وَ هَمَجٌ رَعَاعٌ أَتْبَاعُ كُلِّ نَاعِقٍ یَمِیلُونَ مَعَ كُلِّ رِیحٍ لَمْ یَسْتَضِیئُوا بِنُورِ الْعِلْمِ یَلْجَأُوا إِلَى رُكْنٍ وَثِیقٍ (۵۷)

"لوگ تین طرح کے ہیں: خدا رسیدہ عالم، راہ نجات پر چلنے والا طالب علم اور عوام الناس کا وہ گروہ جو ہر آواز کے پیچھے چل پڑتا ہے اور ہر ہوا کے ساتھ لہرانے لگتا ہے۔ اس نے نہ نور کی روشنی حاصل کی ہے اور نہ کسی مستحکم ستون کا سہارا لیا ہے۔"

پہلا گروہ تعریف کے قابل ہے جبکہ تیسرے گروہ کو چاہیے کہ نادانی سے نکل کر خود کو علم کے زیور سے آراستہ کرے تا کہ اپنی کوشش اور جانفشانی سے گذشتہ دو گروہوں میں اپنی جگہ بنا سکے۔

اسلام کا مطلوب معاشرہ، وہ معاشرہ ہے جس کا ہر فرد خواص میں شامل ہو، تجزیہ و تحلیل کی صلاحیت رکھتا ہو اور بصیرت کی بناء پر اپنا موقف اختیار کرتا ہو۔

منابع:

(۱)۔لفظ خواص حیدرآبادی ادب میں ایک خاص معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے اور وہ معنی اس مقالے میں مقصود نہیں ہے۔

(۲)۔بحارالانوار، علامہ مجلسیؒ، ج۱۰۰، ص۷۹

(۳) نہج البلاغہ ترجمۂ علامہ سید ذیشان حیدر جوادیؒ حکمت ۱۴۷، ص۶۸۲

(۴)۔رسالت خواص، سید احمد خاتمی، ص۱۳

(۵)۔عبرت ھای عاشورا، سید احمد خاتمی، ص۱۹۲

(۶)۔عبرت ھای عاشورا، ص۱۴

(۷)۔مجادلہ/۱۱

(۸)۔فاطر/۲۸

(۹)۔زمر/۹

(۱۰)۔احزاب/۳۹

(۱۱)۔توبہ/۱۲۲

(۱۲)۔آل عمران/۱۰۴

(۱۳)۔مائدہ/۶۳

(۱۴)۔اصول کافی، شیخ یعقوب کلینیؒ، ج۱، ص۵۴، حدیث۲

(۱۵)۔نحل/۴۳، انبیاء/۷

(۱۶)۔عدل الٰہی، شہید مرتضیٰ مطہری، ص۸

(۱۷)۔صف/۲، ۳

(۱۸)۔بحارالانوار، ج۱۰۰، ص۷۹

(۱۹)۔رسالت خواص، سید احمد خاتمی، ص۲۵

(۲۰)۔آل عمران/۱۳

(۲۱)۔نہج البلاغہ، ترجمہ مولانا مفتی جعفر حسینؒ، حکمت ۴۳۲، ص۹۴۴

(۲۲) نہج البلاغہ ترجمۂ علامہ سید ذیشان حیدر جوادیؒ خطبہ ۱۵۰، ص۲۷۹

(۲۳)۔نہج البلاغہ ترجمۂ علامہ سید ذیشان حیدر جوادیؒ خطبہ ۱۷۳، ص۳۲۹

(۲۴). قلم/۱

(۲۵)۔تفسیر نمونہ، آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی، ج۲۴، ص۳۶۹

(۲۶)۔علق/۳، ۴

(۲۷)۔بقرہ/۷۹

(۲۸)۔فساد و صلاح تہاجم فرہنگی، سید محمود مدنی، ص۳۶۴

(۲۹)۔فساد و صلاح تہاجم فرہنگی، سید محمود مدنی، ص۳۶۵

(۳۰)۔زمر/۱۷، ۱۸

(۳۱)۔نساء/۹۵، ۹۶

(۳۲)۔انفال/۶۰

(۳۳)۔نساء/۱۰۲

(۳۴)۔آل عمران/۱۷۰

(۳۵)۔واقعہ/۱۰، ۱۱

(۳۶)۔توبہ/۱۰۰

(۳۷)۔حدید/۱۰، ۱۱

(۳۸)۔فرہنگ سخنان امام حسین علیہ السلام، محمد دشتی، ص۲۶۷-۲۶۸

(۳۹)۔طور/۴۷

(۴۰)۔روم/۷

(۴۱)۔اعراف/۱۷۹

(۴۲)نہج البلاغہ، ترجمہ: علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، نامہ ۴۵، ص ۵۵۹

(۴۳)۔اعراف/۱۷۵، ۱۷۶

(۴۴)۔رسالت خواص، سید احمد خاتمی، ص ۶۰

(۴۵)۔ حریم/۱۰

(۴۶)تحریم/۱۱

(۴۷)۔بقرہ/۲۵۸

(۴۸)۔انبیاء/۶۱

(۴۹)۔طہ/۹۱

(۵۰)۔زخرف/۵۱

(۵۱)۔ملک/۱۰

(۵۲)۔طہ/۵۱

(۵۳)۔بحار الانوار، ج ۱۳، ص ۲۰۷

(۵۴)۔میزان الحکمہ، محمد محمدی رے شہری، ج ۸، ص ۲۵۷-۲۵۸

(۵۵)۔بحار الانوار، ج ۵، ص ۸۱

(۵۶)۔یس/۲۱

(۵۷)۔نہج البلاغہ، حکمت ۱۴۷

ماہ رمضان کی تاریخی مناسبتیں

مولانا مرزا ظہیر عباس

پہلی رمضان المبارک

۱۔شیخ الرئیس ،ابوعلی حسین بن عبداللہ معروف بہ ''ابن سینا'' کی وفات پہلی رمضان سن ۴۲۸ ھجری قمری میں ہوئی ۔آپ کے والد کا نام عبداللہ تھا۔وہ شہر بلخ کے رہنے والے تھے ۔آپ کی والدہ کا نام ستارہ تھا جو شہر بخارا کی رہنے والی تھیں ۔ابوعلی سینا کی ولادت صفر کے مہینہ میں سن ۳۷۰ ہجری میں ہوئی ۔انہوں نے خراسان ،گرگان اور دوسرے شہروں کی مسافرت کے بعد شہر ھمدان میں سکونت اختیار کی ۔آپ کی علمی شہرت کی بنا پر طلاب حصول علم کے لئے دور دور سے ھمدان کی طرف جایا کرتے تھے جس کے نتیجہ میں مرکز فلسفہ اور طب بغداد سے ھمدان (ایران) منتقل ہوگیا۔

۲۔مروان ابن الحکم کی ہلاکت

۳۔مامون الرشید نے سن ۲۰۱ ھ ق میں حضرت امام رضاؑ کو ولی عہدی کے لئے نامزد کیا اور تمام اہل مملکت نے حضرتؑ کی بیعت کی ۔حقیقت یہ ہے کہ امین کی ہلاکت کے بعد مامون مطلق العنان خلیفہ بن گیا۔اس وقت ملک کے حالات کافی نازک تھے ۔بغداد امین کا دارالخلافہ تھا اور اہل بغداد امین کے وفادار اور مامون کے مخالف تھے ۔اس کے علاوہ بنی عباس کے خلاف علویوں کی شورش حکومت کو دہلائے ہوئے تھی ۔مامون کو یہ خوف تھا کہ ایرانی بھی علویوں کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہونگے اور مرو میں اسکی حکومت کا تختہ الٹ جائے گا۔مامون نے ان حالات پر قابو پانے کے لئے یہ سیاسی چال چلی کہ امام رضاؑ کو ولی عہدی سپرد کر کے علویوں کو راضی کر لے۔اس طرح ایرانی بھی ساتھ ہو جائیں گے اور آھستہ آھستہ امام کو اپنے رنگ میں رنگ کر ان کے دامن تقویٰ کو داغدار کر دے گا یا انہیں مخفیانہ قتل کر دے گا۔امام رضاؑ نے مجبوراً ولی عہدی تو قبول کر لی مگر مامون کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔آپ نے حکومتی امور

میں مداخلت سے انکار کر کے اپنے آپ کو مامون کی اس سیاسی چال سے محفوظ رکھا اور اس طرح اس کا منصوبہ ناکام ہوگیا۔

دوسری رمضان المبارک

بروز جمعہ سن ۹ ہجری میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔

تیسری رمضان المبارک

۱۔غزوہ تبوک: یہ جنگ سن نو ہجری میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان ہونے والی تھی۔قبل اس کے کہ ان کے درمیان جنگ شروع ہو صلح انجام پائی۔

۲۔شیخ مفید علیہ الرحمہ کی وفات:

آپ کی ولادت سن ۳۳۸ ہجری قمری میں ہوئی۔آپ شیخ مفید کے لقب کے ساتھ ساتھ ابن معلم کے لقب سے بھی معروف تھے۔آپ کا شمار شیعوں کے موثق ترین افراد میں ہوتا ہے۔آپ سید مرتضی اور سید رضی رحم اللہ علیہما کے استاد ہیں۔آپ کی مشہور کتابیں: الارشاد، الاختصاص، امامت امیر المومنین علیہ السلام، کشف الاسرار وغیرہ ہیں۔آپ کی وفات سن ۴۱۳ ھ ق میں ہوئی اور آپ کی نماز جنازہ سید مرتضیؒ نے پڑھائی، آپ کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے پایتیں اور آپ کے استاد ابو القاسم جعفر بن قولویہ قمی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

ساتویں رمضان المبارک

وفات جناب ابو طالبؑ:

آپ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کے والد محترم ہیں۔ جب تک آپ زندہ تھے کبھی بھی اپنے بھتیجے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی مصیبت آنے نہیں دی، مگر آپ کی اور جناب خدیجہؑ کی وفات کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مصیبتوں کا ہجوم شروع ہوگیا۔آپ کی وفات سن ۱۰ ابعثت کو ہوئی۔

نویں رمضان المبارک

۱۔آج کے دن کوفیوں کی طرف سے امام حسین علیہ السلام کی طرف ہزاروں خطوط روانہ کئے گئے:

کوفیوں کا امام حسین علیہ السلام سے تقاضا تھا کہ وہ عراق کی طرف چلے آئیں اور یزید سے جنگ کریں۔ کوفیوں نے امام حسین علیہ السلام سے وفاداری وعدہ کیا کہ ہم آپ کے منتظر ہیں، مگر اپنے قول پر باقی نہ رہے اور اسی سال ماہ محرم الحرام میں آپ ہی کے خلاف جنگ کے لئے کھڑے ہوگئے۔

۲۔ وہابیوں کا نجف اشرف پر حملہ:

وہابی مسلسل اسی طرح کئی مقامات مقدسہ پر حملہ کرتے رہے اور کئی شہروں کو نیست و نابود کیا، بے گناہ افراد کے موت کا سبب بنتے رہے۔

اسی دن جس دن نجف اشرف میں حملہ کیا گیا، دوسری طرف کربلا میں زائرین امام حسین علیہ السلام کو شہید اور ان کے اموال کو غارت کیا، بصرہ اور کربلا کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور ایسا ظلم ڈھایا کہ جس کی کوئی حد نہیں اور اپنے اس ظلم کو ''مشرکوں سے جہاد'' کا نام دے دیا۔

دسویں رمضان المبارک

وفات جناب خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام:

آپ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ آپ جب تک زندہ تھیں تمام مراحل میں، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاور و مددگار بنی رہیں۔ عورتوں میں سب سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والیں آپ ہی تھیں۔ آپ اپنے زمانے میں عربستان کی متمول خاتون تھیں جنہوں نے اسلام پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی اور جناب ابو طالبؑ کی وفات کے سال کو عام الحزن قرار دیا۔ آپ کو قبرستان ابو طالبؑ میں دفن کیا گیا۔

بارہویں رمضان المبارک

۱۔ عقد اخوت:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان عقد اخوت پڑھا تا کہ مسلمانوں کے آپسی اختلاف کو دور کیا جائے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار سے فرمایا: ''تم اللہ کے راستے میں میں ایک دوسرے کے بھائی ہو'' اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنا ہاتھ حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا: ''یہ میرے بھائی ہیں''۔

۲۔ سن ۲ ہجری قمری میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے۔

چودہویں رمضان المبارک

شہادت جناب مختار ثقفی:

جناب مختار ثقفی کا شمار معاویہ ابن ابوسفیان کی ہلاکت کے بعد کوفہ کے انقلابی رہبروں میں ہوتا ہے۔آپ نے سفیر امام حسینؑ جناب مسلم ابن عقیلؑ کی حمایت کی جس کے نتیجہ میں عبیداللہ ابن زیاد نے آپ کو زندان میں ڈال دیا۔قیام امام حسین بن علیؑ کے ایام میں آپ زندان میں تھے اور عبداللہ ابن عمر (جناب مختار کا بہنوئی) کی درخواست کی وجہ سے آپ کو زندان سے آزاد کیا گیا۔

جب یزید واصل جہنم ہوا تو آپ نے قاتلین امام حسینؑ کے خلاف کوفہ میں قیام کیا اور اکثر کوفیوں نے اس انقلاب میں آپ کا ساتھ دیا اور تمام قاتلین امام حسینؑ اور انکے مددگاروں کو ان کے اعمال کی سزا دی۔

آپ نے ۱۸ مہینے کوفہ اور کوفہ کے اطراف پر حکومت کی اور سرانجام رمضان المبارک سن ۶۷ ھ ق کو شہید کردئے گئے۔

پندرہویں رمضان المبارک

۱۔ولادت امام حسن مجتبیٰؑ:

آپ امیر المومنین علیؑ اور دختر رسول حضرت فاطمہ زہراؑ کے فرزند تھے۔۱۵/رمضان المبارک سن ۳ ھ ق میں ولادت ہوئی۔بچپن میں اپنے نانا رسول کی آغوش میں پرورش پائی اور آنحضرت نے تمام مسلمانوں کو ان کی محبت اور اطاعت کا حکم دیا اور ان کی امامت کی تصریح کی۔

سن ۴۰ ہجری قمری میں حضرت علیؑ نے وفات پائی تو امام حسنؑ پیشوائے خلق قرار پائے اور مسلمانوں نے بحیثیت حاکم کے آپ کی خلافت کو تسلیم کیا لیکن معاویہ بن ابی سفیان جو اس کے پہلے حضرت امام حسنؑ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی خونریزی بہت ہوگی اور اس فتنہ کا فرو ہونا اس وقت غیر ممکن ہے اس لئے آپ نے کچھ شرائط پر معاویہ کے ساتھ صلح کی اور ظاہری حکومت سے دستکش ہوکر کنارہ کشی اختیار کرلی۔

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امام حسن مجتبیٰؑ خدا کی جانب سے پیشوائے خلق تھے۔ظاہری حکومت سے آپکا کنارہ کش ہوجانا اسی طرح تھا جیسے پچیس برس تک حضرت امام علیؑ گوشہ نشینی میں بسر کرتے رہے۔

آپ کا صلح کرنا بالکل محل و موقع کے لحاظ سے صحیح تھا اور آپ نے حوحکم خدا تھا اس کے مطابق عمل کیا۔اس پر کسی طرح کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

آپ نے دس سال تک بالکل خاموشی کے ساتھ عبادت الٰہی اور تعلیم شریعت میں بسر کر کے ۲۸ صفر سن ۵۰ ھ ق کو ۴۷ سال کی عمر میں معاویہ کی سازش سے زہر دغا سے شہادت پائی۔

۲۔سفیر امام حسین علیہ السلام جناب مسلمؑ کی مکہ سے مدینہ روانگی:

کوفہ سے کئی ہزار خطوط امام حسین علیہ السلام کے نام آئے جس میں کوفیوں نے آپ سے درخواست کرتے ہوئے لکھا کہ آپ کوفہ تشریف لائیں اور یزید سے جنگ کر کے حکومت اسلامی قائم کریں۔کوفیوں کے اصرار پر امام حسین علیہ السلام نے جناب مسلم ابن عقیلؑ کو اپنا سفیر بنا کر کوفہ روانہ کیا۔کوفیوں نے ابتدا میں سفیر امام علیہ السلام کا بہت ساتھ دیا مگر عبیداللہ ابن زیاد کی دی ہوئی لالچ اور دھمکیوں کی وجہ سے آپ کو تنہا کوفے کی گلیوں میں چھوڑ دیا اور آخر کار آپ کو مظلومانہ طور پر شہید کر دیا گیا۔

سترہویں رمضان المبارک

۱۔غزوۂ بدر:

بدر ایک کنویں کا نام جس کے اطراف مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ جب جنگ تمام ہوگئی تو مشرکین کے تمام لاشوں کو اس کنویں میں ڈال دیا گیا۔یہ جنگ مسلمانوں کی کفار سے پہلی جنگ تھی۔

اس جنگ میں مشرکین اور کفار اسلحہ اور فوج کی تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں سے بہت زیادہ قوی تھے لشکر اسلام کے مقابل لشکر کفار تین برابر تھا۔اس جنگ میں اسلامی فوج کے سردار امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام، جناب حمزہ ابن عبدالمطلب علیہما السلام ،عبید بن الحارث بن عبدالمطلب علیہم تھے جنہوں نے مل کر کفار کے سات بڑے سردار ابوجہل ،ولید ،شیبہ ،عتبہ جیسے اور کئی پہلوانوں کو واصل جہنم کیا۔

مسلمانوں نے ستر کفار کو اسیر کیا اور ابوجہل کے سر کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے اور آپ نے اسی وقت سجدہ شکر ادا کیا۔

۲۔جناب عائشہ کا انتقال ہوا۔

انیسویں رمضان المبارک

۱۔شب ضربت:

خوارج کا ایک گروہ مکہ میں جمع ہوا اور جنگ نہروان کے قاتلین پر گریہ کرنے کے بعد ان میں سے

تین افراد نے یہ عہد کیا کہ ایک ہی رات میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام عمرو عاص اور معاویہ کو قتل کر دینگے۔

ابن ملجم نے حضرت امام علی علیہ السلام کے قتل کی ذمہ داری قبول کی اور شہر کوفہ میں داخل ہوا اور ایسی عورت جسکا باپ اور بھائی دونوں جنگ نہروان میں قتل کر دئے گئے عاشق ہوگیا جسکا نام قطام تھا۔ ابن ملجم نے اس سے شادی کی پیش کش کی تو قطام نے کہا: ”مجھے تین ہزار درھم، غلام، کنیز اور امام علی علیہ السلام کا قتل بطور مہر چاہئے“۔ قطام نے وردان ابن مجالد کو ابن ملجم کے اس کام میں مدد کے لئے ہمراہ کیا۔ قطام نے زہر آلود تلوار ابن ملجم کو دے کر خود انیسویں کی رات مسجد میں خیمہ ڈال کر بیٹھ گئیں۔

جب نماز فجر کا وقت ہوا حضرت علی علیہ السلام نے آواز دی ”یا ایھا الناس الصلاۃ“ ابن ملجم نے امام کے سر پر اس زہر آلودہ تلوار سے ضربت لگائی، امام علیہ السلام کا سر شگافتہ ہوا اور خون جاری ہوا۔ امام کی داڑھی جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سے خضاب نہیں ہوئی تھی آج خون سے خضاب ہوگئی۔

۲۔ شب قدر ہونے کا احتمال ہے اس لئے اعمال شب قدر اس میں بجالانا چاہئے۔

بیسویں رمضان المبارک

فتح مکہ:

چھٹی ہجری میں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ سے مقام حدیبیہ میں صلح نامہ پر دستخط کی جس میں ایک بات یہ طے پائی تھی کہ ہر قبیلہ قریش کے دو قبیلوں میں سے کسی ایک کے ساتھ سلمان عقد و پیمان باندھ سکتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں قبیلہ خزاعہ، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قبیلہ بنو بکر قریش سے عقد باندھا۔

۸ ہجری میں بنو بکر اور خزاعہ کے درمیان جنگ ہوئی قریش نے بنو بکر کی جنگ میں مدد کی، اس طرح قریش کی وجہ سے صلح حدیبیہ کی پیمان شکنی ہوئی اور قریش اپنے ہم پیمان افراد کے ساتھ جنگ پر اتر آئے۔ آخر کار مکہ معظمہ فتح ہوا اور امیر المومنین علیہ السلام نے دوش رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چڑھ کر بتوں کو توڑا۔

اکیسویں رمضان المبارک

۱۔ شہادت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام:

آپ کی ولادت ۳۰ عام الفیل ہجرت سے سال پہلے خانہ کعبہ میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم جناب ابو طالبؑ اور والدہ جناب فاطمہ بنت اسد ہیں۔ آپ کی زوجہ سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ علیہا السلام ہیں۔

آپ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار کی ضربت کے دو دن بعد شہید ہو گئے ۔اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی ۔

۲۔اس شب، شب قدر ہونے کا احتمال ہے ۔

۳۔شیخ حر عاملی رحم اللہ علیہ کی وفات :

آپ کی ولادت شب جمعہ رجب کا مہینہ سن ۱۰۳۳ ھق میں ہوئی ۔آپ کا سلسلہ نسب ۳۶ واسطوں سے جناب حر ابن ریاحی سے جا ملتا ہے ۔آپ کا شمار بہت بڑے محدثوں میں ہوتا ہے ۔آپ کی معروف ترین کتاب ''وسائل الشیعہ'' ہے ۔

آپ کی وفات ۲۱ رمضان المبارک سن ۱۱۰۴ ھق میں مشہد مقدس میں ہوئی اور آپ کو صحن امام رضا علیہ السلام کے حجرات میں سے ایک حجرہ میں دفن کیا گیا ۔

بائیسویں رمضان المبارک

آسمانی مقدس کتاب انجیل، جناب عیسی علیہ السلام پر نازل ہوئی ۔

تیئسویں رمضان المبارک

۱۔حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل ہوئی :

۲۔اس شب اعمال شب قدر بجالانے کی زیادہ تاکید ہے کیونکہ اس میں شب قدر ہونے کا احتمال زیادہ قوی ہے ۔

پچیسویں رمضان المبارک

جنگ نہروان :

منافقین جو حضرت علی علیہ السلام کی عادلانہ حکومت کو تحمل نہیں کر پا رہے تھے درحالیکہ وہ سب جنگ جمل، صفین میں آپ کے ہمراہ تھے لیکن معاویہ اور عمرو عاص کی نیرنگی کی وجہ سے امام علیہ السلام کے مقابل میں آ کھڑے ہوئے ۔

منافقین کا یہ گروہ (جو کہ تاریخ میں مارقین کے نام سے معروف ہیں) جنگ صفین کے بعد ہمیشہ کسی بہانہ کی تلاش میں تھے کہ حضرت امام علی علیہ السلام کے مقابلہ میں کھڑے ہو جائے اسی لئے انہوں نے ہزار افراد کو تیار کیا جسمیں سے امام علیہ السلام کی نصیحت کی وجہ سے دو تہائی فوج جنگ کرنے سے باز آ گئی مگر بقیہ ایک تہائی فوج شدت کے

ساتھ جنگ کے لئے آمادہ تھی ۔اس جنگ میں صرف افراد کے علاوہ سارے مارقین مارے گئے ۔

ستائیسویں رمضان المبارک

علامہ مجلسیؒ کی وفات:

آپ کی ولادت سن ۱۰۳۷ ھ ق اصفہان کے ایک علمی خاندان میں ہوئی۔آپ کے والد کا نام ملا محمد تقی مجلسی (۱۰۰۳-۱۰۷۰ھ ق) ہے جو مجلسی اول سے مشہور ہیں۔آپ کے اساتذہ میں ملا صالح مازندرانی ،فیض کاشانی جیسی مشہور شخصیتوں کا نام لیا جاسکتا ہے۔آپ کی مشہور و معروف کتاب کا نام "بحارالانوار" ہے جس کا شمار دائرۃ المعارف شیعہ میں ہوتا ہے۔

آپ کی وفات سن ۱۱۱۰ ھ ق میں ہوئی۔

انتیسویں رمضان المبارک

جنگ حنین:

فتح مکہ کے بعد رسول خدا ﷺ تقریباً دو ہفتوں تک وہیں پر رہے اور یہ اعلان کیا کہ اگر کسی کے گھر میں کوئی بت ہو تو اسکو توڑ دیں ۔اسی اثناء میں رسول خدا ﷺ کو یہ خبر ملی کہ بنی ھلال کا ایک گروہ مالک بن عوف نصری کی فرماندھی میں مکہ پر حملہ کرنے والا ہے۔

حضرت رسول خدا ﷺ نے دشمنوں کو حملہ کرنے کا موقع نہیں دیا اور بارہ ہزار (جسمیں سے دس ہزار سپاہی مدینہ کے تھے جو حضرت رسول خدا ﷺ کے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار سپاہی تازہ مسلمان تھے) کی فوج کو لیکر دشمن پر حملہ کیا جس کے نتیجہ میں اسلام کی پھر ایک مرتبہ جیت ہوئی اور دشمنان اسلام کا منہ کالا ہوا۔

منابع:

۱۔صحیفۃ الاعمال ،سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی قمی صاحبؒ۔

۲۔آشنائی با جوامع حدیثی شیعہ و اھل سنت ،ڈاکٹر علی نصیری۔

۳۔تاریخ اسلام (از جاہلیت تا رحلت پیامبر اسلامؐ)،مھدی پیشوائی۔

۴۔مجلہ مبلغان شمارہ ،مقالہ: مناسبت ھای ماہ رمضان ،با ہمکاری روابط عمومی دفتر تبلیغات اسلامی۔

۵۔مجلہ مبلغان شمارہ ،مقالہ: تقویم ماہ مبارک رمضان۔

❀❀❀

حضرت خدیجہ علیہا السلام کی زندگی کا مختصر جائزہ

حجۃ الاسلام مولانا سید اعجاز مہدی رضوی سیتاپوری

حضرت خدیجہ علیہا السلام کا حسب ونسب ماں باپ دونوں کے اعتبار سے قریش سے ملتا ہے اگر باپ خویلد بن اسد جیسا مرد جری اور شریف تو ماں فاطمہ بنت زائدہ ابن اصم جیسی پاک خاتون ہیں ۔آپ کے آباء و اجداد کا سلسلہ نسب لوی بن غالب بن فہر تک پہنچتا ہے اور یہ سارے مورخین کا اعتراف ،اتفاق واتحاد ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کا تعلق ایسے نجیب وشریف خاندان سے ہے جو حسب ونسب اور شرافت و دیانت اور حسن عدالت کے لحاظ سے جزیرۃ العرب کے بے مثال لوگ ہیں آپ کے دادا جناب اسد حلف الفضول نامی عہد و پیمان کے ایک رکن تھے یہ عہد و پیمان عرب میں ہونے والے مظالم ،مظلوموں اور بے سہارا لوگوں پر ہونے والے ظلم وستم کے سد باب ،نا چار و مجبور انسانوں کی مدد اور انکے لئے بہترین امکانات مہیہ کرنے اور عدل وانصاف ،رحم وکرم ،لطف ومہربانی قائم کرنے کے لئے کیا گیا تھا یہ بلند افکار اور عزم وحوصلہ کسی ایسی نسل ہی میں پایا جاتا ہے جو پاک طینت ، نیک عادت اور حسن سیرت کا مالک ہوتا ہے اس لئے اسلام سے پہلے جناب اسد فکر اسلام رکھتے تھے۔

اسلام سے ہی پہلے حضرت خدیجہ علیہا السلام سیدہ قریش ،ملکۃ العرب ،ملکۃ البطحا ، طاہرہ ، مبارکہ ، جیسے القاب سے مشہور تھیں اور آپ کو یتیموں ،مسکینوں ،ناداروں ،فقیروں ، حاجتمندوں ،اور بیواؤں کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا یہ وہ دور تھا جب باپ اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے دو وقت کی روٹی اور اسکی زندگی کے لئے لباس اور ضرورت کا سامان مہیا نہیں کر سکتا تھا عورتیں اپنے شوہروں کے قتل ہو جانے یا مر جانے پر بے سہارا اور مجبور رہ جاتی تھیں رنج والم ،مصیبت اور دکھ درد کی داستان حضرت خدیجہ علیہا السلام کو سناتی تھیں اس وقت حضرت خدیجہ علیہا السلام ان کے یتیم بچوں پر دست شفقت پھیرتیں ،ان کی حاجتوں کو پورا کرتیں اور ان کے زخم کا مرہم بن جاتی تھیں اس لئے بے سہارا لوگوں اور بیواوں کا سہارا حضرت خدیجہ علیہا السلام کی ذات والا ہے آپ اپنے رحم وکرم ، دولت وثروت ،لطف ومہربانی ،عنایت و برکت میں بے مثال خاتون تھیں ۔اس لئے اسلام سے پہلے آپ کو "مادر یتیم" اور اسلام کے بعد "مادر امت" کہا جاتا ہے ۔(۱)

صبح و شام یتیموں، بے سہارا لوگوں اور بیواؤں پر اپنی برکتوں اور عنایتوں کی بارش کرنا "مادر یتیم" کا معمول تھا اور اسلام کے بعد اپنی پوری دولت اسلام پر فدا کرنا، حامی نبوت، حافظ شریعت بن کر رہنا حضرت خدیجہؑ کمال عبودیت کی دلیل ہے اس لئے حضرت خدیجہؑ کی مہربانی اور ان کے حسن انفاق کا تذکرہ عرب کے ہر خاص و عام میں شہرت رکھتا ہے۔خاتون جنت، مادر امت، صاحب عزت و شرافت، حامی نبوت، ملکۃ العرب حضرت خدیجہؑ بعثت سے ۵۵ سال پہلے دنیا میں تشریف لاتی ہیں، بعثت سے ۱۵ سال پہلے رفاقت نبوت کا شرف پاتی ہیں اور چالیس سال کی عمر میں حضرت رسول اکرم ﷺ سے عقد نکاح کرتی ہیں اور یہ تاریخ کی ستم ظریفی اور مورخین کی غلط بیانی ہے کہ جو ایسی صاحب کمال شخصیت کو دوسری یا تیسری شادی سے باندھ دیتی ہے یا تاریخ نویسوں کا مشغلہ ہی یہی ہے کہ وہ با شخصیت اور صاحب کمال انسان کا تذکرہ مٹا دیا کرتے ہیں، یا اسکی عظمت کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں ت گرچہ تاریخ میں جناب خدیجہؑ کی اولاد کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور ان کے شوہروں کے عنوان سے ابو ہالہ بن بناش اور عتیق بن عائد جیسے افراد کا نام لکھا جاتا ہے جبکہ صحیح روایت، حسن درایت، اور عقل و عدالت کی روشنی میں حضرت خدیجہؑ کی یہ پہلی شادی تھی اور حضرت رسول خدا ﷺ کا یہ پہلا عقد تھا اور آپ کے بطن مبارک سے دو پاک و پاکیزہ اولاد ہیں ایک حضرت فاطمہ زہراؑ دوسرے حضرت قاسمؑ کہ جنکی وجہ سے حضرت رسول اکرم ﷺ کو "ابوالقاسم" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نسل نبوت ہو یا نسل امامت، ہمیشہ پاک ارحام اور طیب و طاہر آغوش میں تربیت پاتی ہے، وہ اخلاقی فضائل و کمالات، پاکیزہ کردار و عادات سے مالا مال ہوتی ہیں اس لئے جناب خدیجہؑ کو طاہرہ، صدیقہ، مرضیہ، زکیہ، کبریٰ، شاحجہ، فاضلہ، کاملہ اور عفیفہ جیسے القاب ہیں اور امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ آپ کی شان میں مدح و ثنا کرتے ہوئے اپنے اشعار اس طرح نظم کرتے ہیں:

وسید النسوان اول من صلی   مھذبۃ قد طیب اللہ خیمھا

مبارکۃ واللہ ساق لھا الفضلاء   نبت اقاسی منھا الھم والثکلا (۲)

"خواتین کی سردار جو پہلی نماز گزار ہے ایسی پاکدامن کہ خدا نے اسکی طینت اور خصلت کو پاک بنایا ہے
ایسی بابرکت ذات جس کے لئے خدا نے ساری برتری کو نچھاور کر دیا۔"

اسی طرح سخاوت، کرامت، ایثار، فداکاری، عفت، پاکدامنی، دوراندیشی، درایت، عطوفت و مہربانی، صبر و استقامت جیسے پسندیدہ صفات کو تاریخ کے سنہرے اوراق پر نظم و ضبط اور تحریر کیا گیا ہے۔کتب تاریخ اور مجامع احادیث

میں ہے کہ جنت کی خواتین میں ایک بہترین خاتون حضرت خدیجہ علیہا السلام ہیں۔حضرت خدیجہ علیہا السلام علمی کمالات اور اخلاقی صفات کا معجزہ ہیں جن کے پاس آسمانی کتابوں کے علوم کا پُر رونق خزانہ اور معلومات کا ذخیرہ تھا جس سے نہ صرف اس دور کی خواتین محروم تھیں بلکہ اس وقت کے جلیل القدر افراد قاصر و عاجز اور ناتوان تھے اور حضرت خدیجہ علیہا السلام سب پر برتری رکھتی تھیں۔انسانی کمالات کی معراج حضرت خدیجہ علیہا السلام ایام جاہلیت میں بھی مکمل خاتون کا درجہ اور مقام رکھتی ہیں،جنہوں نے فکر نبوت اور روح رسالت کو اپنی نگاہ بصیرت سے پرکھا، دیکھا اور اطاعت کی جس عورت کو جس زمانے میں ننگ و عار سمجھا جاتا، ذلت اور رسوائی کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور ایک منحوس وجود تصور کیا جاتا تھا اس دور مین حضرت خدیجہؑ نے اپنے شائستہ اعمال اور نیک کردار کے ذریعہ وہ درجہ دیا کہ خدا نے آپ پر اپنا سلام بھجوایا جیسا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب شب معراج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیلؑ سے پوچھا کیا کوئی حاجت ہے؟ تو جناب جبرائیلؑ نے فرمایا: آپ خدا اور ہماری جانب سے حضرت خدیجہ علیہا السلام کو سلام پہنچا دیجئے۔(۳)

حضرت خدیجہ علیہا السلام قرآن مجید کے مطابق تمام مومنین کی روحانی ماں ہیں۔اس کے علاوہ حضرت رسول اکرم کی باوقار،عظیم اور عزیز بیوی اور سید النسا العالمین فاطمہ زہرا علیہا السلام کی ماں ہیں لیکن ام المومنین حضرت خدیجہ علیہا السلام کا تذکرہ تاریخ میں صرف اس لئے کمرنگ کر دیا گیا کیونکہ وہ ابناء امام علی علیہ السلام کی نانی تھیں مگر معصوم اماموں نے ایسی بابرکت ماں پر ہمیشہ افتخار کیا ہے۔

جیسا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے منحس دربار میں مناظرہ کے وقت معاویہ سے خطاب کیا کہ محور حق سے انحراف اور اخلاقی فضائل،سعادت اور خوشبختی سے انحطاط و پستی کی ایک علت اور سبب تیری ماں ''ہندہ'' اور نانی ''نثیلہ'' ہے کہ تو نے ہندہ اور نثیلہ جیسی عورت کی آغوش میں پرورش اور تربیت پائی ہے اسی لئے یہ برے اعمال تجھ سے سرزد ہوتے ہیں جبکہ ہماری تربیت ایک نیک اور پاکیزہ گھرانے میں ہوئی اور ہم پاک ماؤں کی آغوش میں تربیت پائی ہے ہمارے پاس حضرت خدیجہ علیہا السلام جیسی نانی اور سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ علیہا السلام جیسی ماں ہے۔(۴)

نیک صفات و برکات

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں دنیا کی سب سے بہترین عورتیں جناب مریم علیہا السلام، جناب آسیہ علیہا السلام بنت مزاحم علیہا السلام، حضرت خدیجہ علیہا السلام اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام ہیں۔(۵) یہ مرتبہ اور یہ مقام کوئی کم نہیں ہے کہ آپ دنیا و آخرت دونوں جہاں میں خاتون جنت ہیں،کل ایمان، حافظ نبوت و امامت حضرت ابو طالب علیہ السلام نے حضرت خدیجہ علیہا السلام کی مدح و ثنا کا کلمہ پڑھا اور اس وقت صفات و کمالات اور برکات کا تذکرہ کیا جب عصر جاہلیت اور بیدینی کا ماحول تھا

" إن خديجة امراة كاملة ميمونة ، فاضلة تخشى العارو تحذر الشنار" (۶)

"بے شک حضرت خدیجہ علیہا السلام ایک کامل برکت اور صاحب فضیلت خاتون ہیں اور آپ کی شخصیت ہر قسم کے نقص و عیب اور بدنامی سے پاک ومبرہ ہے۔"

بعض مؤرخین نے انصاف سے کام لیا اور آپ کے اعلیٰ صفات اور بلند کمالات کو یوں رقم کیا ہے:

"كانت خديجة امراة عاقلة شريفة مع ما اراد الله بها من الكرامة والنحر و هي يومئذ افضلهم و اعظمهم شرفا و اكثرهم مالاً" (۷)

"حضرت خدیجہ علیہا السلام ایک ہوشمند اور شرافت مند خاتون ہیں اسکے ساتھ ساتھ اللہ نے خیر وسعادت اور برکت وکرامت کا ارادہ کیا ہے اسلئے شرافت وعظمت اور نیک طینتی میں آپ بے مثال حسب ونسب میں سب سے افضل، شرافت میں سب سے برتر اور مال ودولت کے اعتبار سے ملکۃ العرب ہیں۔"

حضرت خدیجہ علیہا السلام نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری صورت کو نہیں بلکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی سیرت کا مشاہدہ کیا اور جب انسان کسی پاکیزہ ملکوتی وجود کو محسوس کرتا ہے تو مال ومتاع، دولت وثروت، دنیا کی ساری زرق وبرق راہ خدا میں قربان کر دیتا ہے حضرت خدیجہ علیہا السلام نے اپنا مقصد، نفع اور فائدہ نہیں دیکھا بلکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقصد یعنی تبلیغ اسلام کے پیش نظر آپ رفیقہ حیات سے زیادہ رفیقہ مقصد بن گئیں اور یہ تاریخ کی کوتاہ فکری ہے کہ تاریخ لکھنے والے نے آپ کے بجائے کسی اور کو "مادر ملت" کے عنوان سے پیش کر دیا۔ جبکہ اپنی کتابوں میں صاف صاف، صراحت سے ذکر اور اعتراف کرتے ہیں کہ چار عورتیں ساری عورتوں سے افضل ہیں اور آپ جنت کی بہترین خواتین میں سے ہیں اس کے باوجود مادر امت کا لقب ایک ہی شخصیت سے جوڑ دیا گیا جبکہ خود جناب عائشہ نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی گھر سے باہر نکلتے، حضرت خدیجہ علیہا السلام کو یاد فرماتے، اور اکثر ان کی تعریف کرتے ہیں اور مدح وثنا کرتے اور جب میں ان سے یہ کہتی کہ اس بوڑھی کی یاد میں کیا رکھا ہے خدا نے آپ کو اس سے بہتر عطا کیا ہے تو آپ ناراض ہو جاتے اور آپ کے جسم مبارک کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور پھر آپ یوں فرماتے کہ خدا کی قسم حضرت خدیجہ علیہا السلام سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا حضرت خدیجہ علیہا السلام اس وقت ایمان لائیں جب سب لوگ کافر تھے اس وقت میری نبوت ورسالت اور صداقت کا کلمہ پڑھا جب سب مجھے جھٹلا رہے تھے اور اپنی دولت وثروت کو تب میرے اختیار میں دیا جب دوسرے مجھے محروم کرتے تھے جس زمانے میں کسی خاتون کی توجہ مجھ پر نہیں تھی اس نے مجھ سے نکاح کیا اور اسی کے بطن سے مجھے اولاد میسر ہوئی۔ (۸)

خدا کے نزدیک حضرت خدیجہؑ کی منزلت

ازواج میں سب سے بلند درجہ خاتون ام المومنین حضرت خدیجہؑ ہیں۔آپ میں جو صفات حمیدہ ہی جیسے ایثار، ہمدردی، عطوفت مہربانی اور یتیموں کی دلنوازی وغیرہ ان صفات کا پایا جانا عام انسانی قانون کے مطابق ہے لیکن صفات میں یکے بعد دیگرے زیادہ پرکمال مظاہرہ تو ارث صفات کی وہ اعلیٰ منزل ہے جو چودہ معصومینؑ کی واحد تاریخی خصوصیت ہے۔اگر حضرت خدیجہؑ نے اسلام کی آبیاری اپنی دولت، پیسے اور بہترین کردار سے کی تو نے اسی شجرا سلام کو اپنے خون سے سینچا، حضرت خدیجہؑ نے سرمایہ صرف کیا۔اولا د حضرت خدیجہؑ نے سرمایہ حیات صرف کیا یہ ایثاروقربانی کا نتیجہ ہے کہ پروردگار نے متعدد مقام پر مختلف طریقوں سے حضرت خدیجہؑ کے مقام ومنزلت سے آگاہ کیا ہے۔

راوی کہتا ہے حضرت جبرائیلؑ حضرت رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا:

هذه خديجة قداتتک معها انا مغطی فيه ادام اوطعام او شرب فاذا هي اتتک فاقرا عليهاالسلام من ربها و مني السلام (۹)

''یہ خدیجہ ہیں جو آپ کے پاس بند برتن میں کھانے پینے کا سامان لے کر آرہی ہیں ان کو ان کے رب کا اور میرا سلام پہنچا دیجئے۔''

خدا کی یہ خاص عنایت اس رابطہ، اور تقرب کی وجہ سے ہے جو خدیجہؑ کو خدا کی بارگاہ میں حاصل تھا۔اسی بناء پر اپنا سلام بھیجتا ہے اور جبرائیلؑ جیسا لطیف فرشتہ ان پر ناز کرتا ہے اور جنت کی بشارت دیتا ہے۔وہ نبی جو رحمۃ للعالمین ہے اس عظیم ذات کو خدیجہؑ دل و جان سے زیادہ عزیز تھیں۔خدا کی رحمت اور قربت کا ایک بہترین نمونہ یہ بھی ہے کہ وضع حمل کے وقت جب بنی ہاشم اور قریش کی عورتوں نے مدد کرنے سے انکار کردیا اور طعنہ دیا کہ تم ہماری بات کو نہیں مانا یتیم محمد سے شادی کرلی۔اس وقت اللہ نے بنی ہاشم جیسی چار عورتوں کو حاضر کیا، حضرت خدیجہؑ کو اللہ نے آپکی نصرت کے لئے بھیجا ہے ہم آپ کی مونس و غمخوار بہنیں ہیں آپ کی مددگار اور دل کا سکون ہیں یہ سارہ وہ آسیہ، مریم اور یہ حضرت موسیٰؑ کی بہن کلثوم ہیں۔(۱۰)

تاریخ شاہد ہے یہ وہ خواتین ہیں جنھوں نے رہبر، پیشوا اور نبی کی نبوت کو بچایا اور انکی جان کی حفاظت میں سعی پیہم کرتی رہی ہیں اور نبی کی پرورش وتربیت میں ساتھ دیا ہے آج حضرت خدیجہؑ کے لئے گیارہ نسل امامت کی محافظ وناصر بن کر آئیں ہیں اور سیدۃ النساء سرچشمۂ امامت وہدایت حضرت فاطمہ زہراؑ کی ولادت باسعادت میں مددگار ہیں۔

حضرت خدیجہ علیہا السلام کا یہ رتبہ اللہ کی خاص عنایت ہے اور جب حضرت خدیجہ علیہا السلام صرف اللہ اور اسکے رسول کی خادمہ کی حیثیت رکھتی ہیں تو اللہ ان کو اپنے خاص اہتمام سے بلاتا ہے جب احتضار کا وقت آتا ہے تو حضرت خدیجہ علیہا السلام کے لئے جنت سے کفن بھیجتا ہے جناب خدیجہؑ اسماء بنت عمیس سے وصیت کرتی ہیں کہ اے اسماء بنت عمیس ہماری فاطمہ کا خیال رکھنا مجھے رسول کے کسی لباس کے ساتھ دفن کرنا خدیجہؑ کی ان باتوں سے پیغمبر کی آنکھ سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں رسول کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر جبرئیلؑ نے خبر دی اے رسول، خدا نے جنت سے حضرت خدیجہ علیہا السلام کے لئے خاص کفن بھیجا ہے۔(۱۱)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک حضرت خدیجہ علیہا السلام کی عظمت

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی وحی آنے سے پہلے جس طرح حضرت خدیجہ علیہا السلام کا ادب واحترام کرتے تھے وحی آنے کے بعد بھی اسی طرح پاس ولحاظ کرتے جس طرح اس معزز اور باشرف خاتون کا حق تھا اور کبھی بھی حضرت خدیجہ علیہا السلام کی مخالفت نہیں کی، جس طرح خدیجہ نے کبھی رسول کی کسی بات کی مخالفت نہیں کی بلکہ جب تک زندہ رہیں عظمت وجلالت کا کلمہ پڑھتے اور ہمیشہ ذکر خیر کرتے اور جب آپ دنیا سے چلی گئیں تو بے حد یاد فرماتے اور یہ فقرے دہراتے کہ خدیجہؑ میرے بچوں کی ماں ہے۔

یہ بہت بڑی بات ہے کیونکہ جس مقدس بی بی سے صاحب کرامت اور معصوم بچے دنیا میں آئے اسکی عصمت کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو عصمت کے راز ورموز سے واقف ہوتا ہے بلکہ جب تک اسکی پاک نسل باقی رہتی ہے اسکا نام اور اسکی یاد باقی رہتی ہے اور یہ سلسلہ امامت حضرت خدیجہ علیہا السلام کا لطف وکرم ہے۔

اس لئے جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ علیہا السلام کو زیادہ یاد کرتے اور گریہ فرماتے تو عایشہ سے نہیں رہا جاتا اور وہ یہ کہہ دیتی کہ اللہ نے آپ کو بوڑھی عورت کے عوض جوان دوشیزہ دی ہے آپ مجھے اپنا حال دل سنایئے، راز و نیاز کی باتیں کیجئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر غیض وغضب کے آثار نمودار دیکھ کر عایشہ فورا کہہ دیتی کہ مجھے معاف کیجئے آئندہ کبھی حضرت خدیجہ علیہا السلام کی برائی نہیں کرونگی تاریخ کہتی ہے اتنا اقرار اور اعتراف تو عایشہ کو تھا کہ ازواج رسول میں جتنا مجھے حضرت خدیجہ علیہا السلام سے حسد تھا کسی اور سے نہیں تھا جبکہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ اگر عایشہ کی سمجھ میں یہ آجاتا کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں اور ۲۵ سال رسول کے ہمراہ رہی ہیں اور رسول نے انکی زندگی میں خیر ہی دیکھا ہے ہمیشہ اسلام کے لئے خدمت کی ہے عورتوں کا جہاد گھر ہے گھر کے باہر جہاد نہیں کیا ہے تو وہ بھی اس مقدس بی بی کو عظمت ومنزلت سے یاد فرماتیں اور حضرت خدیجہ علیہا السلام میں کوئی تو خوبی

ضرور تھی کہ سرور کائنات حضرت ختمی مرتبت رسول رحمت آپ کو ہمیشہ یاد کرتے ہیں اور اپنی دلی محبت اور انسیت کا اظہار اشعار کی صورت پیش کرتے ہیں:

فلوانني امشيت في كل نعمة — و دامت لي الدنيا و ملك الاكابرة

فماسويت عندي جناح بعوضه — اذا لم يكن عيني لعينك ناظرة (۱۲)

اگر دنیا کی تمام نعمت، بادشاہوں کی سلطنت اور انکے ملک ہمیشہ ہمارے پاس رہیں تو ہماری نگاہ میں خدیجہ کی محبت اور انکی نگاہ بصیرت کے سامنے مچھر کے پر کے برابر بھی اسکی اہمیت نہیں ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک حضرت خدیجہ علیہا السلام کی اہمیت اور عظمت، دنیا کی نعمت، بادشاہوں کی سلطنت اوران کے کاخ ومحل سے زیادہ ہے۔خدیجہ کی پاک محبت اور انکی ایک نگاہ رسول کی آنکھوں کی چمک اور دل کا سکون ہے اور یہی کردار خدیجہ کا ہے کہ دنیا کی ساری دولت کچھ نہیں نبوت اور رسالت کی حفاظت سب کچھ ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام نے اپنی ذاتی خواہش، نجی مسائل کو بھی رسول کے سامنے نہیں رکھا اور ہر بات ہر کلام کو نہایت ادب و احترام سے پیش کیا، گھر کی مشقت اور مشکلات کو تحمل کیا، خاندان اور گھر کی راحت وسکون تو ہر کوئی چاہتا ہے اور جو شخص گھر کے باہر تمام مسائل ومشکلات اور گرفتاری سے روبرو ہوتا ہے رزق حلال کی خاطر ناروا تہمتیں اور اذیتیں برداشت کرتا ہے گھر کے اندر سکون وراحت چاہتا ہے ایک بہترین سہارا جس سے اپنے دل کی ساری باتیں کہنا چاہتا ہے دکھ درد، اور غم بانٹنا چاہتا ہے اور اس طرح وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتا ہے۔رسول خدا کے لئے حضرت خدیجہ علیہا السلام کا کردار ایسا ہی ہے۔جب مشرکین مکہ توہین آمیز باتیں سناتے، اپنے برے اعمال کے ذریعہ رسول پاک کے قلب مطہر کو محزون و مغموم بناتے تو حضرت خدیجہ علیہا السلام کا پرمحبت چہرہ رسول کے قلب سے سارے غم بھلا دیتا اور وہ یہ فرماتیں کہ ہم آپ کی ساری باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔اوراس طرح قلب پیغمبر روحانی قوت سے مالامال ہوجاتا اور حضرت خدیجہ علیہا السلام کی عظمت وجلالت کے درجات میں اضافہ ہوتا رہتا۔

جہاں تاریخ میں حضرت خدیجہ علیہا السلام کی نسبت عایشہ کا حسد تحریر کیا جاتا ہے وہیں عایشہ کی نگاہ میں حضرت خدیجہ علیہا السلام کی تعریف اور عظمت کا ہلکا سا اقرار بھی ملتا ہے اہل سنت کی مشہور کتاب ''الاستیعاب'' میں یہ روایت عایشہ سے نقل ہے کہ دنیا کی بہترین عورتیں چار ہیں جناب مریم علیہا السلام، جناب آسیہ علیہا السلام، حضرت خدیجہ علیہا السلام، حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام، اور خود عایشہ کا نام نہیں ہے۔(۱۳)

دوسری روایت عروۃ سے نقل ہے کہ عایشہ نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے کہا تمہیں بشارت دیتی ہوں دنیا کی بہترین عورتیں چار ہیں (۱۴) مریم بنت عمران، آسیہ بنت مزاحم، حضرت خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد علیہا السلام، یہاں بھی صراحتا چار باعظمت خواتین کا تذکرہ ہے اور عایشہ کا ذکر نہیں ہے۔عام طور سے عورتوں میں سوتن کی نسبت حسد وجلن کا رواج زیادہ ہے اور یہ ایک فطری عمل ہے اور یہ بات تب ہے جب سوتن کا وجود ہوتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام شادیاں حضرت خدیجہ علیہا السلام کے بعد کی ہیں دوسرے حسد کی علت حسن کمال ہے شوہر اپنی بیوی سے اس وقت شدید محبت کرتا ہے جب بیوی میں حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت ہوتی ہے، اسکی گفتگو اور بات چیت سے حکمت کے پھول جھڑتے ہیں شوہر اس کے وجود سے اپنے وجود میں سرور محسوس کرتا ہے اگر بیوی میں ایسے صفات وکمالات پائے جاتے ہیں تو شوہر ہمیشہ عزت وشرف دیتا ہے اور احترام کرتا ہے اور ایسی زوجیت پر فخر کرتا ہے، اور ہمیشہ اسے یاد کرتا ہے۔اور یہ حسن وکمال جناب خدیجہ علیہا السلام کی ذات والا میں بدرجہ اتم تھا۔زوجیت رسول تو ایک رشتہ ہے جس میں اہل اور نااہل دونوں وابستہ ہیں جناب نوح علیہ السلام اور جناب لوط علیہ السلام اللہ کے مقرب بندے اور اسکے نبی ہیں لیکن انکی بیویاں نافرمان ہیں۔جناب سارہ اور جناب ہاجرہ دونوں بیک وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیویاں ہیں۔دونوں سے باعظمت اولادیں ایک جناب اسماعیل علیہ السلام ایک جناب اسحاق علیہ السلام اور دونوں نبی ہیں اور جناب سارہ و ہاجرہ علیہما السلام دوفرماں بردار بیویاں ہیں قرآن مجید نے اس تصویر کو دونوں رخ سے پیش کیا ہے اس لئے جہاں زوجیت رسول ایک رشتہ ہے وہاں زوجیت رسول ایک شرف بھی ہے اور شریک حیات میں ایسے صفات وکمالات نبی کے شایان شان ہوں اور ازواج نبی نے سعی وکوشش سے ان کمالات کو حاصل کیا اور اپنے وقار کو بلند کیا ہوتا رخ میں ہر ایک بیوی کے کردار کا پرچم اتنا ہی بلند ہے جتنا انھوں نے اپنی زندگی میں بلند کیا ہے خدیجہ اُس بلند درجات اور عالی صفات کا نام ہے جو معراج نبوت و رسالت اور سراج زوجیت ہے جس کو رسول کی زوجیت پر ناز نہیں بلکہ زوجیت کو جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا پر ناز ہے اور جناب خدیجہ علیہا السلام کو تو شرف زوجیت بعد میں ملا شرف تربیت اسلام پہلے ملا ہے۔

عرفان اور تجارت

عقد رسول سے پہلے جناب خدیجہ علیہا السلام ملیکۃ العرب ہیں عربی غرور ساری دنیا کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہے اور سارے عرب میں قریش کی فضیلت مسلم ہے اور قریش میں جناب خدیجہ علیہا السلام ملیکۃ العرب ہیں یعنی عربی ہمالیہ کی دو بلندترین چوٹیاں ایک شیخ بطحا جناب ابو طالب علیہ السلام دوسری جناب خدیجہ علیہا السلام، اس عزت وشرف کے علاوہ دولت وثروت میں بھی اپنا نظیر نہیں رکھتی ہیں آج سے چودہ سو سال پہلے کی دنیا میں جب ذرائع آمد ورفت اور وسائل حمل ونقل بیحد محدود اور غیر

ترقی یافتہ تھے اس وقت بھی مکہ میں مقیم جناب خدیجہ علیہا السلام کی تجارت نہ صرف عربی حدود میں پھیلی ہوئی تھی بلکہ عرب سے باہر دوسرے ملکوں تک ان کا سلسلہ تجارت پہنچا ہوا تھا دنیا جب قومیت میں محدود تھی جناب جناب خدیجہ علیہا السلام کی تجارت اس وقت بین الاقوامی تھی۔

واقدی کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کثرت دولت اور شرافت کی ملکہ ہیں اور اپنی تجارت کے مال کو شام روانہ کرتی تھیں اور جتنا تمام قریش کے کاروان ہوتے اتنا حضرت خدیجہ علیہا السلام کا ایک کارواں ہوتا، اور اسّی ہزار اونٹوں پر تجارت کا مال جاتا تھا۔(۱۵)

بعثت کے چھٹے سال جب قریش نے رسول خدا اور بنی ہاشم کا شعب ابو طالب علیہ السلام میں اقتصادی اور اجتماعی محاصرہ کیا تو حضرت خدیجہ علیہا السلام نے خدمات انجام دیں اور تین سال اقتصادی پابندی کا اثر نہیں رہنے دیا جبکہ قریش نے اپنے اثر و رسوخ اور اموال سے زیادہ فائدہ اٹھایا لیکن حضرت خدیجہ علیہا السلام کی دولت اسلام کی ہر مشکل پر ابر رحمت بن کر برسی۔(۱۶)

بلاذری کہتے ہیں حضرت عباس بن عبدالمطلب شعب ابو طالب سے باہر نکلتا کہ تھوڑا سا طعام اور سامان خریدیں لیکن ابو جہل نے روک لیا حضرت خدیجہ نے زمعہ بن اسود کا سہارا لیا زمعہ نے ابو جہل کو منع کیا تو ابو جہل نے اپنے کام سے ہاتھ اٹھالیا۔ کبھی کبھی حکیم بن حزام ابن خویلد حضرت خدیجہ علیہا السلام کے بھتیجے اونٹ پر سامان لادتے اور شعب ابو طالب پہنچا جاتے تھے۔(۱۷)

حضرت خدیجہ علیہا السلام نے اپنے مال و متاع کو شادی کے بعد اسلام پر فدا کر دیا جیسا کہ رسول خدا فرماتے ہیں: ما نفعنی مالٌ قط ما نفعنی مال خدیجۃ(۱۸) جس طرح حضرت خدیجہ علیہا السلام کے اموال نے مجھے فائدہ پہچایا کسی اور مال نے اس طرح فائدہ نہیں پہچایا۔

جسطرح حضرت خدیجہ علیہا السلام کی تجارت کا کاروبار اور مادی قدرت کا بول بالا تھا انکی روحانی قوت و طاقت اور حیثیت کا ایک الگ مقام تھا دنیا جب جہالت اور عرب جس وقت جاہلیت کے گہرے اندھیرے میں تھی عزت و دولت کی مالک حضرت خدیجہ علیہا السلام علم و عرفان کے درمیان زندگی بسر کر رہی تھیں۔

ورقہ بن نوفل اور آپ کے دیگر رشتہ دار آسمانی کتابوں اور الٰہی علوم کے عالم تھے اور حضرت خدیجہ علیہا السلام ان علمی مباحثات میں شرکت کرتی رہتی تھیں اور ان علمی مباحثوں کا ذکر آج بھی تاریخ میں موجود ہے۔

حضرت خدیجہ علیہا السلام عزت واحترام ،علم وعرفان ،شرف وفضیلت کی ان اونچی حدوں پر فائز تھیں جن میں سے کسی ایک فضیلت میں بھی کوئی ان کا ہمسر نہ تھا لیکن اس کے باوجود بین الاقوامی تجارت کی تن تنہا مالک ملیکۃ العرب حضرت خدیجہ علیہا السلام نے اپنے پایہ علمی اور عرفانی ذوق کی روشنی میں مرسل اعظم کو دیکھا، جانا پہچانا، سمجھا اور پرکھا اور خود خواہش کی کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قربت حاصل کریں، مرسل اعظم کے عقد میں آئیں اور حسنات کی گہری جھیل کمالات کے اتھاہ سمندر میں جا ملی۔

ازدواجی زندگی

سطحی ذہن اور ظاہر بین نظریں حضرت خدیجہ علیہا السلام کی دولت کے آگے انکی پرکمال ذات کو نہ دیکھ سکے چنانچہ آپ سے متعلق سب سے پرزور تذکرہ یہی ہے کہ آپ کی دولت نے اسلام کی مدد کی ہے ''خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ (بانی تنظیم المکاتب) فرماتے ہیں: مجھے بھی اقرار ہے کہ اسلام حضرت خدیجہ علیہا السلام کی دولت اور ابو طالب کی قوت کے ذریعہ پروان چڑھا ہے لیکن فخر کائنات سربراہ تبلیغ نبی کو حضرت خدیجہ علیہا السلام کی شکل میں کیا کچھ ملا، اسے ہلکے دماغ کی دنیا کیا جانے نبی کو ازدواجی زندگی کے لئے ایک شریک حیات کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ اس عظیم نبی کو ایسی شریک کار اور رفیق مقصد صنف نسواں کی منتخب ہستی کی ضرورت تھی جو تبلیغی مشکلات میں نبوت کی غمگسار بن سکے، جس سے اسکا شوہر جو فخر بنی آدم ہوا اپنے عظیم اور مشکل کام میں اپنے دل کی بات کہہ سکے درد دل سنا کر دل کا بوجھ ہلکا کر سکے اس ضرورت کو مکمل طور پر جناب خدیجہ علیہا السلام نے پورا کیا۔''

آپ کی وفات کے بعد حضور نے بہت سے عقد فرمائے ہر طرح کے مزاج، کردار، سن وسال کی بیویاں آئیں جن کا افتخار زوجیت رسول سے تھا خود ازواج رسول نے اور ان کے اعزاء واقرباء اور متوسلین نے اس افتخار کو اپنا عزیز ترین سرمایہ کمالات قرار دیا اور اسی نسبت کو ڈھال بنا کر کچھ ازواج نبی اور متوسلین مسلمانوں کے درمیان مادی اقتدار اور معنوی حیثیت حاصل کی اور اسے باقی رکھنے کی کوشش ابھی جاری ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ زوجیت رسول کے شرف پر جو فخر کرے وہ رسول کی بیوی ہے اور جو شرف زوجیت خاتم الانبیا جس ذات پر فخر کرے اس کامل ومکمل ہستی کا نام جناب خدیجہ علیہا السلام ہے۔

ان تمام فخر ومباحات، فراوانی اموال اور اجتماعی اثر ورسوخ کے باوجود جناب خدیجہ علیہا السلام کا کردار یہ ہے کہ ذرہ برابر احساس برتری نہیں ہے اور عقد کے بعد جب پیغمبر اپنے چچا حضرت ابو طالبؑ کے گھر جانا چاہتے ہیں تو آپ نہایت ادب واحترام سے فرماتی ہیں:

الی بیتک فبیتی بیتک و انا جاریتک (۱۹)

آپ ہم کو اپنے گھر لے چلئے، اب آپ کا گھر ہی ہمارا گھر ہے اور ہم آپ کی کنیز ہیں۔

ملیکۃ العرب اپنے آپ کو کنیز کہے یہ ان کا ذاتی عمل، عقیدہ اور خالص ایمان کا نتیجہ ہے جو برکت توحید کے سایہ میں ظاہر ہوتا ہے اور یہی جذبۂ اطاعت جناب خدیجہ علیہا السلام کے پاکیزہ نفس پر دلیل ہے۔

عام طور سے شادی بیاہ کے بعد انسانی طبیعت کا بدلنا، حد اعتدال سے تجاوز کرنا روحانی کاموں میں رکاوٹ کا پیش آنا، نماز اور روزوں کو چھوڑ دینا، اپنے حق کا مطالبہ کرنا اور ہر چیز پر قبضہ جمانا، اور ماں باپ کے حقوق پامال کرنا، شادی بیاہ کی آج کل ایک عادت اور خصلت کا نیا فیشن بن گئی ہے جبکہ شادی نصف ایمان ہے ایمان کے کامل ہونے کا ذریعہ ہے، عبادت میں اضافہ کا سبب ہے۔ ایمان اور اطاعت خداوندی میں فطرت و عادت کا بدلنا ہی درحقیقت شادی بیاہ کی معراج اور اوج عبودیت ہے اور ازدواجی بندھن میں بندھنے کے بعد نیک صفات و کمالات اور اچھی عادت اور خصلت کی جانب رجحان کا ہونا پاک دلوں کی علامت ہے جناب خدیجہ علیہا السلام نے خانہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اسی پاکیزہ مزاج، نیک خصلت و عادت کے ساتھ قدم رکھا اور رسول کی عظمت و جلالت اور انکی اطاعت کے آگے اپنی خواہشات کو پیش نہیں کیا کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے محبوب شئے اللہ سے راز و نیاز اور اس عبادت ہے اور جناب خدیجہ علیہا السلام شریک عبادت و اطاعت ہیں۔

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے پہلے غار حرا میں راز و نیاز اور عبادت کے لئے جاتے اور ہر سال ماہ مبارک رمضان میں عبادت کے فرائض انجام دیتے تھے شادی کے بعد بھی یہی سلسلہ عبادت قائم و دائم رہا امام ہادی علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام کے تجارتی سفر سے جب پلٹتے تو اپنے مال و متاع اور درآمد کو فقرا پر تقسیم کرتے، اور اسی روز نصف شب غار حرا چلے جاتے، اور اسی عظمت و جلالت کے ساتھ حق عبادت ادا کرتے تھے۔ (۲۰)

جناب خدیجہ علیہا السلام کو زحمت، شفقت اور نہ کوئی رکاوٹ پیش آتی، آپ کھانے پینے کا سامان حضرت امام علی علیہ السلام کے ہمراہ روانہ کر دیتی اور کبھی کبھی حضرت کے ساتھ غار حرا میں خود تشریف لے جاتی تھی علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: ماہ مبارک میں آنحضرت غار حرا میں تھے کہ وحی و بعثت کا آغاز ہوا، حضرت امام علی علیہ السلام اور جناب خدیجہ علیہا السلام اور غلام غار حرا میں موجود تھے۔ (۲۱)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ انجام پائی جانے والی عبادتوں میں ایک عبادت کی مدت ۴۰ روز

ہے اور چالس روز جناب خدیجہ علیہا السلام گھر میں تنہا ہیں لیکن ان کے مزاج وطبیعت میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے، صبر وتحمل، استقامت، بلکہ آرام وسکون ہے شکوہ وشکایت، مخالفت، اعتراض نام کی شئے نہیں ہے۔ حضرت رسول اکرمؐ نے جناب عمار کو بھیجا اور عمار نے جناب خدیجہ علیہا السلام کے سامنے رسول کا یہ پیغام سنایا کہ جناب خدیجہ علیہا السلام آپ کے دل میں کہیں یہ خیال نہ آئے کہ آپ سے جدائی بے اعتنائی ہے بلکہ یہ میرے پروردگار کا حکم ہے آپ خیر وسعادت کے سوا کچھ فکر مت کیجئے آپ کی عظمت ومنزلت یہ ہے کہ خدا فرشتوں کے درمیان آپ کے لئے ہر چند بار فخر ومباحات کرتا ہے وقت شب دروازے بند کر لیجئے اور آرام سے بستر پر استراحت فرمائیے۔ (۲۲)

عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں: یہ ایمان جناب خدیجہ علیہا السلام تو اس وقت بھی ظاہر تھا جب لوگ کفر کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے سب سے پہلے ہم نے جس چیز کو دیکھا، جانا، پہچانا، ادراک کیا ایک نیا دین تھا جس کے ماننے والے صرف تین افراد تھے۔ میں اپنے چچاوں کے ساتھ اور قبیلے والوں کے ہمراہ مکہ آیا اور کچھ مقدار عطر خریدنا چاہتا تھا جناب عبدالمطلب علیہ السلام نے ہم کو راستہ بتایا وہ چاہ زمزم اور خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے تھے میں ان کے پہلو میں بیٹھ گیا پھر ہم نے یہ دیکھا کہ سفید لباس میں ملبوس ایک خوبصورت مرد جسکا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند درخشاں تھا مسجدالحرام میں داخل ہوا داہنی طرف ایک خوبرو جوان اور پیچھے ایک خاتون سب نے حجر اسود کا بوسہ لیا پھر طواف کیا، جماعت سے نماز پڑھی، قنوت کو طولانی انجام دیا یہ کیفیت وحالت اور حسین ماحول دیکھ کر عبداللہ بن عباس سے پوچھا یہ کون ہستیاں ہیں کیا مکہ میں نیا دین آیا ہے ایسا مکہ میں کبھی نہیں دیکھا عبداللہ ابن عباس نے کہا یہ مرد جلیل القدر ہماری چچا کا بیٹا محمد بن عبد اللہ وہ جوان میرا چچازاد بھائی علی ابن ابی طالب علیہ السلام وہ خاتون محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی جناب خدیجہ بنت خویلد علیہا السلام ہیں خدا کی قسم ان تین افراد کے علاہ اس دین پر کوئی اعتقاد نہیں رکھتا ہے۔ (۲۳)

جناب خدیجہ علیہا السلام اپنی دولت وثروت، عقیدہ ایمان، اور حسن کردار سے جہاں رسولت کی حامی اور مددگار ہیں وہاں امامت کی حفاظت کی ذمہ دار بھی ہیں۔ انہیں حضرت امام علی علیہ السلام سے بیحد عشق ومحبت اور ارادت وانسیت تھی علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: جناب خدیجہ علیہا السلام کو حضرت علی علیہ السلام سے ان کی اولاد سے پہلے ہی ان کی محبت کا اقرار تھا اور جب امام علی علیہ السلام نے رسالت کی آغوش میں چشم مسرت کھولا تو جناب خدیجہ علیہا السلام کی محبت دوبالا ہوگئی طرح طرح کے لباس خدمت کے لئے کنیزیں، خدمتکار، حضرت علی علیہ السلام کے لئے بھیجا یہاں تک لوگوں میں گفتگو کا محور بن گیا کہ علی، محمد کے بھائی ہیں لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور جناب خدیجہ علیہا السلام کے نور چشم ہیں اور یہ الطاف واکرام، ہر صبح وشام جناب ابوطالب علیہ السلام کے گھر جاری وساری تھے۔

مولائے متقیان علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے نیز جناب خدیجہ علیہا السلام کے اسلام وایمان کو سراہا اور ان کی مدح وثنا میں اس طرح فرمایا ہے:

لم یجمع بیت واحد یومئذ فی الاسلام غیر رسول اللہ و خدیج و انا ثالثھم اری نورالوحی و اشم ریح النبوۃ (۲۴)

اس وقت جب اسلام کے سائے میں ایک گھر میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب خدیجہ علیہا السلام اور تیسرا میں ہوتا کوئی اور جمع نہیں ہوتا تھا اس وقت ہم نور وحی کو دیکھتے اور نبوت کی خوشبو کو سونگھتے تھے۔

وفات

ہجرت سے تین سال قبل حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر مصیبت کے دو پہاڑ ٹوٹے ایک حضرت ابو طالب علیہ السلام کی موت کا صدمہ دوسری طرف جناب خدیجہ علیہا السلام جیسی پاک بیوی کا دنیا سے چلا جانا کہ آپ نے اس سال کا نام ہی عام الحزن رکھ دیا۔اس جانسوز فرقت کو تنہا سینہ رسول نے محسوس کیا۔احتضار کے وقت جناب خدیجہ علیہا السلام سے پوچھا کیا موت ناپسند ہے؟ آپ نے فرمایا موت ہمارے لئے بہتر ہے اور جس وقت اپنے ہاتھوں سے جناب خدیجہ علیہا السلام کو قبر میں اتارا دونوں آنکھوں میں اشک رواں تھے، آپ نے جناب خدیجہ علیہا السلام کے لئے دعا کی اور ہر سال ان کے روز وفات انہیں یاد کرتے اور زور زور سے گریہ کرتے اور اپنی بیویوں سے فرماتے کہیں یہ گمان نہ کرنا کہ تمہاری منزلت جناب خدیجہ علیہا السلام سے بالاتر ہے جس وقت تم کفر کی حالت میں تھیں خدیجہ میرے بچوں کی ماں تھی۔(۲۵)

جناب خدیجہ علیہا السلام کی زندگی میں حضور نے کوئی عقد نہیں کیا اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام نے جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام میں کوئی عقد نہیں کیا وفات جناب خدیجہ علیہا السلام کے بعد حضور نے کبھی جناب خدیجہ علیہا السلام وفراموش نہیں کیا بلکہ ہمیشہ ان کا تذکرہ زبان نبوت پر بشکل تسبیح تھا جناب خدیجہ علیہا السلام کی وفات کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد عقد فرمائے جناب امیر المومنین علیہ السلام نے بھی عقد کئے لیکن نبی کی طرح ولی بھی تا حیات ذکر معصومہ کرتا رہا مذکورہ بالا حالات سے جہاں نبی و وصی کے یکرنگی مزاج اور یکسانیت کردار کا پتا چلتا ہے وہاں یہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جناب خدیجہ علیہا السلام یا جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی صورت میں نبی یا وصی کو صنف نسواں کی وہ کامل واکمل ہستی مل گئی تھی جس کے بعد صنف نسواں کی دوسری فرد کی ضرورت نہ تھی اور جناب خدیجہ علیہا السلام یا جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی وفات کے بعد ایسا خلا پیدا ہوگیا جسے بعد میں آنے والی کوئی عورت پر نہ کرسکی اور کیسے کرسکتی جب کہ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کا کار نبوت اور جناب خدیجہ علیہا السلام مجسمہ کار نبوت اور

شریک کار ہدایت تھیں۔

اور جب حضرت علیؑ نے فاطمہ زہراؑ کے لئے شادی پیغام بھیجا تو رسول جناب خدیجہؑ کو یاد کر کے اتنا روئے کہ آنکھوں سے اشک سیلاب کی طرح جاری ہو گیا ام سلمہؓ نے پوچھا یہ کیفیت و حالت کس بات کی وجہ سے ہے آپ نے فرمایا:

خديجة اين خديجة صدقتني حين يكذبني الناس، و ايدتني على دين الله واعانتني عليه بمالها ان الله عزوجل امرني ان ابشر خديجة ببيت في الجنة من قصر الزمرد لاصعب فيه ولانصب(۲۶)

"خدیجہ،خدیجہ جیسا کہاں ہے؟اس نے میری صداقت کا کلمہ پڑھا جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے دین خدا پر ہماری تائید کی،اپنے مال کے ذریعہ ہماری مدد کی اللہ نے ہم کو حکم سنایا ہے کہ ہم نے خدیجہ کیلئے جنت میں زمرد کا قصر تیار کیا ہے جہاں نہ سختی ہے نہ محنت۔خدا ہم کو خدیجہ جیسی نیک سیرت اور اسلام کے لئے نصرت کا جذبہ عنایت کرے۔"

منابع:

(۱)۔ریاحین الشریعہ ج۲،ص۲۰۲۔
(۲)۔بحار الانوار،ج۳۵،ص۱۴۵،دیوان علی علیہ السلام ص۳۵۹۔
(۳) ۔بحار الانوار ج۱۸،ص ۳۸۵۔
(۴) ۔احتجاج طبرسی ج۱،ص۴۸۲۔
(۵)۔الاستیعاب ج۲،ص۲۲۰ ۔
(۶)۔بحار الانوار، ج۱۶،ص ۲۵۔
(۷)۔تاریخ خمیس ج۱،ص۲۶۳۔
(۸)۔صحیح مسلم باب فضائل خدیجہ،حدیث ۲۴۳۷۔
(۹)۔صحیح بخاری ج۵،ص۴۷، ۴۸; صحیح مسلم باب مناقب خدیجہ
(۱۰)۔بحار الانوار ج۱۶،ص۸۰۔
(۱۱)۔مجلہ مبلغان, شمارہ ۱۷،ص۹۶۔
(۱۲)۔مستدرک سفینۃ البحار ج۵ ص۴۴۔
(۱۳)۔الاستیعاب ج ۲ ص۷۲۰۔
(۱۴)۔صحیح مسلم باب فضائل خدیجہ; نورالابصار ص۴۰۔
(۱۵)۔سیرۃ الحلبیہ, ج ۱ص ۱۳۸۔
(۱۶)۔ تاریخ یعقوبی, ج ۲،ص ۳۱۔
(۱۷)۔ انساب الاشراف ج۱،ص ۲۳۵۔
(۱۸)۔ مستدرک الوسائل ج ۳،ص ۲۱۔
(۱۹)۔بحار الانوار ج۱۶،ص۴۔
(۲۰) ۔بحار الانوار ج۱۷،ص ۳۰۹۔
(۲۱)۔بحار الانوار،ج ۱۵ص ۳۶۳۔
(۲۲) ۔بحار الانوار ج۱۶،ص ۷۹،۸۰۔
(۲۳)۔ابن ابی الحدید ج۱۳،ص ۲۲۵۔
(۲۴)۔تاریخ طبری, ج ۲ ص ۲۰۸۔
(۲۵)۔سیرۂ نبوی ابن ھشام ج ۱،ص ۱۱۹۔
(۲۶)۔سفینۃ البحار ج ۱،ص ۳۸۱۔

❀❀❀

مصائب امیر المؤمنین علیہ السلام

حجۃ الاسلام والمسلمین بہاءالدین قہرمان نژادشائق
ترجمہ: مولانا سید محمد جعفر زیدی

ہم نے مولائے متقیان امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بے شمار فضائل کا تذکرہ تو سنا لیکن آپؑ پر ڈھا گئے مصائب کا ذکر جیسا ہونا چاہیے ویسا پیش نہیں کیا جاتا ۔اس تحریر میں کوشش کی گئی ہے کہ آپ کو اپنی زندگی میں جن مصائب کا سامنا رہا اسکی ایک ہلکی سی جھلک قارئین اور محبان امیر المؤمنینؑ کی خدمت میں پیش کیا جائے ۔

اس تحریر کے مطالب ''مصائب اہل بیتؑ'' نامی فارسی کتاب سے تلخیص اور ترجمہ کئے جا رہے ہیں ۔اس کتاب کے مؤلف حجۃ الاسلام والمسلمین بہاءالدین قہرمانی نژادشائق ہیں ۔آپ اس دور کے جانے مانے محدث ہیں جنہیں مختلف محدثین اور آیات عظام نے نقل روایت کے اجازے مرحمت فرمائے ہیں ۔چنانچہ یہ کتاب جو پچھلے سال پہلی بار چھپ کر بازار میں آئی اس میں آیت اللہ عبدالرحیم الصادقی شمیرزادی مازندرانی، آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی، آیت اللہ فاضل لنکرانیؒ، آیت اللہ موسیٰ حسینی الزنجانی اور آیت اللہ لطف اللہ صافی گلپایگانی کی تقاریض موجود ہیں جس سے اس کتاب کے مرویات کا اعتبار بڑھ گیا ہے ۔یوں تو اس کتاب میں چودہ معصومینؑ کے مصائب درج ہیں لیکن ماہ مبارک رمضان میں حضرت علی علیہ السلام کی دلسوز شہادت کی مناسبت سے کچھ مطالب کو تلخیص اور ترجمہ کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے ۔(ادارہ)

قلم و بیان میں یہ طاقت نہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے ملکوتی وجود کو متعارف کروا سکے لیکن ''ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ'' (جو سارا کا سارا درک نہ ہو وہ سارا کا سارا چھوڑا بھی نہیں جا سکتا) کے تحت عرض ہے کہ وہ مظہر العجائب، مولا الموالی نے رجب کی تیرہویں تاریخ ۳۰ عام الفیل کو دنیا میں قدم رکھا ۔آپؑ کی ولادت کا ماجرا بہت ہی

منفرد اور عجیب تھا۔آپؑ تنہا مولود ہیں جو جوف کعبہ میں پیدا ہوئے اور اس بات پر آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد ہمیشہ افتخار کرتی رہیں۔(۱)

آپ حضرت ابو طالبؑ اور فاطمہ بنت اسدؑ کے سائبان عاطفت میں رسول خداؐ کے دوش بہ دوش پروان چڑھتے رہے۔آپ اس گھر میں متولد ہوئے جہاں طالب، عقیل، جعفر اور دو بہنیں فاختہ اور جمانہ بھی پرورش پا رہیں تھیں۔علیؑ کے بچپن کا بڑا حصہ رسول خداؐ کے ساتھ بسر ہوا۔

اس بات میں نہ تو کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی کسی کتاب کے حوالہ کی ضرورت ہے کہ اسلام نے اپنی اکثر جنگیں اسی سورما کی سپہ سالاری میں سر کی ہیں۔آپؑ کی ذات میں نہفتہ کمالات اتنے زیادہ تھے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو حضرت فاطمہ زہراؑ کا نہ ہی کوئی کفو ہوتا اور نہ ہی کوئی ہمسر۔خدا کے گھر کے لڑکے کی شادی، رسول خداﷺ کے گھر کی لڑکی سے ہجرت کے دوسرے سال ذی الحجہ میں ہوئی جس سے عشق الٰہی سے سجے اس آشیانہ میں حَسَنَیْن اور زَیْنَبَیْن وجود میں آئے۔

اللہ کے حکم سے ہجرت کے دسویں سال ذی الحجہ کی اٹھارویں تاریخ کو علیؑ کو ولی اللہ، وصی رسول اللہ، امیر المؤمنین اور خلیفۂ پیغمبرؐ کے عنوان سے منصوب کیا گیا لیکن تلخ اور ناگوار حوادث نے اس منصب حق کو آپؑ سے دور رکھا۔اسکے باوجود امامت کی سنگین ذمہ داری اور امت کے درد نے آپ کی ذات سے جاری فیوض و برکات کو رکنے نہیں دیا، ہر قدم پر امت کی انگلی تھام کر اسے راہ ہدایت و سعادت دکھلاتے رہے۔

ہجرت کے پینتیسویں سال آپ کی خلافت کو قبول کرتے ہوئے آپ کی بیعت کرنے کے لئے مسلمان آپ کے بیت الشرف پر جمع ہوئے اور کراہت کے ساتھ آپؑ نے اسے قبول کر لیا اور پانچ سال تک خلافت اسلامیہ کی باگ ڈور سنبھالے رہے۔داخلی عناصر نے وہ سازشیں رچیں کہ اس پانچ سالہ دور خلافت میں آپؑ کو جمل، صفین اور نہروان کی خونیں جنگیں لڑنی پڑیں۔بالآخر ہجرت کے چالیسویں سال ماہ رمضان کی انیسویں سحر کو خوارج کی ایک ملعون فرد کی لگائی گئی ضربت سے ماہ رمضان کی اکیسویں تاریخ کو آپؑ شہادت کے عظیم درجہ پر فائز ہوئے۔

پہلی مصیبت: بعثت کا دسواں سال یعنی مصائب کا آغاز

جناب ابو طالبؑ جیسے باپ اور ملیکۃ العرب حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ جیسی مربیہ کی رحلت سے امیر المومنین حضرت علیؑ کے مصائب کا آغاز ہوتا ہے۔مادر گرامی حضرت فاطمہ بنت اسدؑ کے آنسو تیر بن کر قلب

حیدرؑ کو چھلنی کر رہے تھے۔

ہجرت کے چوتھے سال مادر گرامی کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا وہ ماں جس نے اپنی تمام عمر اسلام و پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں گذار دی۔ وہ ماں جس نے اپنے علیؑ جیسے بیٹے کو پیغمبر اسلامؐ کا فدیہ قرار دیا۔ وہ ماں جس نے بدر و احد کے کارزاروں میں اپنے بیٹوں کو خوشی خوشی روانہ کیا، وہ ماں جس نے علیؑ کے علاوہ جعفر طیارؓ جیسے بیٹے کو اسلام پر قربان کر دیا۔ ابھی علیؑ کا قلب چچا حمزہؓ کے غم سے ابھر بھی نہیں پایا تھا کہ ماں کے فراق نے اس زخم کو اور گہرا کر دیا۔

ہجرت کے ۹ ویں سال رومیوں کے ساتھ سخت معرکہ ہوا جسے جنگ موتہ کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں جعفر بن ابو طالبؑ شہید ہوئے۔ جب جعفر کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچی تو رسول خداؐ، حضرت علیؑ اور جناب فاطمہ زہراؑ بلا فاصلہ اسما بنت عمیس کے گھر تعزیت کے لئے پہنچے۔ حضرت رسول خداؐ نے جناب جعفر طیارؓ کے یتیموں کو گلے سے لگا لیا اور بھتیجوں کے سر پر دست شفقت پھیرنے لگے۔ بھتیجوں کے آنسو علیؑ کے دل کو چھلنی کر رہے تھے۔ شاید علیؑ نے جناب جعفر طیارؓ کے یتیموں کو یہ کہہ کر دلاسہ دیا ہو کہ نہ رو و بچوں جعفر نہ رہے تو کیا ہوا ابھی تمہارا چچا علیؑ زندہ ہے جو صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ تمام یتیموں کا سرپرست ہے۔

تین دن تک اسماء کے گھر کھانا جناب فاطمہؑ کے گھر سے جاتا رہا۔ (۲)

لیکن یہ تمام مصیبت رحلت نبی سے بڑھکر نہیں تھی!

دوسری مصیبت: نبیؐ کی جدائی کا غم

تمام وہ مصیبتیں جو حضرت علیؑ پر پڑیں حضرت رسول خداؐ کے رہتے سہل و آسان تھیں لیکن امیر المومنینؑ کو اس وقت کا اندیشہ تھا جب پیغمبرؐ کی ذات بابرکت انکے درمیان نہیں ہوتی اس وقت مصائب کا تحمل آسان نہ ہوگا۔ لیکن موت سے کسی کو فرار نہیں ہے چونکہ خداوند عالم نے اپنے نبی سے فرمایا:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (۳)

"اے حبیب آپکو بھی دوسروں کی طرح موت کا مزہ چکھنا ہوگا۔"

جب پیغمبرؐ کی رحلت کا زمانہ نزدیک آیا آپ کا سر مبارک حضرت علیؑ کے زانو پر تھا اور حضرت فاطمہ زہراؑ آپ کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ ملک الموت جناب زہراؑ کی اجازت کے بعد گھر میں داخل ہوا۔

جب حضرت رسول خداؐ کی روح نے اس دار فانی کو وداع کیا تو حضرت علیؑ پر آپکے غسل، کفن اور

دفن کرنے کی ذمہ داری تھی آپکو کفن پہناتے وقت حضرت علیؑ نے آپ کے چہرے پر سے کپڑے کو ہٹایا جمال رسالت کی زیارت کی۔آنکھیں بھر آئیں فرمایا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو لاریب کہ آپ نے زندگی بھی پاک وطیب گذاری اور آپکی موت بھی پاک وطیب ہے آپکے جانے سے سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا اور تمام لوگ آپکی مصیبت میں مصیبت زدہ ہیں۔

اسکے بعد حضرت علیؑ نے حضرت رسول خداؐ کے چہرہ کا بوسہ لیا وہ چہرہ جس سے بچپن ہی سے مانوس تھے جسکے دیکھنے سے تمام غم وآلام کی تلخی شیرینی میں بدل جاتی تھی وہ چہرہ خاک کے حوالے ہو رہا تھا۔اگر پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ کا پوری کائنات میں کوئی سہارا تھا تو وہ دختر رسول کا سہارا تھا لیکن افسوس زیادہ دنوں تک یہ سہارا بھی نہ رہا!

تیسری مصیبت: گلے میں ہڈی اور آنکھ میں کانٹا

اگر کسی غیرت مند شخص سے پوچھا جائے کہ عالم کی سب سے بڑی مصیبت کونسی ہے؟ تو شاید وہ جواب سے کہ ایک آدمی پر سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ کسی باپ کے سامنے اسکا جوان بیٹا دنیا سے گذر جانے کے بعد اس کی جدائی کا غم برداشت کرنا پڑے ممکن ہے کوئی دوسرا شخص یہ کہے کہ عالم کا کرب ناک ترین رنج ودرد یہ ہے کہ اسکی آنکھوں کے سامنے اسکا ایسا بھائی گذر جائے جو مددگار وناصر اور اسکا پشت پناہ ہو لیکن اگر حضرت علیؑ سے پوچھا جائے کہ کائنات کی سب سے بڑی مصیبت کیا ہے تو بے شک آپ یہی فرمائیں گے کہ: ایک مرد پر سب سے بڑی مصیبت تب ہے جب اسکے اور اسکے بچوں کے سامنے اسکی مظلوم بیوی کو زخمی کیا جائے اور مصلحت پروردگار کے پیش نظر اسے صبر کرنا پڑے۔

جس وقت ملاعین حضرت زہراؑ کے دروازہ پر جمع ہوئے اور وہ تاریخ بشریت کا شرمناک جرم کے مرتکب ہوئے امیر المومنینؑ جناب فاطمہ زہراؑ کی فریاد استغاثہ کو سنکر حجرہ سے باہر تشریف لائے اواس ملعون کو زمین پر گرا کر اسکے سینہ پر زور دیتے ہوئے فرمایا: اگر مشیت پروردگار نہ ہوتی کہ میں صبر اختیار کروں تو تم نے جو کیا ہے وہ انجام نہ دے پاتے۔

جب حضرت علیؑ کو دست بستہ مسجد کی طرف لے جایا جانے لگا تو حضرت علیؑ نے دیکھا کہ حضرت فاطمہ زہراؑ زخمی بدن کے ساتھ امام حسینؑ کا ہاتھ پکڑے قبر رسولؐ کی جانب بد دعا کی خاطر جارہی ہیں مولا نے سلمان کو اشارہ کیا کہ فورا بنت پیغمبرؐ کو بد دعا کرنے سے روکو۔

کچھ دیر بعد حضرت علیؑ بھی گھر میں واپس تشریف لائے مجھے نہیں پتہ امام علیؑ نے گھر میں بچوں کا کس طرح سامنا کیا ہوگا؟ کیا کہ کر حسن و حسین و زینب و ام کلثوم کو سمجھایا ہوگا!

چوتھی مصیبت: شہادت حضرت فاطمہ زہراؑ

اس دردناک واقعہ کے بعد امام علیؑ کس طرح سے گھر میں تشریف لائے ہونگے اور کس طرح آپؑ نے جناب زہراؑ کے چہرہ کو دیکھا ہوگا وہ چہرہ جسکے بارے میں آپ فرماتے تھے: جب بھی میں گھر میں داخل ہوتا اور میرے اوپر مصائب و آلام کا ایک پہاڑ ہوتا تھا تو وہ تمام درد و غم چہرہ فاطمہؑ کو دیکھنے سے ختم ہو جاتے تھے

قال علیؑ: لقد کنت انظر الیها فتنجلی عنی الغموم و الاهزان بنظرتی الیها(۴)

کتنی ہی بار آپ نے حضرت زہراؑ کو مخاطب کر کے فرمایا: میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں(۵)۔ آپؑ کو یاد آیا ہوگا جب حضرت رسول خداؐ نے حضرت زہراؑ کا ہاتھ آپکے ہاتھ میں دیکر فرمایا تھا: یہ خدا اور اسکے رسول کی امانت ہے جو تمہیں سونپ رہا ہوں اسکی حفاظت کرنا اور میں جانتا ہوں کہ تم ایسا ہی کرو گے قسم خدا کی یہ اولین سے لے کر آخرین تک جنتی خواتین کی سردار ہے(۶)۔

فقال نیشاپوری کی تحریر کے مطابق حضرت زہراؑ نے وصیت کرنے سے پہلے امام علیؑ نے فرمایا: کیا اب تک میں نے آپ کی کوئی مخالفت کی ہے؟

امامؑ نے فرمایا: بنت پیغمبر یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں قسم خدا کی مخالفت کا تصور بھی آپ سے کوسوں دور ہے آپ کی جدائی کا غم ناقابل برداشت ہے بخدا رسول خداؐ کی جدائی کا غم میرے لئے پھر سے تازہ ہو رہا ہے۔(۷)

اسکے بعد جناب فاطمہ زہراؑ نے اپنا سر امام علیؑ کے سینہ پر رکھ دیا وہ سینہ جو بہت عزیز تھا وہ سینہ جس میں علیؑ نے نہ جانے کتنے درد و غم جناب فاطمہ زہراؑ سے چھپا کر رکھے ہوئے تھے۔

اسکے بعد آپ دونوں رونے لگے پھر جناب زہراؑ نے اپنی وصیت بیان فرمائی وصیت کرنے کے بعد پھر بی بی نے امام علیؑ کے چہرہ کو دیکھا اور رونے لگیں جب امام علیؑ نے سبب دریافت کیا تو فرمایا: میرے بعد آپ پر جو گذرنے والی ہے میں وہ سوچ کر رو رہی ہوں۔(۸)

پانچویں مصیبت: شہادت نامہ

جب جناب فاطمہ زہراؑ کی شہادت کی خبر بعض پڑوسیوں تک پہنچی بنی ہاشم کی کچھ عورتیں آگئیں لیکن ان سے یہ کہا گیا کہ وہ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں کیونکہ تشیع جنازہ میں ابھی تاخیر ہے۔(۹)

جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو فاطمہؑ کو گھر پر ہی غسل دیا جانے لگا جبکہ اولاد فاطمہؑ دھیمی آواز سے گریہ کر رہی تھی اور غسل کے وقت علیؑ گویا اپنی فاطمہؑ کے بدن کے زخموں کو یاد کر کے رو رہے تھے۔

دفن کے وقت علیؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور اسی حالت میں فرما رہے تھے: ''اے رسول خدا! میرا اور آپ کی بیٹی کا آپ پر سلام ہو، وہ بیٹی جو سب سے پہلے آپ سے ملحق ہوگئیں آپ سے ملاقات کے لئے آپ کے پاس پہنچ گئیں۔ یا رسول اللہ! آپ کی برگزیدہ بیٹی کی جدائی نے میرے صبر کو کم کر دیا ہے اور اس کی دوری کو میں برداشت نہیں کر سکتا، میرا غم اب سدا کے لئے ہوگیا، اب راتوں کو میرا جاگنا بڑھ جائیگا۔ اب کبھی میرے دل سے یہ غم نہیں جائیگا یہاں تک کہ میں آپ سے ملاقات نہ کرلوں۔ اے رسول خدا آپ اپنی بیٹی سے پوچھئے کہ کیا کیا مصیبتیں اس پر ڈھائی گئیں اصرار کر کے پوچھیے۔(۱۰)

جیسا کہ حضرت فاطمہؑ نے وصیت کی تھی امیر المؤمنینؑ کبھی کبھی مخفی طور پر آپ کی بے نام ونشان مزار پر جاتے اور نصف شب تک قرآن کی تلاوت فرماتے۔

کبھی اپنے آپ سے اس طرح سرگوشی کرتے: جب کبھی دو دوست جمع ہوتے ہیں تو ان کو جدا بھی ہونا پڑتا ہے۔ اور وہ دو چیزیں جن میں جدائی نہ ہوتی ہو وہ کم ہے۔ محمدؐ کے بعد فاطمہؑ کو کھو دینا اس بات کی علامت ہے کہ کوئی بھی دوست اور ہمنشین ابدی طور پر ہمیشہ ساتھ نہیں رہتا۔(۱۱)

جب حضرتؑ گھر واپس، ہوتے بچوں کو روتا ہوا اور زہراؑ کی جگہ خالی دیکھتے دنیا بھر کا غم آپؑ کو گھیر لیتا۔ کبھی خود سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے: ''میری جان آہوں کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے۔ کاش وہ بھی آہوں کے ساتھ ہی نکل جاتی (اے فاطمہ زہراؑ) تمہارے بعد جینے میں کوئی لطف نہیں ہے۔ روتا اس لئے ہوں کہ کہیں میری مدت حیات طویل نہ ہوجائے۔''(۱۲)

چھٹی مصیبت: مصلحت کے تحت سکوت

حقیقت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ علیؑ جیسا مظلوم کوئی نہیں ہے۔ تاریخ کے خاتمہ اور عالم امکان کی آخری گھڑی تک اور جب تک آپؑ کے فرزند مہدی موعودؑ کا ظہور نہ ہوجائے یہ مظلومیت جوں کی توں باقی رہے گی۔ علیؑ ایک ایسی

بلند و بالا ہستی کا نام ہے کہ تاریخ میں موجود اہل انصاف ہی نہیں بلکہ آپؑ کے جانی دشمن بھی آپؑ کے بے شمار فضائل و مناقب کو بیان کئے بغیر نہ رہ سکے۔ اہل انصاف اس یقین پر ہیں کہ اسلام کی ارتقاء کی بنیاد علیؑ اور انکے والد ابو طالبؑ نے رکھی ہے۔ وہی ابو طالبؑ جس کے بیٹے کی دشمنی میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایمان لائے بغیر اس دنیا سے چلے گئے جبکہ صاف صاف الفاظ میں ابو طالبؑ یہ کہا کرتے تھے کہ ''کیا مشرک یہ نہیں جانتے کہ ہم محمدؐ کی رسالت کو اسی طرح مانتے ہیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کو مانتے ہیں اور اس حقیقت کو ہم نے آسمانی کتابوں میں پایا ہے''۔ (۱۳)

ساتویں صدی ہجری کے اہل سنت عالم جنہوں نے نہج البلاغہ کی شرح لکھی ہے ابن ابی الحدید معتزلی قمطراز ہیں کہ: ''اگر ابو طالبؑ اور ان کے بیٹے علیؑ نہ ہوتے تو کبھی اسلام اپنی شناخت نہیں بنا پاتا۔ دونوں نے اسلام کی خاطر بہت زیادہ محنت کی، مکہ میں ابو طالبؑ رسول خداؐ کے سب سے بڑے حامی تھے اور مدینہ میں ان کے بیٹے علیؑ نے عظمت اور بلندی کے افق کو چھو لیا۔ ابو طالبؑ کی عظمت کو جاہلوں کی بے ہودہ گوئی اور آنکھ رکھنے والے اندھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔'' (۱۴)

امیر المؤمنینؑ کے تمام تر فضائل و مناقب جس کا اعتراف خلیفۂ اول یہ کہتے ہوئے کرتے ہیں کہ ''کوئی فضیلت ایسی نہیں ہے جس میں تم (اے علی) سب پر سبقت نہ کئے ہوئے ہوں۔'' (۱۵) ایسی باکمال شخصیت کو بھی ان حالات سے دچار ہونا پڑا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جاری الٰہی نص کے برخلاف آپؑ کو خلافت کے اپنے مسلمہ حق سے محروم کر دیا گیا۔ آپؑ اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: ''خدا کی قسم! فرزند ابو قحافہ نے پیراہن خلافت پہن لیا حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیلی کا ہوتا ہے۔ میں وہ (کوہ بلند ہوں) جس پر سے سیلاب کا پانی گذر کر نیچے جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ (اس کے باوجود) میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلو تہی کر لی اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس سے بھیانک تیرگی پر صبر کر لوں جس میں سن رسیدہ بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن اس میں جد و جہد کرتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا۔ لہذا میں نے صبر کیا حالانکہ آنکھوں میں (غبار اندوہ کی) خلش تھی اور حلق میں (غم و رنج کے) پھندے لگے ہوئے تھے۔'' (۱۶)

جس دن علیؑ کی گردن میں رومال ڈال کر انہیں مسجد نبوی کی طرف کھینچ کر لے جایا جا رہا تھا وہ دن اہل بیت

پیغمبرؐ کے لئے بہت ہی سخت دن تھا۔اس وقت رسول خداؐ کی قبر مطہر کی طرف رخ کر کے آپ وہی آیت پڑھ رہے تھے جو آیت حضرت ہارونؑ نے اس وقت پڑھی تھی جب حضرت موسیٰؑ کے غیاب میں ان کی قوم حق کے راستہ سے ہٹ گئی تھی

ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِی وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِی فَلَا تُشْمِتْ بِی الْأَعْدَاءَ(۷ ا)

''بھائی قوم نے مجھے کمزور بنا دیا تھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے.....''

بہر حال علیؑ کے ساتھ جو کچھ کیا گیا اسے دیکھ کر ہر اہل انصاف کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

والله خير الحاكمين

(اللہ بہترین انصاف کرنے والا ہے)

امام فرماتے ہیں:''(قریش) پھر یہ کہنے لگے ہیں کہ آپ اس حق کو لے لیں تو یہ بھی صحیح ہے اور آپ کو اس سے روک دیا جائے تو یہ بھی صحیح ہے۔اب چاہیں ہم وغم کے ساتھ صبر کریں یا رنج والم کے ساتھ مر جائیں۔''(۱۸)

ان سب مظالم کے باوجود خلیفۂ بلافصل رسول خداﷺ نے ایک چراغ روشن کی طرح اپنے نور امامت سے کبھی کسی کو محروم ہونے نہ دیا۔امت کی وحدت کی خاطر اس زمانے کی دو بڑی طاقتوں ساسانیوں اور رومیوں کے بیرونی اور منافقوں کے داخلی خطرہ کو بھانپ کر نہ صرف یہ کہ صبر سے کام لیا بلکہ ہمیشہ حکومت کے سربراہ کو اپنے مفید اور کارآمد مشوروں سے نوازتے رہے یہاں تک کہ خلیفۂ دوم یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ''خدا نہ کرے وہ دن آئے جس دن ابوالحسن موجود نہ ہوں اور کوئی مشکل پیش آجائے۔''

ساتویں مصیبت:خلیفۂ سوم کی دور خلافت کے جھگڑے

۲۳ویں سال خلیفۂ دوم نے اپنے قتل سے پہلے جو ۶ رکنی شوریٰ تشکیل دی تھی امیر المؤمنینؑ بھی اس ۶ رکنی شوریٰ میں شامل تھے۔اس سلسلہ میں افسوس کرتے ہوئے حضرت یہ فرماتے ہیں:''اے اللہ مجھے اس شوریٰ سے کیا لگاؤ؟ ان میں کہ سب سے پہلے کے مقابلہ ہی میں میرے استحقاق وفضیلت میں کب شک تھا جو،اب ان لوگوں میں(سعد ابن ابی وقاص،عبدالرحمٰن بن عوف،طلحہ،زبیر اور عثمان) میں بھی شامل کر لیا گیا ہوں۔''(۱۹)

شوریٰ کچھ اس طرح تشکیل دی گئی تھی کہ خواہ نہ خواہ جناب عثمان کا نام خلیفہ کے قرعہ میں نکل آئے۔شعبی کے نقل کرنے کے مطابق جب جناب عثمان خلیفہ بن کر اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے اور بنی امیہ بھی ان کے ساتھ ساتھ تھے

ابوسفیان بھی گھر میں داخل ہو کر پوچھنے لگا: ''کیا اس مجمع میں بنی امیہ کے علاوہ اور بھی لوگ موجود ہیں؟ جواب ملا: نہیں۔اس وقت ابوسفیان نے کہا: اے امیہ کے بیٹو! خلافت کو گیند کی طرح اپنے ہی درمیان ایک دوسرے میں گھوماتے رہو۔قسم اس چیز کی جس کو میں مانتا ہوں، نہ کوئی خدا ہے اور نہ ہی کوئی قیامت۔(۲۰)

بہت سے منصف مزاج مؤرخین اور عامہ کے محدثین جیسے شعبی اور ابن ابی الحدید اس بات کے گواہ ہیں کہ تیسری خلافت کے دوران امت مسلمہ کو بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ان مشکلات کے ذمہ داری خود جناب عثمان اور مروان ابن حکم جیسے ان کے مشیر تھے۔

بلاد اسلامیہ میں خلیفہ کے کارندوں کی زیادتیوں اور بدعتوں کی وجہ سے کوفہ اور مصر میں لوگ بغاوت پر اتر آئے۔مصر، عراق اور مدینہ کے کچھ مسلمان خلیفہ کے مخالف ہو گئے اور شورش کو ہوا دینے لگے۔امیر المؤمنین علیہ السلام نے کئی بار بیچ بچاؤ کر کے ان جھگڑوں کو روکنے کی کوشش کی لیکن دستگاہ خلافت کی وعدہ خلافیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مخالفین نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا یہاں تک کہ ان پر پانی بند کر دیا گیا۔اس موقع پر بھی علیؑ اور ان کے بیٹوں نے مخالف گروہ کے محاصرہ کو ختم کرنے کی بہت کوشش کی اور کسی طرح جناب عثمان کے گھر تک پانی پہنچوایا۔(۲۱)

بنی امیہ اور انکے ماننے والوں نے علیؑ کی اس کوشش کا کیا بہترین صلہ دیا کہ کربلا میں اہل کتاب اور کفار تو پانی پی سکتے تھے لیکن اہل بیت علی علیہ السلام کو پانی سے محروم کر دیا گیا۔

آٹھویں مصیبت: خلافت ظاہری کے زمانہ کی سختیاں

ہجرت کے پینتیسویں سال قتل عثمان کے بعد لوگوں کا رخ حضرت علی علیہ السلام کی طرف ہوا گرچہ حضرت خلافت کو قبول کرنے سے اعراض کر رہے تھے لیکن ذمہ داری کے پیش نظر خاطر اسے قبول کر لیا جس سے مصائب کا ایک نیا دور حضرت کی زندگی میں شروع ہو گیا جو آپؑ کی شہادت پر جا کر ختم ہوا۔

طلحہ و زبیر جو جناب عثمان کی مخالفت میں پیش پیش تھے، جناب عائشہ جو بارہا جناب عثمان پر تیکھی تنقیدیں کر چکی تھیں اور معاویہ جو چاہتے تو محاصرہ کے دوران خلیفہ کی حمایت کر سکتے تھے لیکن نہ کی، یہ سب کے سب خون عثمان کا بدلہ لینے کی خاطر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفۂ بلافصل کے مقابلہ میں آ گئے جس کی امت مسلمہ بیعت کر چکی تھی جس کا قتل عثمان کے واقعہ سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور کئی بار وہ اس حادثہ کو ٹالنے کے لئے مخالفین کو روکتے رہے تھے۔

علیؑ کا دل خون ہونے اور اہل جمل کی شکست فاش کے ساتھ جنگ جمل کا خاتمہ ہوا۔(۲۲) تھوڑی سی مدت کے

بعد جنگ صفین رونما ہوئی جس میں مسلمانوں کی سستی اور آرام طلب اشخاص کا معاویہ کے سکوں پر ٹوٹ پڑنا حضرت کے لئے دلی تکلیف کا سبب بن گیا اور علیؑ جیسے صابر شخص کی زبان کوفیوں کی مذمت میں اس طرح گویا ہوئی: ''اے مردوں کی شکل وصورت والو اور واقعاً نامردو! تمہاری فکریں بچوں جیسی اور تمہاری عقلیں حجلہ نشین عورتوں جیسی ہیں۔ میری دلی خواہش تھی کہ کاش میں تمہیں نہ دیکھتا اور تم سے متعارف نہ ہوتا۔ جس کا نتیجہ صرف ندامت اور رنج وافسوس ہے۔

اللہ تمہیں غارت کردے تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو رنج وغم سے چھلکا دیا ہے۔ تم نے ہر سانس میں رنج وغم کے گھونٹ پلائے ہیں اور اپنی نافرمانی اور سرکشی سے میری رائے کو بھی بیکار و بے اثر بنادیا ہے یہاں تک کہ اب قریش والے یہ کہنے لگے ہیں کہ فرزند ابو طالب بہادر تو ہیں لیکن انھیں فنونِ جنگ کا علم نہیں ہے۔ اللہ ان کا بھلا کرے۔ کیا ان میں کوئی بھی ایسا ہے جو مجھ سے زیادہ جنگ کا تجربہ رکھتا ہو اور مجھ سے پہلے سے کوئی مقام رکھتا ہو۔ میں نے جہاد کے لئے اس وقت قیام کیا ہے جب میری عمر ۲۰ سال بھی نہیں تھی اور اب تو ۶۰ سے زیادہ ہو چکی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ جس کی اطاعت نہیں کی جاتی ہے اس کی رائے کوئی رائے نہیں ہوتی ہے۔ (۴۳)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ''خدایا! میں ان سے تنگ آگیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آگئے ہیں۔ میں ان سے اُکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اُکتا گئے ہیں۔ لہذا مجھے ان سے بہتر قوم عنایت کردے اور انھیں مجھ سے ''بدتر'' حاکم دیدے''۔ (۴۴)

جنگ صفین کے خاتمہ کے ساتھ خوارج نامی گروہ وجود میں آیا جو جنگ نہروان کا سبب بنا۔ جنگ نہروان میں بچ جانے والوں نے حضرتؑ کی شہادت کی سازش رچی اور قبیلۂ بنی مراد کے ایک شقی عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرتؑ کو قتل کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔

نویں مصیبت: شہادت سے پہلے

کوفہ کے قبائل میں سے ایک قبیلہ، قبیلۂ بنی مراد سے تعلق رکھنے والے عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی جو بعد میں خوارج میں شامل ہوگیا ایک دن بیعت کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جیسے ہی حضرتؑ کی نظر اس پر پڑی آپؑ نے فرمایا:

اريد حياته و يريد قتلي   عزيري من خليلي من مرادي

میں اسکی زندگی کا خواہاں ہوں اور وہ میرے قتل کے درپے ہے میں اس کی اس شخص کا خیر مقدم اسے آزاد کر کے کر رہا ہوں۔(۲۵)

ابن ملجم اور دوسرے افراد جو وہاں موجود تھے حیرت سے پوچھا کہ اگر ایسا ہے تو پھر اسے قتل کیوں نہیں کر دیتے؟

حضرت نے فرمایا: اس گناہ کی سزا جو ابھی انجام نہ پایا ہو؟۔(اس بات میں کوئی بحث نہیں کہ کس طرح سے حضرتؑ اپنے قتل اور قاتل سے باخبر ہوئے، البتہ اسے گرفتار کیوں نہ کیا تا کہ وہ ظلم ہی نہ کر سکے اس سوال کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ اول تو خدا نے حضرتؑ کو جو ذمہ داری سونپی تھی اسکی معیاد ختم ہو چکی تھی اس سے زیادہ رکنا معنی نہیں رکھتا تھا۔جب یہ طئے ہو چکا آپؑ خدا سے ملاقات کرنے والے ہیں تو خدا سے ملاقات کا شہادت سے بہتر کون سا راستہ ہو سکتا تھا؟ دوسرے یہ کہ اگر حضرتؑ اسے گرفتار کر لیتے یا قتل کر دیتے تو دشمن کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ علیؑ جرم سے پہلے سزا دے رہے ہیں۔تیسرے یہ کہ اس طرح کے علم کا لازمہ جبر نہیں ہوتا کیونکہ اصول عقائد میں جبر و اختیار کی بحث میں یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے، علم ائمہؑ لوح محو و اثبات سے مربوط نہیں ہے جو صرف اور صرف خدا جانتا ہے بلکہ ان کا علم وہ ہے جو خدا نے انہیں تعلیم دی ہے اور خدا اس میں تبدیلی بھی لا سکتا ہے جیسا کہ امام حسن مجتبیٰؑ اور امام تقی جوادؑ کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضراتؑ کو قتل کرنے کی کئی بار کوششیں کی گئیں لیکن آپ حضراتؑ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔)

ابن ملجم نے کئی بار اپنی زبان سے یہ اقرار کیا کہ ''میں آپؑ سے محبت کرتا ہوں'' لیکن حضرتؑ فرماتے ہیں: ''تو جھوٹ بول رہا ہے۔''

یہ مسائل کی وجہ سے ایسا نہیں ہوا کہ حضرتؑ اس سے محبت نہ کریں بلکہ آپؑ نے پیسوں کی ایک مقدار اسے دی اور ایک پیراہن بھی دیا۔(۲۶) اسی طرح جس طرح سے ضربت لگنے کے بعد آپؑ نے دودھ کا وہ پیالہ جس سے خود نوش فرمایا تھا اس کو اپنے قاتل کی طرف بڑھا دیا تھا تا کہ وہ بھی اس دودھ کو پی سکے۔

اس طرح کے کریمانہ عطیات حضرتؑ کی زندگی کا معمول تھا۔آپؑ وہی ہیں جو صفین کی معرکہ آرائی میں اپنے اصحاب کو یہ کہہ رہے تھے کہ شامی فوج کو گالیاں نہ دو کیونکہ یہ عمل سیرت علوی کے مغائر ہے۔اسی طرح جب فرات پر معاویہ کے لشکر کا قبضہ ہو گیا تو انہوں نے حضرتؑ کے لشکر والوں پر پانی کر دیا لیکن جب دوبارہ فرات پر آپؑ کے لشکر کا قبضہ ہوا تو آپؑ نے تاکید کے ساتھ یہ فرمایا کہ: جو کام انہوں نے کیا وہ تم نہ کرنا۔

آپؑ ایک ایسے بلند مرتبہ پر فائز تھے کہ سختیوں کی پرواہ نہیں فرماتے۔مخفیانہ طور پر معاشرہ کے کمزور لوگوں کی مدد

فرماتے اس حال میں کہ وہ مستحق حضرتؑ کو پہچانے بغیر یہ کہتے کہ ''اے شخص تو تو علیؑ سے بہتر ہے جو ہماری مدد کر رہا ہے جبکہ میرا شوہر علیؑ کے رکاب میں جنگ کرتے ہوئے مارا گیا اور میرے بچے یتیم ہو گئے۔'' یہ علیؑ کی مظلومیت کا ایک عجیب پہلو ہے۔

امامؑ یتیموں کے گھر جاتے انہیں اپنے ہاتھ سے روٹی بنا کر کھلاتے درحالیکہ وہ لوگ اس شخص کو دعائیں دیتے رہتا اور علیؑ کو دشنام۔

علیؑ اپنی تمام تر شجاعت کے باوجود یتیموں کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ پاتے۔ ایسا علیؑ کس طرح حسینؑ کے یتیموں کو روتا دیکھ سکتا تھا!

دسویں مصیبت: شق القمر

حالت نماز میں علیؑ کا سر شگافتہ ہوا اور داڑھی خون سے خضاب ہو گئی۔ اسی ماہ رمضان میں چند روز پہلے آپ نے امام حسن مجتبیٰؑ سے یہ پوچھا تھا کہ ''بیٹا! ماہ رمضان کے کتنے روز گذر گئے؟ حسنؑ نے جواب میں کہا تھا: تیرہ دن گذر چکے ہیں۔ اس وقت امامؑ متفکر ہو کر فرماتے: وعدۂ حق نزدیک ہے۔ (۲۷)

جس شب کا وعدہ تھا وہ آ پہنچی۔ آپؑ ام کلثومؑ کے گھر مہمان تھے۔ افطار کے لئے دسترخوان بچھایا گیا۔ امام کے سامنے روٹی، دودھ اور نمک تھا۔ حضرتؑ نے ام کلثومؑ سے فرمایا: میری میوۂ دل کب تم نے دیکھا کہ تمہارا باپ اس دسترخوان پر بیٹھا ہو جس پر دو سے زیادہ قسم کے کھانے موجود ہوں؟ کلثومؑ نے چاہا کہ نمک اٹھا لے تو فرمانے لگے: تمہیں قسم ہے دودھ اٹھا لو۔

اس وقت نمک سے افطار فرمایا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ عجیب حال تھا۔ بیٹیوں اور بیٹوں کے دلوں کو دھڑکا لگ گیا۔ دوسری راتوں کی طرح یہ رات بھی مناجات میں گذری۔ ہر تھوڑی دیر سے صحن خانہ میں آتے اور آسمان کی طرف نظر کر کے خود سے سرگوشی کرتے۔

ام کلثومؑ روتے ہوئے آپؑ کو دیکھتی ہیں۔

بیٹی! جاؤ جا کر سو جاؤ۔ کیا ہوا اب تک کیوں جاگ رہی ہو؟

بابا جان! آج رات میں آپ کا کیا حال دیکھ رہی ہوں؟

فرمایا: وعدۂ حق نزدیک ہے۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کچھ نہ کہا۔ (۲۸)

طلوع فجر کا قریب ہونا غم انگیز غروب کی خبر دے رہا تھا۔ ہر روز کی طرح حضرتؑ نماز کے لئے مسجد جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ حضرتؑ کے مسجد پہنچنے سے پہلے بدمست ستمگر مسجد میں آپؑ کا انتظار کر رہے تھے۔(۲۹) جب آپؑ گھر سے نکلنے لگے تو مرغابیوں نے آپؑ کو گھیر لیا اور اپنی زبان بے زبانی میں حضرتؑ کو باہر جانے سے روک رہیں تھیں۔(۳۰)

امامؑ اس وقت وہ سوچنے لگے جو چند شب پہلے آپؑ نے اپنے فرزند امام حسنؑ سے فرمایا تھا: اپنے حبیب پیغمبر کو میں نے خواب دیکھا اور امت کے دیے ہوئے آزار و اذیت کی شکایت آنحضرتؐ سے کی۔ پیغمبر نے فرمایا: انہیں بد دعا دیجئے۔ میں نے بھی خدا سے یہ عرض کیا کہ: خدایا! مجھے ان لوگوں سے بہتر لوگ اور انہیں مجھ سے بدتر شخص عطا کر۔(۳۱)

امیر المؤمنینؑ کی صدائے اذان بلند ہوئی۔ لسان اللہ نے جب سے اپنی زبان کھولی تھی خدا کے علاوہ کسی کو نہیں پکارا تھا اور نہ کسی سے کچھ چاہا تھا۔ لوگ گلوئے پاک علیؑ سے آخری اذان سن رہے تھے۔

مسجد میں سونے والے بیدار ہو گئے۔ امامؑ نے محراب میں نماز کا آغاز کیا۔ اچانک بجلی کی چمک کی طرح تلوار چمکی جس نے نماز میں علیؑ کی قرأت کی آواز کو اس جملہ میں بدل دیا "فزت برب الکعبة"(۳۲) رب کعبہ کی قسم علیؑ کامیاب ہو گیا۔ گویا فضاؤں میں ہاتف غیبی کی یہ آواز گونجنے لگی: زمین و آسمان کے ارکان ڈھا دئے گئے مصطفیٰ کے ابن عم مارے گئے۔

ابن ملجم کی ضربت آپ کے سر پر اسی مقام پر لگی جس جگہ عمرو بن عبدود نے جنگ خندق میں لگائی تھی۔

اہل مسجد کے چیخنے چلانے کی صدائیں فرزندان علیؑ کی آہوں کے ساتھ بلند ہو گئیں جو اس وقت مسجد ہی میں تشریف فرما تھے اور ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔

گیارہویں مصیبت: انتظار شہادت

آپؑ کے فرق انور سے خون بہہ رہا تھا۔ ابن ملجم فرار ہونے میں ناکام ہو گیا۔ جب اسے پکڑ کر حضرتؑ کے سامنے پیش کیا گیا تو لوگ غصہ کے عالم میں اس کے شانوں کو شدت سے دبا رہے تھے۔ امامؑ نے ان لوگوں کو اس کام سے باز رہنے کو کہا اور قاتل کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے: کیا میں برا امام تھا؟ میرے بچوں کو یتیم کرنا تو نے کس طرح گوارا کر لیا؟ ابن ملجم کے پاس کوئی جواب نہ تھا خاموش ہو گیا۔

امامؑ نے فرمایا: اس کو مناسب خوراک دو اور اس کی محافظت کرو۔ اگر میں زندہ بچ گیا تو یہ مجھ پر ہے کہ اسے قصاص کر کے قتل کر دوں یا پھر اسے معاف کر دوں اور اگر اس کی ضربت سے میں بچ نہ سکا تو فقط ایک ہی ضربت لگانا۔

امامؑ پر ضعف طاری ہونے لگا تو حسنینؑ نے آپ کو بیت الشرف منتقل کر دیا۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ زینبؑ و ام کلثومؑ نے کس طرح امامؑ کے شگافتہ سر کو دیکھا ہوگا؟

امّ کلثومؑ بڑی بے تاب ہوگئیں اور روتے ہوئے اس مقام پر گئیں جہاں ابن ملجم کو رکھا گیا تھا۔ حضرت امّ البنینؑ، زینبؑ و ام کلثوم کے غم میں شریک ہوگئیں۔ ابن ملجم امّ کلثومؑ کو روتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا: خدا کی قسم! ایک مہینہ تک میں تلوار کو زہر میں بجھاتا رہا۔

امامؑ کو زخمی حالت میں گھر ہی پر رکھا گیا اور کندی نامی ایک حکیم حاذق کو آپؑ کے علاج کے لئے بلایا گیا۔ (۳۳) حکیم نے معائنہ کرنے کے بعد ایک سرد آہ بھری اور کچھ دیر تلک خاموش ہوگیا۔ پھر امیر المؤمنین علیہ السلام کی طرف رخ کر کے کہنے لگا: مولا! اگر کچھ وصیت ہو تو فرمالیجیے۔

حضرتؑ کے چہرہ سے یہ عیاں تھا کہ زہر آپؑ کے خون میں سرایت کر چکا ہے۔ اس موقع پر بیمار کے لئے دودھ سب سے مناسب غذا ہوتی ہے۔

کوفہ کے بعض بے نوا افراد حضرتؑ در دولت پر آپؑ کی سلامتی کی خبر سننے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ یتیم بھی ان میں موجود تھے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کے خالص اصحاب وقفہ وقفہ سے آکر آپؑ کی خیریت دریافت کرتے تھے۔ حضرتؑ کے ایک بابصیرت صحابی اصبغ ابن نباتہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ امامؑ کے در دولت پر پہنچے۔ اس وقت امامؑ سے ملاقات کرنا نہایت دشوار تھا۔ اصبغ کہتے ہیں: ہم لوگ گھر کے باہر جمع تھے۔ امام حسن علیہ السلام باہر آئے اور انہوں نے لوگوں سے اپنے گھروں کو واپس چلے جانے کے لئے کہا۔

اصبغ کہتے ہیں: سب چلے گئے لیکن میں وہیں بیٹھا رہا۔ کچھ دیر کے بعد امام حسن علیہ السلام باہر آئے مجھے دیکھ کر مجھ سے فرمانے لگے: اے اصبغ! تم کیوں نہیں گئے؟ اصبغ نے عرض کی: مولا! واپس جانے کی میرے اندر طاقت نہیں ہے۔ اصبغ جب یہ کہہ رہے تھے تو زار و قطار گریہ کر رہے تھے۔

اصبغ کہتے ہیں: اگر ممکن ہو تو کچھ لحظہ کے لئے ہی صحیح اپنے مولا کی زیارت کرنے کی اجازت دے دیجیے۔ امام حسنؑ نے اپنی شان کریمی دکھاتے ہوئے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا: ٹھیک ہے تھوڑا صبر کرو تا کہ اجازت مل جائے۔

اصبغ کا عجیب حال تھا۔ یہ سوچ رہا تھا کہ شاید یہ مولا کا آخری دیدار ہو۔تھوڑی دیر بعد امام حسنؑ دروازہ پر تشریف لائے اور اصبغ سے کہنے لگے: اندر آجاؤ۔اصبغ کہتے ہیں: میں اندر گیا۔مولا کے سر پر زرد رومال بندھا ہوا تھا۔خون بہہ جانے کی وجہ سے آپؑ کے چہرہ کا رنگ اس قدر زرد ہوگیا تھا کہ رومال کی زردی چہرے کی زردی سے زیادہ تھی۔اصبغ کہتے ہیں: میں بے اختیار مولا کے قدموں پر گر پڑا۔اتنا رویا کہ حضرتؑ اپنا ناتوان ہاتھ اسکے سر پر پھیرنے لگے اور فرمایا: اصبغ! گریہ وزاری مت کرو۔

اصبغ نے کہا: کیسے گریہ نہ کروں اب جبکہ یہ جان چکا ہوں کہ جلد آپؑ ہم لوگوں سے رخصت ہونے والے ہیں۔(اور پھر گریہ نے اسے امان نہ دیا)(۳۴)

ماہ رمضان کی بیسویں تاریخ علیؑ کی جسمانی حیات کا آخری دن۔ازواج وفرزندوں کو اپنے گرد جمع کر کے ایک ایک سے رخصت ہونے لگے۔علم امامت کے ذریعہ کربلا کے ہولناک واقعے کو جانتے تو تھے ہی ایک معنی خیز نگاہ حسینؑ، زینبؑ اور عباسؑ پر ڈالی۔

بارہویں مصیبت: شب وصال

اکیسویں رمضان کی شام آگئی۔تھوڑی تھوڑی دیر سے مولا پر غش طاری ہونے لگا۔آپؑ نے اپنے وصی امام حسنؑ کو وصیتیں کردیں۔آپؑ کی سب سے بڑی وصیت تقویٰ، نظم وضبط اور قرآن پر عمل کی تھی۔(۳۵)

وہ مولا جس نے فاطمہؑ کو دفن کرنے بعد یہ فرمایا تھا کہ:

(اے فاطمہ زہراؑ) تمہارے بعد جینے میں کوئی لطف نہیں ہے۔روتا اس لئے ہوں کہ کہیں میری مدت حیات طویل نہ ہوجائے۔''(۳۶) اب مولا کی آرزو جو زہراؑ سے ملاقات کرنا تھا پوری ہوگئی۔

اسماء بنت عمیس نقل کرتی ہیں کہ ''اچانک امامؑ بے ہوش ہوگئے اور دوبارہ ہوش میں آئے اس حال میں کہ بعض لوگوں کو خوش آمدید کہہ رہے ہوں اور اس طرح فرمارہے تھے: خوش آمدید، حمد وثناء خدا کے لئے سزاوار ہے جس کے وعدے سچے ہیں اور بہشت کو جس نے ہماری میراث قرار دیا ہے۔''(۳۷)

حضرتؑ سے پوچھا گیا کہ آپؑ کس کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں؟ تو فرمانے لگے: ''یہ میرے حبیب رسول خداؐ، میرے بھائی جعفر، چچا حمزہ ہیں۔آسمان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور فرشتے اتر رہے ہیں اور مجھے سلام کررہے ہیں، اب میری محبوب فاطمہ آرہیں ہیں جن کے گرد جنت کی حوریں ہیں۔''

اس کے بعد فرمایا: لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلْ الْعَامِلُون (۳۸)

اسی دن کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے

اس شب امیر المؤمنین علیہ السلام نے ضعف کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھی اور رو رو فقہ سے بے ہوش ہوتے رہے۔

اہل بیت علیہن السلام خاص طور پر زینب کا دل بڑا بے چین تھا۔ کچھ یتیم بھی گھر کے باہر کھڑے ہوئے تھے۔

اچانک صدائے ''واعلیاہ'' اور ''وامحمداہ'' نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا کہ وہ علیؑ جو خانۂ کعبہ میں متولد ہوئے تھے اب اس فانی دنیا میں نہیں رہے۔ ایک عظیم محشر بپا ہو گیا۔ علیؑ شہید عدالت سب سے پہلے شہید محراب کے عنوان سے ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید ہو گئے۔

تیرہویں مصیبت: اوج مظلومیت

امیر المؤمنین علیہ السلام کا جنازہ انکی زوجہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کی طرح رات کی تاریکی اور غربت کے عالم میں مخفی طور پر دفنایا گیا۔ قبل اس کے کہ کوئی دفن کا مقام اور وقت جان لے آپؑ کے بیٹوں نے آپؑ کا جنازہ اس جگہ منتقل کر دیا جہاں پہلے سے آپؑ نے نشاندہی فرما دی تھی۔ اس سے پہلے کہ فجر کا وقت ہو اور اجالا چھا جائے حضرتؑ کے پیکر مطہر کو ''غریین'' کوفہ سے قریب ایک مقام پر لے جایا گیا اور احتمال یہ ہے کہ خوارج کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے ایسا کیا گیا ہو۔

جب مقام دفن کے پاس پہنچے جو ایک ٹیلہ پر واقع تھا حضرتؑ کی وصیت کے مطابق امام حسن علیہ السلام کے حکم سے ایک قبر کھودی گئی۔ قبر سے ایک صندق برآمد ہوا جس میں ایک سنگ قبر تھا معلوم یہ ہوا کہ اس کے داہنی طرف حضرت آدم علیہ السلام کی لحد، بائیں طرف حضرت نوح علیہ السلام کی لحد ہے۔ سنگ قبر پر حضرتؑ کا نام علی ابن ابی طالب کندہ تھا۔

امام حسن علیہ السلام جو پہلے ہی اپنے باپ کو غسل و کفن دے چکے تھے اپنے بھائیوں کی رضایت کے ساتھ جنازہ کو اس مقام پر دفن کر دیا۔ یہ اوج مظلومیت ہے کہ اولین مؤمن اسلام، دین کی تقویت اور ترویج میں سب سے زیادہ با اثر سپاہی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ قربت رکھنے والے، رسولؐ کے چچازاد بھائی، فاطمہؑ کے ہمسر، رسولؐ کے بیٹوں کے والد اور خلیفۃ المسلمین کے مقام دفن کو مخفی رکھا گیا اور سوائے چند لوگوں کے کسی کو اسکی خبر نہ ہوئی۔ ہارون رشید کے زمانہ تک آپؑ کی مزار مبارک کا پتہ بہت ہی خاص لوگوں کو معلوم تھا۔ ہارون نے بنی اسد کے ایک شخص کو بلا کر دریافت کیا تو اس نے جان کی امان طلب کرنے کے بعد یہ بتلایا کہ یہاں امیر المؤمنین علیہ السلام دفن ہیں۔ یہ سن کر ہارون نے وضو کیا اور قبر مطہر کے پاس دو رکعت نماز پڑھی اور گریہ کرنے لگا (۳۹) ظاہراً یہ حکم جاری کیا کہ اس مزار پر ایک سائبان

بنادیا جائے۔

جب حسنینؑ اپنے والد کو دفن کر کے گھر واپس لوٹے ہونگے تو اپنی بہنوں کا کس طرح سامنا کیا ہوگا خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

منابع:

(۱)۔کشف الغمہ، ج ۱، ص ۶۰

(۲)۔بحار الانوار ج ۲۳، ص ۳۷۲، ح ۱۷

(۳)۔زمر/ ۳۰

(۴)۔مناقب خوارزمی، ص ۲۵۶

(۵)۔بحار، ج ۹۲، ص ۷۲

(۶)۔الطرائف، ص ۲۹

(۷)۔روضۃ الواعظین ص ۱۵۱

(۸)۔بحار، ج ۴۳، ص ۲۱۸

(۹)۔روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۶۵۱

(۱۰)۔الکافی، ج ۱، ص ۴۵۸، ح ۳؛ امالی شیخ مفید، ص ۲۸۱

(۱۱)۔مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۳۶۴

(۱۲)۔بحار الانوار، علامہ مجلسیؒ اردو ترجمہ مولانا سید حسن امداد ممتاز الافاضل، حصہ ۳، ص ۲۲۳

(۱۳)۔اصول کافی، ج ۱، ص ۴۴۸، ح ۲۸

(۱۴)۔شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۸۴

(۱۵)۔کشف الغمہ، ج ۲، ص ۳۵۳

(۱۶)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۳، خطبہ شقشقیہ، ترجمہ مولانا مفتی جعفر حسینؒ

(۱۷)۔اعراف/ ۱۵۰

(۱۸)۔نہج البلاغہ، ترجمہ علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، خطبہ ۲۱۷، ص ۴۴۳

(۱۹)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۳، خطبہ شقشقیہ، ترجمہ مولانا مفتی جعفر حسینؒ

(۲۰)۔ناقل ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج ۱ ص ۵۱

(۲۱)۔بحوالہ سابق، ج ۲،ص ۱۵۳

(۲۲)۔طبری، یعقوبی، ابن اثیر، ابن ھشام حوادث ۳۶ھ

(۲۳)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۲۷، ترجمہ علامہ سید ذیشان حیدر جوادیؒ،ص ۷۴-۷۵

(۲۴)۔نہج البلاغہ، خطبہ ۲۵، ترجمہ علامہ سید ذیشان حیدر جوادیؒ،ص ۶۹

(۲۵)۔ابن ابی الدنیا، مقتل امیر المؤمنینؑ، ص ۸۸ ح ۱؛ بصائر الدرجات ص ۸۸ ح ۷؛ کشف الغمہ ج ۹،ص ۲۷۶؛ ارشاد مفید، ص ۱۳؛ اثبات الھداۃ، ج ۴ص ۵۷۹، ح ۲۵۷

(۲۶)۔مقتل ابن الدنیا، ص ۸۸

(۲۷)۔(کشف الغمہ، ج ۱،ص ۲۷۶

(۲۸)۔ارشاد مفید، ص ۱۳

(۲۹)۔طبری، چالیس ہجری کے حوادث کے ضمن میں

(۳۰)۔ابن اعثم، الفتوح، ج ۳۔ ۴ص ۲۷۶؛ ابن عساکر، تاریخ ابن عساکر، ج ۳،ص ۳۶۰، ح ۴-۱۷

(۳۱)۔بلاذری، انساب الاشراف، ج ۲،ص ۴۹۴، ح ۵۲۹

(۳۲)۔ابن ابی الدنیا، ص ۳۹،ص ۲۰

(۳۳)۔مقتل ابن ابی الدنیا، ص ۴۳، ح ۲۹

(۳۴)۔شیخ طوسیؒ، الامالی، ص ۱۲۲،ص ۱۹۱

(۳۵)۔(مناقب خوارزمی، ص ۳۸۷، ح ۴۰۳

(۳۶)۔بحار الانوار، علامہ مجلسیؒ اردو ترجمہ مولانا سید حسن امداد ممتاز الافاضل، حصہ ۳،ص ۲۲۳

(۳۷)۔زمخشری، جار اللہ، تفسیر کشاف سورہ صفات کی ۶۱ ویں آیت کے ذیل میں

(۳۸)۔صافات/۶۱

(۳۹)۔ارشاد مفید، ص ۱۹؛ ابن قولویہ کامل الزیارات، ص ۸۵ص ۴۲، کافی، ج ۱،ص ۴۵۶، شیخ طوسی، تہذیب، ج ۶ ص ۳۴، ح ۷۱، ابوالفرج، مقاتل الطالبین، ص ۴۲؛ عبدالکریم بن طاووس، فرحہ الغری؛ ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص ۱۶۳، ابن ابی الدنیا، مقتل امیر المؤمنین ص ۱۰۹

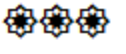

بحرین کا بحران

حجۃ الاسلام مولانا سید نجیب الحسن زیدی

بحرین ۲/۶۹۱ کلومیٹر کے رقبہ پر محیط قطر اور سعودی عرب کے درمیان خلیج فارس میں واقع ایک ایسا چھوٹا سا ملک ہے جسے کبھی اوال بھی کہا جاتا تھا۔(۱)

بحرین کی جملہ آبادی بہ مشکل ۱۲ لاکھ ۳۴ ہزار افراد پر مشتمل ہے۔اس میں بھی آدھی آبادی غیر ملکی مزدوروں اور ان کے خاندانوں کی ہے۔بحرین کی کل آبادی میں تقریبا ۷۲/ سے ۷۴/ فیصد آبادی شیعہ ہے یہ مملکت ۳۳/ چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے۔

اس کے مغرب میں سعودی عرب ہے اور یہ ۲۵ کلومیٹر طویل شاہ فہد پل {Cause way} کے ذریعہ بحرین سے جڑا ہوا ہے۔بحرین کے جنوب میں قطر واقع ہے

بحرین کے سب سے بڑے جزیرہ کا نام بھی بحرین ہے جسکا طول ۵۰ کلومیٹر اور عرض ۱۳ سے ۲۵ کلومیٹر ہے یہ جزیرہ بحرین کے کل رقبہ میں ۸۵/ فیصد رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔(۲)

بحرین کی وجہ تسمیہ

کسی زمانے میں بحرین کو ''اوال'' کے نام سے جانا جاتا تھا لیکن فی الحال بحرین کے وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں نہیں کہا جا سکتا کہ اسے بحرین کیوں کہا جاتا ہے اگر چہ معروف یہ ہے حا کہ بحرین کو بحرین اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ دو سمندروں کے درمیان واقع ہے جبکہ تاریخی اور جغرافیائی لحاظ سے ایسا ہرگز نہیں ہے۔بحرین کو بحرین ''شاید اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک طرف تو دریا ہے اور دوسری طرف یہ ایسے ریگستانی علاقوں سے گھرا ہوا ہے جو دور سے دریا کی طرح نظر آتے ہیں۔(۳)

زبان اور ملکی تقسیم

زبان: بحرین کی رسمی زبان عربی ہے لیکن اردو، فارسی اور انگریزی بھی یہاں پر کافی رائج ہے ملکی تقسیم کے اعتبار سے بحرین

کے کل پانچ صوبے ہیں جو،جنوبی،شمالی،عاصمہ،محرق،اور وسطی کے نام سے جانے جاتے ہیں اور منامہ،محرق،مشرق رفاع،مغربی رفاع،حمد سٹی،عیسیٰ سٹی،الحد،حدفحص،عوالی،زاید سٹی،الزلاق،عراد،عوالی،البدیع پر مشتمل ۱۴ شہر ہیں۔

بحرین کا اقتصاد اور قدرتی ذخائر

بحرین کی زراعت اور کھیتی باڑی کی زمینیں چھوٹے چھوٹے ٹیلوں اور وادیوں میں ہیں بحرین کے شمال کا ساحلی علاقہ اپنی زرخیزی کی مثال آپ ہے اسی لئے اکثر باغات اور فصلیں اس علاقے میں ہیں جسکا عرض صرف ۵ کلومیٹر ہی ہے اس مختصر سے حصہ میں خالق نے بحرین کو وہ سب کچھ دیا ہے جسکی وہاں کے باشندوں کو ضرورت ہو سکتی تھی۔یہ علاقہ شمال سے مشرق تک کھجوروں کے درختوں سے ڈھکا ہوا ہے اور اسی مختصر سے حصہ میں چشموں اور پانی کی قناتوں کی فراوانی کے سبب ہر طرف لہلاتے باغات ہیں جو طرح طرح کے پھل میووں اور سبزیوں سے لدے ہوئے نظر آتے ہیں بحرین کو ۱۰ لاکھ خرموں کے درختوں کی سرزمین کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔

خشک میوہ جات،کھجور،انار،کیلے،انجیر،آم،انگور،اور مختلف سبزیاں سبھی چیزوں کی اس حصہ میں ارزانی نظر آتی ہے۔(۴)''اس علاقے کے علاوہ دوسرے علاقوں میں زراعت وغیرہ کافی محدود پیمانے پر ہے بحرین کے کل رقبہ میں کھیتی باڑی کی زمین تقریبا ۲۱۵۵،۱۱ ایکڑ ہے جس میں پھل،سبزیاں وغیرہ ہوتی ہیں(۵)۔

بحرین کے مرکزی علاقے کی آب وہوا خشک ہے اور یہاں کی زمینیں بنجر ہیں یا صحرائی گھاسوں سے ڈھکی ہوئی ہیں بحرین کا سب سے اونچا علاقہ''جبل الدخان'' ہے جو ۱۳۵ میٹر آزاد پانی سے اونچائی پر واقع ہے موتیوں کی تجارت،میٹھے پانی کے چشموں،کھیتی باڑی کے لئے زرخیز زمین زراعت،باغبانی اور المونیم کی پیداوار کی بنیاد پر بحرین کو ایک ثروت مند جزیرہ کے طور پر جانا جاتا ہے ۱۹۳۲ء میں تیل کی دریافت کے بعد سے بحرین تیل اور موتیوں کے لئے شہرت رکھتا ہے بحرین کی فی کس آمدنی ۴۰۰،۳۰ امریکی ڈالر ہے اور تیل کی یومیہ پیداوار ۵۶۰،۴۸ بلین بیارل ہے،مشرق وسطی میں سب سے زیادہ المونیم بحرین میں ہوتا ہے اور دنیا میں المونیم پیدا کرنے والے ممالک میں بحرین پانچویں درجہ کا ملک جانا جاتا ہے مغربی ایشیا کی اقتصادی تنظیم کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۰۶ء میں بحرین مغربی ایشیا کے ممالک میں اقتصادی اعتبار سے سب سے زیادہ اقتصادی ترقی کرنے والے ملک کے طور پر ابھر کر سامنے آیا تھا تیل،گیس،المونیم اور دیگر معدنیات کے علاوہ بحرین میں ایک بڑی آئل رفائنری بھی ہے۔(۶)

یہاں کئی ایک غیر ملکی اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ہیڈ کوارٹس بھی ہے اور یہاں امریکہ کا پانچواں بحری بیڑہ بھی ہے بحرین عرب لیگ اور خلیجی تعاون کونسل{Gcc} کا ایک اہم ملک ہے،بحرین میں شرح خواندگی ۹۰/۸ ہے G.D.P

۲۸/۲۷۵۰ اور p.p.p ۲۶/۲۱۴ ہے۔

محرق {Moharraq}، سترہ{ Satra}، ام تعسان{Ommenacsan} بحرین کے اہم جزایر ہیں جو موتیوں کی پیداوار کی بنا پر ساری دنیا میں معروف ہیں بحرین اسلام سے قبل و بعد قریب ساتویں صدی تک پورے خلیج فارس کی ساحلی سرزمین کو بصرہ سے عمان تک شامل تھا۔(۷)

بحرین کا درخشاں ماضی

بحرین خلیج فارس کے دیگر شہروں کے طرح نہیں ہے جن کا وجود تیل کا مرہون منت ہے، بلکہ حقیقت میں بحرین مشرق وسطی میں عہد قدیم کے تمدن کا گہوارہ رہا ہے جو عیسوی صدی سے قبل دوسرے ہزارے میں دریائے سندھ کے قدیم تمدن {Mohenjodaro}اور{Harappa}. کے ہم عصر رہا ہے۔(۸)

بیان کیا جاتا ہے کہ {Henry rawlinson} نے اسی جگہ پیکانی خط {Cuneiformscript.} میں تحریر شدہ کتبہ پیدا کیا جس میں دیلم {Dilmun }جزیرہ کا نام کندہ تھا۔

{Henry rawlinson} کے بقول دیلم درحقیقت بحرین ہی کو کہا جاتا تھا، ڈینمارک کے ماہرین آثار قدیمہ بحرین سے ملنے والے آثار کو عصر حجر تک بیان کرتے ہیں۔(۹)

بحرین کے قدیم تمدن اور درخشاں ماضی کے باوجود اسے ایک ایسے بدترین واقعہ کے لیئے بھی جانا جاتا ہے جس میں قدرت و طاقت کے نشہ میں چور ایک حاکم نے اسلامی تاریخ کا بدترین واقعہ بھی رقم کیا اور یہاں کے ایک شاہی قبیلے قرامطہ کے سردار ابو طاہر سلیمان نے ۸/ذی الحجہ ۳۱۷ھ مطابق ۹۳۰ء میں کعبہ پر حملہ کر کے زم زم کے کنویں کو مسلمانوں کی لاشوں سے پاٹ دیا اور قتل و غارت گری کا وہ بازار گرم کیا کہ واقعہ حرہ سے لگے زخم مسلمانوں کے ذہنوں میں ہرے ہوگئے صرف قتل و غارت پر ہی اکتفا نہ کی گئی بلکہ حجر اسود کو کعبہ کی دیوار سے اکھاڑ کر بحرین میں اپنے پایتخت "الاحساء" منتقل کر دیا گیا ابو طاہر سلیمان نے حجر اسود کے اردگرد ایک مسجد بھی بنوائی کہ لوگ حج کے لئے مکہ مکرمہ نہ جاسکیں تقریباً ۲۵ سال تک حجر اسود بحرین میں رہا اور پھر ایک دن کوفہ کی مسجد سے اسے برامد کیا گیا جس کے پاس یہ تحریر پڑی ہوئی تھی کہ ہم نے حاکم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اسے نکالا تھا اب اسی کے فرمان پر یہاں چھوڑ رہے ہیں۔(۱۰) جبکہ اس سے قبل حجر اسود کو دوبارہ اپنی جگہ پر رکھنے کے لئے عبید اللہ مہدی نے ابو طاہر سلیمان کو خط بھی لکھا تھا اور اس عمل کی مذمت کرتے ہوئے جلد از جلد اسے اپنی جگہ واپس رکھنے کا مطالبہ کیا تھا اس کے علاوہ اس کو واپس اپنی جگہ رکھنے کے بدلہ کئی ہزار دینار کی پیشکش بھی کی گئی تھی لیکن اس وقت ابو طاہر سلیمان نے اسے ٹھکرا دیا تھا لیکن بعد میں خود

ہی بغیر کچھ لئے واپس بھی کر دیا (۱۱) کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ حجر اسود کا بحرین منتقل کرنا ان کے لئے بالکل بھی فائدہ مند نہیں ہوا بلکہ اس سے ان کی ساکھ کو ہی نقصان پہنچا ہے تو خاموشی کے ساتھ مسجد کوفہ میں لا کر ڈال دیا۔

بحرین میں اسلام کی آمد

بحرین میں اسلام کی آمد کے سلسلہ میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ بحرین میں اسلام خلیفہ اول کے دور میں آیا کچھ خلیفہ دوم کے فتح ایران سے اسے جوڑتے ہیں لیکن قدیم منابع کی طرف رجوع کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ بحرین میں اسلام خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہی پہنچ چکا تھا چنانچہ معروف مورخ بلاذری اپنی مایہ ناز کتاب فتوح البلدان میں لکھتے ہیں:

''حضور ﷺ نے ہجرت کے آٹھویں سال علا بن عبد اللہ بن عماد حضرمی کو بحرین کے مجوسی حاکم منذر بن ساوی عبدی کے نام خط دے کر بھیجا جس میں اسلام کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ خط ملنے کے بعد بحرین کا حاکم اور بحرین کی سرحدوں کا محافظ سی بخت دونوں ہی اسلام لے آئے ان دو شخصیتوں کے ایمان لانے کی بنا پر بحرین کے اطراف کے تمام اعراب نے اسلام قبول کر لیا اور خود بحرین میں رہنے والے ان مجوسیوں، یہودیوں اور نصاری سے علا بن عبد اللہ بن عماد نے صلح کر لی جنہوں نے اسلام تو نہیں قبول کیا تھا لیکن جزیہ دینے پر راضی ہو گئے تھے۔'' (۱۲)

پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد خلیفہ دوم نے علاء بن حضرمی رسول کی طرف سے بھیجے گئے نمائندے کو بحرین سے طلب کیا اور انہیں معزول کر کے عثمان بن ابی العاص ثقفی کو بحرین کا نیا حاکم بنا دیا۔ (۱۳) بحرین کے اسلامی سابقہ کے لئے اتنا کافی ہے کہ بحرین ہی وہ مقام ہے کہ جہاں مدینہ کے بعد پہلی نماز جمعہ قائم ہوئی۔ (۱۴)

بحرین میں شیعیت کی تاریخ اور ان کی مظلومیت

صدر اسلام سے ہی بحرین شیعوں کے اہم مرکز کے طور پر جانا جاتا رہا ہے گیارہ ہجری میں جب سے بحرین کے باشندوں نے امام علیؑ کی حقانیت کو سمجھا تبھی سے اب تک عقیدہ ولایت پر پابند رہے، ابان بن سعید سب سے پہلی وہ شخصیت تھی جس نے بحرین میں اس سرزمین پر ولایت اہلبیت اطہارؑ کے گلشن کی آبیاری کی اور اس کے بعد سے علماء اور عرفاء نے اپنی زحمتوں سے اس گلشن کو بارور رہنایا۔ (۱۵)

ابن بطوطہ جب اپنے تحقیقی سفر کے دوران بحرین پہنچے تو انہوں نے وہاں کی صورت حال کے سلسلہ میں جو کچھ اپنے مشاہدے کی روشنی میں بیان کیا اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ بحرین کو ایک شیعہ ملک کی طور پر جانا جاتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''بحرین میں خرما، انار اور آم کی پیداوار ہوتی ہے اور یہاں کے باشندے رافضی ہیں'' (۱۶) ایران میں شیعہ

مذہب کو رسمیت ملنے کے بعد سے بحرین کے شیعوں کی طاقت میں خاصا اضافہ ہوا ۱۵۰۰ء میں ایران میں حکومت کی جانب سے رسمی طور پر شیعہ مذہب کے اعلان کے بعد بحرین کے شیعوں نے اپنی بنیادوں کو مضبوط کرتے ہوئے علمی مراکز قائم کیئے اس دور میں جہان عرب میں بحرین کو شیعت کے ایک مرکز کی طور پر جانا جاتا تھا اور بحرین کا شمار لبنان کے جبل عامل، اور عراق کے کوفہ، نجف جیسے علمی مراکز میں ہوتا تھا...حتی سب سے پہلے صفوی بادشاہ کے بارے میں ملتا ہے کہ وہ اعتقادی مسائل کی تائید نجف اور بحرین کے علماء سے لیا کرتے تھے۔(۱۷)

بحرین میں شیعوں کی پرانی تاریخ اور انکے قدیم تمدن کی بنیاد پر مشرق وسطی میں بحرین کو شیعوں کا گڑھ جانا جاتا تھا اور یہاں کے شیعوں کا جذبہ ولا پورے خطے میں معروف تھا لیکن ۱۷۸۲ء میں بحرین میں قطر سے آنے والے الخلیفہ خاندان نے جب حکومت پر قبضہ کیا بحرین کے مشرقی ساحل کے زیادہ تر شیعہ یا تو قتل کر دیئے گئے یا انہیں ملک بدر کر دیا گیا شیعوں کو اتنی بری طرح کچلا گیا کہ آج مشرقی ساحل پر شیعوں کا کوئی اثر نظر نہیں آتا ہے اور ستر اشہر کو چھوڑ کر پورا مشرقی ساحل آج بھی سنی نشین علاقہ ہے الخلیفہ خاندان کے حکومت میں آنے کے بعد ظلم وستم کا شکار ہونے والے شیعہ مشرقی ساحل سے شمال اور مغرب کی طرف کوچ کر گئے اور اب یہ صورت حال ہے کہ بحرین کے سیاسی واجتماعی نظام میں شیعہ سب سے نچلے درجہ پر ہیں سب سے اوپر حکومت کرنے والا الخلیفہ خاندان ہے اس کے بعد سنی قبائل پھر ایرانی شیعہ جو کہ زیادہ تر بحرین کی حکومت سے وابستہ ہیں اس کے بعد آخر میں بحرین کے مقامی شیعہ۔(۱۸)

شیعوں کی ابتری میں سعودی عرب کا رول

سعودی عرب ہمیشہ سے ہی للچائی ہوئی نظروں سے بحرین کو دیکھتا رہا ہے اور وقتاً فوقتاً بحرین میں سرعام دخل اندازی بھی کرتا رہا ہے۔

جب بھی بحرین کے حالات ذرا بگڑتے ہیں اور حکومت کو لگتا ہے کہ اب حالات کنٹرول کے باہر جا رہے ہیں تو حکومت کا سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ سعودی عرب سے مدد کے لئے پکارتا ہے سعودی عرب بھی بغیر کسی تاخیر کے بحرین میں اپنے فوجی دستے روانہ کر دیتا ہے سعودیوں کی بحرین میں دخالت اتنی زیادہ ہے کہ ایک معروف شیعہ رہنما اس بارے میں کہتے ہیں: ''اگر سعودی عرب الخلیفہ خاندان کی پشت پناہی نہ کرتا تو کب کا یہ خاندان شیعوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا''۔(۱۹) سعودی عرب کی بحرین میں دخالت کوئی نئی نہیں ہے بلکہ جب بھی بحرین نے شیعوں کو کچلنا چاہا ہے سعودی عرب نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا ہے اٹھارہ سو بیس کی دہائی میں ہونے والے سعودی مظالم کو

بحرین کے شیعہ کبھی بھلا نہیں سکتے ہیں جس میں شیعوں کو جانی نقصان کے ساتھ بھاری مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا اور اپنے خون پسینہ کی کمائی سے بنانے والے گھروں کو مجبوراً دراندازوں کے حوالے کرنا پڑا تھا اٹھارہ سو بیس میں شیعوں کو جس طرح کچلا گیا تھا اس کی روداد آج بھی تاریخ کے دامن میں محفوظ ہے جس کو دیکھ کر اپنے تو کیا غیر بھی حیرت زدہ نظر آتے ہیں چنانچہ معروف مستشرق گراہم فولر عرب ممالک میں شیعہ اقلیت کی صورت حال کے عنوان پر اپنی تحقیقی کتاب میں یوں لکھتے ہیں ۱۸۲۰ء کی دہائی میں الخلیفہ حکومت نے سعودی عرب کے دواسیر {Dawasir} قبیلہ سے درخواست کی بحرین کے مغرب میں اپنے فوجی دستوں کو روانہ کریں تا کہ وہاں بسنے والے شیعوں کو باہر نکالا جا سکے، سعودی عرب کی پشت پناہی کی بنا پر شیعوں کو اپنے ہی وطن کے مزید علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا سعودی عرب کی راست دخالت کی بنیاد پر ہی یہ ممکن ہو سکا کہ الخلیفہ خاندان کی حکومت میں بھی شیعوں کے ہاتھوں رہنے والے ۳۱۳/دیہاتوں میں سے آج ان کے پاس صرف ۵۰/دیہات ہی بچے ہیں۔(۲۰)

اور صرف یہی نہیں دیگر علاقوں سے اہل سنت کو بحرین میں لا کر بسایا گیا جنہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنے آپ کو تاجروں اور فورسز کے حاکم طبقے پر مشتمل شہر نشین آبادی کو اپنے رنگ میں رنگ لیا اور شیعوں کو دیہاتوں کی طرف ڈھکیل دیا گیا جہاں بھاری لگان اور ٹیکس کی بنیاد پر وہاں کی رہی سہی زمینیں بھی شیعوں کے ہاتھ سے نکلتی چلی گئیں اور اپنی زندگی گزارنے کے لئے شیعہ مجبور ہو گئے کہ سنی وڈیروں اور فیوڈلسٹوں کی رعایہ کی حیثیت سے نخلستانوں میں مزدوروں کی طرح کام کریں (۲۱)

''اس طرح الخلیفہ خاندان نے بحرین میں شیعوں کی ثقافت کو تاراج کر دیا اور بحرین کے یہ نشیب و فراز اس بات کا سبب بنے کہ آہستہ آہستہ شیعہ کمزور ہوتے چلے گئے۔''(۲۲)

آج بھی بحرین سعودی عرب سے شدید وابستگی رکھتا ہے اور اپنی اس سیاست پر قائم ہے بحرین کی حکومت چاہتی ہے کہ سعودی عرب کے ساتھ مل کر شیعوں کی آبادی کے تناسب کو اپنے شیطانی عزائم سے بدل کر اپنے حق میں کر لے۔

بحرین کے سیاسی نشیب فراز

گزشتہ دور میں خلیج فارس کے جنوبی علاقہ بصرہ کے حد فاصل تک بحرین کہا جاتا تھا جو سعودی عرب کے احساء علاقے کو بھی شامل تھا، ساسانیوں کے دوران حکومت بحرین ایران کا ایک حصہ تھا پھر ۱۵۲۲ء سے پرتگالیوں کے ہاتھوں چلا گیا اور ۱۶۰۲ء میں ایران کی صفوی حکومت کے قبضہ میں آ گیا۔ اور ۱۹۷۱ء میں اقوام متحدہ کی ثالثی اور متنازعہ ریفرنڈم کے ذریعہ بحرین ایک خود مختار مستقل ملک میں تبدیل ہو گیا۔ ۱۶۹۹ء میں یہاں آ کر آباد ہونے والے بنی عتبی قبیلہ سے تعلق

رکھنے والے الخلیفہ خاندان کی یہاں ۱۷۸۳ سے حکمرانی ہے فی الحال بحرین پر شیخ حمد بن عیسی آل خلیفہ کی بادشاہت ہے حمد بن عیسی آل خلیفہ ۱۹۹۹ء سے اب تک ۲۰۰۲ء میں حکومت بحرین نے امارت سے سلطنت میں نام تبدیل کرلیا بحرین کے سابقے اور اسکے الخلیفہ خاندان کے ہاتھوں آنے تک کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ قرامطیوں کے بعد عباسی خلفا نے بحرین پر قبضہ کرلیا اوران کے زوال کے بعد یہاں قطیف کے شیعوں نے حکومت کی ۱۵۲۱ء میں پرتگالیوں نے بحرین پر تاخت وتاز کے بعد یہ علاقہ شیعوں سے چھین لیا اور تقریبا ۸۰ برس تک وہاں حکومت کی ۱۶۰۲ء میں شاہ عباس صفوی نے پرتگالیوں کو بحرین سے نکال باہر کیا یوں بحرین ایرانی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا اگر چہ اس سے پہلے بھی کسی زمانے میں بحرین ایران کے قلمرو کے تحت ہی شمار ہوتا تھا۔

۱۸ویں صدی میں عتبہ نام کے ایک قبیلہ نے یہاں اپنی بادشاہت قائم کرلی اور بعد میں برطانوی حکومت کی مدد سے اس کو ایک آزاد مملکت میں تبدیل کردیا۔

۱۸۶۹ء میں سلطنت عثمانی کے حاکم مدحت پاشا نے جزوی طور پر اسے عثمانی قلمرو کا ایک حصہ بنادیا، بحرین کے عثمانی سلطنت کے جزوی شمول کے تین سال بعد برطانیہ نے الخلیفہ نامی خاندان کو یہاں کی حکومت سونپ دی اور {Charles begrave}نام کے اپنے ایک افسر کو الخلیفہ حکمرانوں کا مشیر مقرر کردیا جو حقیقت میں حاکم ہی تھا اور اس کے چشم وابرو کے اشاروں پر الخلیفہ خاندان گھومتا تھا یوں برطانیہ نے ۱۸۷۲ء سے لے کر ۱۹۴۲ء تک بالواسطہ طور پر حکومت کی ۱۹۷۱ء میں بحرین کو ایران سے الگ کردیا گیا۔

۱۹۷۱ء میں ایران سے علیحدگی کے بعد بحرین مشروط سلطنتی نظام کے تحت اقوام متحدہ کی رکنیت میں آگیا تب سے لیکر آج تک وہاں الخلیفہ خاندان کی حکومت ہے جو مالکی مذہب کے پیرو ہیں۔(۲۳)

بحرین کی سیاست میں امریکہ وبرطانیہ کا رول

بحرین اور امریکہ کے گہرے و دیرینہ تعلقات ہیں ان روابط میں استحکام ۱۹۹۲ء میں تیل کی صنعت میں نکھار کے بعد پیدا ہوا ۱۹۹۸ء میں خلیج فارس میں امریکی بیڑوں کی اعلی کمان کو بحرین میں امریکہ کے پانچویں بیڑے کے سپرد کر دیا گیا ۲۰۰۱ء کو منامہ اور واشنگٹن کے درمیان دوستانہ تعلقات کا نقطہ اوج کہا جاسکتا ہے، اسی سال امریکہ کے صدر نے بحرین کو اپنے اسٹراٹیجک محاذ کا ایک ساتھی قرار دیا۔

بحرین سے امریکہ کے بے شمار مفادات وابستہ ہیں امریکہ کا پانچواں بحری بیڑہ بحرین تو ہے ہی بحرین امریکہ کے

لئے ایک بہترین بازار بھی ہے جسے وہ من چاہے انداز میں استعمال کرسکتا ہے، بہت سی امریکی کمپنیاں بحرین کے مختلف شعبوں میں مشغول ہیں جن سے خوب خوب اقتصادی فائدہ امریکہ کو پہنچ رہا ہے۔(۲۴)

جس طرح بحرین کے امریکہ سے دوستانہ تعلقات رہے ہیں اسی طرح برطانیہ کے ساتھ بھی بحرین کے اچھے تعلقات رہے ہیں بحرین کے سرکاری دفاتر میں اب بھی برطانیہ کے بہت سے افسران نظر آئیں گے جو مشیر کے طور پر اب بھی حکومتی مشینری میں برطانیہ کے مفادات کو پورا کررہے ہیں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر چہ بحرین ظاہری طور پر مملکت برطانیہ کا غلام نہیں ہے لیکن اب بھی نہ دکھنے والی غلامی کی زنجیروں کو بحرین میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔

اسکی ایک چھوٹی سی مثال بحرین کی قومی سیکورٹی کونسل کا سربراہ ایان ہنڈرسن ہے جو ۱۹۹۶ء سے عرصہ دراز تک بحرین کی سکیورٹی کا انچارج رہا اور ایک شاطر دماغ ایسا سیکورٹی اہلکار تھا جسکا مظاہروں کو کچلنے اور مخالفوں کو تتر بتر کرنے میں خاصا تجربہ تھا یہ ایک ایسا شخص تھا جس سے سنی شیعہ دونوں ہی شدید طور پر اپنی برہمی کا اظہار کرتے رہے تھے ہنڈرسن کو شدت پسندانہ کاروائیوں کی بناپر بحرین کا دوسرا صدام بھی کہا جارہا تھا اگر چہ بحرین کے عوام کی شدید مخالفت کی بناپر حکومت نے ظاہری طور پر ہینڈرسن کو سیکورٹی کے سربراہ کے عہدہ سے ہٹا کر اس کی جگہ ایک شہزادہ کو کمان سونپ دی لیکن نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ایک کاغذی کاروائی تھی جو عوام کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کی گئی تھی یا اس لئے کہ جس طرح شیعوں کو کچلنے کی سیاست ہینڈرسن کے دور بھی جاری تھی اب بھی اسی شدت کے ساتھ اس سیاست پر عمل ہورہا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ تقریبا ۲۰۰۰ر سے زیاہ شیعہ اس وقت بھی بحرین کی حکومت کی جانب سے بنائے گئے صعوبت خانوں میں قید ہیں۔(۲۵)

بحرین کی داخلی اور خارجی سیاست آج بھی برطانیہ وامریکہ کے چشم وابرو کے اشاروں پر گھومتی نظر آتی ہے جس کی ایک مثال امریکہ کے وزیر دفاع کی جانب سے بحرین کے دورہ کے بعد سعودی عرب کو بحرین پر لشکر کشی کے لئے ہری جھنڈی دکھانا ہے جس کے فورا بعد ہی سعودی عرب کے فوجی بکتر بند گاڑیوں، دبابوں اور بھاری آلات جنگی کے ساتھ دندناتے ہوئے بحرین میں گھس گئے اور نہتے و بے گناہ مظاہرین پر سیدھی فائرنگ کرنا شروع کردی جسکے بموجب دسیوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، مسجدوں اور امام بارگاہوں کو ویران کردیا گیا اور قبرستانوں کو مسمار کرکے قبروں کے نشان تک مٹادئے گئے۔

امریکہ و برطانیہ کی ایما پر بحرین حکومت نے مظاہرین کے ساتھ جو سلوک اختیار کیا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ بحرین کے سیاسی نظام کا مثلث امریکہ، برطانیہ، اور سعودی عرب جیسے ممالک پر قائم ہے جن کے مفادات کے

ساتھ ساتھ بحرین کی داخلی اور خارجہ سیاسی پالیسی گردش کرتی رہتی ہے۔

بحرین کی سیاسی تنظیمیں

بحرین میں تقریبا ۱۵ سیاسی پارٹیاں ہیں جن میں کچھ پارٹیاں اہلسنت سے متعلق ہیں تو کچھ شیعوں کی پارٹیاں ہیں

اہلسنت کی معروف سیاسی جماعتیں:

۱۔ جمعیة الاصلاح؛ جس کا تعلق اخوان المسلمین سے ہے

۲۔ العدالة الوطنیه

۲۔ الجمعیة الاسلامیه لیبرل طرز فکر رکھنے والی پارٹی جسکی قیادت ''شیخ عبد اللطیف المحمود'' کے ہاتھوں میں ہے اور اکثر حکومت کے موقف کی حمایت کرتی ہے

۳۔ جمعیة التربیة الاسلامیة سلفی نقطہ نظر رکھنے والی پارٹی جو جمہوریت اور شیعوں کے خلاف ہے

۴۔ جمعیة الاصالة الاسلامیه سلفی نقطہ نظر رکھنے والی پارٹی جس کو سعودی عرب کی حمایت حاصل ہے

شیعوں کی معروف سیاسی تنظیمیں:

۱۔ جمعیت وفاق اسلامی

۲۔ حرکۃ حق

۳۔ حرکۃ البحرین یا تحریک بحرین {BFM}

۴۔ الجبهة الاسلامیة لتحریر البحرین {IFLB}

بحرین کی سب سے بڑی اور طاقت ور پارٹی شیعوں کی اسلامی قومی وفاق نامی تنظیم (۲۶) ہے جس کے بانیوں میں ڈاکٹر سعید شہابی کا نام نمایاں ہے عمل اسلامی پارٹی، اور الرسالہ پارٹیاں بھی بحرین میں سرگرم عمل ہیں لیکن آمریت و استبداد کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں انکی مثال چمکتے ہوئے جگنوؤں سے زیادہ نہیں ہے بحرین میں یوں تو شیعہ اور اہلسنت دونوں ہی کی متعدد سیاسی پارٹیاں ہیں نظر آتی ہیں لیکن شیعوں کی زیادہ تر پارٹیاں حکومت کی جانب سے غیر قانونی ہیں تحریک بحرین {BFM} بحرین کے شیعوں کی ایک بڑی پارٹی ہے بحرین میں اسے ''حرکۃ البحرین'' کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کے اکثر رہبران بیرون ملک ہیں۔ (۲۷)

اس تنظیم کی خصوصیت یہ ہے کہ یہی وہ تحریک ہے جو بین الاقوامی سطح پر بھی پہچانی جاتی ہے اور اس کی اعلی کمان میں

پڑھے لکھے لوگ ہیں جو جانتے ہیں کہ اپنے مطالبات کو کس طرح سامنے رکھنا چاہیے لبنان کی مجلس کے سابقہ اسپیکر مرحوم شیخ مہدی شمس الدین سے بھی اس تحریک کے اچھے روابط تھے۔(۲۸)

منامہ کے شمال میں قدیمی شہر ''محرق'' تحریک بحرین کا گڑھ سمجھا جاتا ہے اس شہر میں آدھی آبادی شیعوں کی ہے اور آدھی اہلسنت کی تحریک بحرین کی اعلی کمان میں دو طرح کے داخلی اور بیرونی رہبران ہیں داخلی طور پر رہبری کرنے والے سامنے نہیں رہتے ہیں لیکن اس بات کا احتمال ہے کہ شیخ عبدالامیر الجمری سے اس کا تعلق ہو۔شیعوں کی ایک اور بڑی سیاسی پارٹی ''{IFLB} الجبۃ الاسلامیۃ لتحریر البحرین ہے جو ۱۹۸۰ء میں ہادی مدرسی کی قیادت میں وجود میں آئی

اسکے علاوہ کچھ لیبرل پارٹیاں بھی سرگرم عمل ہیں جیسے ''جمعیۃ عمل وطنی''، ''دیمکراسی'' اور ''دیمکراسی تقدمی'' وغیرہ حکومت بحرین کے مخالفین میں ایک قد آور نام شیخ علی سلمان کا ہے جنہوں نے حوزہ علمیہ قم میں تعلیم حاصل کی ہے اور ۱۹۹۳ میں ہونے والے شیعوں کے حکومت مخالف مظاہروں میں کلیدی رول ادا کیا تھا۔(۲۹)

بحرین میں شیعوں کی موجودہ صورت حال اور ان کے مطالبات

دنیا کے ہر ملک میں اقلیتوں کے حقوق کو ہمیشہ ایک قانونی حیثیت حاصل رہی ہے اور جہاں بھی ان حقوق پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے وہاں بین الاقوامی تنظیمیں مصروف عمل ہو جاتی ہیں اور بات اقوام متحدہ تک جا پہنچتی ہے عالمی برادری میں اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لئے ہر حکومت اقلیتوں کو رجھانے کی کوشش کرتی ہے لیکن بحرین میں تاریخ کا یہ عجیب المیہ ہے کہ وہاں کی اکثریت کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے اور جب وہ اپنے حقوق کی آواز اٹھاتے ہیں تو انہیں باغی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔بحرین کی حکومت شیعوں کے مطالبات سے ہمیشہ کنارہ کش رہی ہے اور کبھی بھی ان کے اعتراض کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوئی اور نہ ہی حکومت میں انکے لئے کوئی جگہ رکھی گئی ہے۔

بحرین میں اکثریت کے باوجود یہ حالت ہے کہ شیعوں کی حکومتی مشینری میں کوئی بھی نمایندگی نہیں ہے برائے نام کام کی وزارت کا صرف ایک قلم دان شیعہ کے پاس ہے۔

بحرین کی حکومت کی جانب سے اکثریت کے حقوق کو نظر انداز کر دینے کے باجود ڈیموکریسی اور حقوق بشر کا دم بھرنے والے سامراجی جرگے کے بحرینی حکومت سے گہرے دوستانہ تعلقات ہیں جو خود بخود انکے کھوکھلے دعووں کی قلعی کھول رہے ہیں جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حقوق بشر اور ڈیموکریسی امریکہ اور اس کے حلیفوں کو صرف وہاں پسند ہے جہاں اس کے مفادات خطرے میں ہوں لیکن جہاں ان کے مفادات جڑے ہوں وہاں انہیں کوئی آمریت یا حقوق بشر کی پامالی نظر نہیں آتی ذیل میں ہم گراہم فولر کی کتاب The arab shia;the forgeotten

muslims کا ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں جس سے بحرین کے شیعوں کے مطالبات اور ان کے حقوق کی حکومت بحرین کی جانب سے پامالی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے گراہم فولر لکھتے ہیں:

☆شیعوں کا ماننا ہے کہ انکے ساتھ صنعت وحرفت اور دیگر میدانوں میں بھید بھاؤ سے کام لیا جاتا ہے

☆انکا مطالبہ ہے کہ ۲۰۰۰ء سے اوپر سیاسی قیدیوں کو آزاد کیا جائے۔

☆انکا مطالبہ ہے شیعوں کو اذیتیں دینے اور ہراساں کرنے کا سلسلہ ختم کیا جائے۔

''شیعوں کو اکثر غیر ملکی پلیس کے سامنے جواب دینا پڑتا ہے جو شدت پسندانہ طریقہ کار اپناتی ہے یہ لوگ اکثر تو عربی میں بھی بات نہیں کرتے اور توہین آمیز برتاؤ کرتے ہیں جن سے ہمیشہ ہی شیعوں کی جھٹ پٹ جھڑپیں ہوتی ہیں، یہ لوگ شیعوں کے گھروں میں دندناتے ہوئے گھس جاتے ہیں انکا مذاق اڑاتے ہیں اور انہیں مارتے پیٹتے ہیں''۔(۳۰)

☆شیعوں کا مطالبہ ہے کہ ان کے مقدمات کی سماعت کے لئے خصوصی فوجی عدالتوں کو ختم کیا جائے اس لئے کہ ان میں ملزم کو اپنے دفاع کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ جاسوسی اداروں کی جانب سے فراہم ہونے والی اطلاعات کے بموجب فرد جرم عائد کر کے فیصلہ سنایا جاتا ہے حتی کسی گواہ کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جاتی غالبا غیر بحرینی ججوں کو فیصلہ سنانے کے لئے بلایا جاتا ہے جو رسمی تائید کے لئے جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے فیصلہ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ملزم سے جرم کا اعتراف کرا کر فیصلہ سنا دیتے ہیں، اگر جج کے سامنے کوئی بے چارہ اپنی زبان کھول دیتا ہے اور ٹارچر کی بنیاد پر کیے گئے اعتراف کو جھٹلا دیتا ہے تو اسے دوبارہ کال کوٹھری میں بھیج دیا جاتا ہے اور اتنا ٹارچر ہوتا ہے کہ وہ نہ کیے ہوئے جرم کو قبول کر لے پھر اسی اعتراف جرم کی بنیاد پر اسے سزا سنا دی جاتی اس عدالتی کاروائی کی خاص چیز یہ ہے کہ اس کی طرف سے سنائے جانے والے فیصلوں میں تجدید نظر ونظر ثانی کی اپیل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔(۳۱)

☆ بحرین کے شیعوں کی حکومت سے ناراضگی کی ایک بڑی وجہ سرکاری یونیورسٹیوں میں شیعوں کے ساتھ بھید بھاؤ ہے شیعوں کے ساتھ تعصب اتنی زیادہ ہے کہ بعض لیبرل سنی بھی اس بات کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ بہت سے ایسے شیعہ طالب علم جو اپنے کلاس کے دس بہترین وممتاز طالب علموں میں شمار ہوتے ہیں یونیورسٹی کا منھ تک نہیں دیکھ پاتے جب کہ اہل سنت کمترین درجہ کے باوجود یونیورسٹی میں پہنچ جاتے ہیں

بقول گراہم فولر'' حکومت کی پالیسیاں شیعہ اور سنی معاشروں میں نفرت کا زہر گھول رہی ہیں اور آج یہ نفرت وایک دوسرے سے بیزاری متوسط تعلیمی سطح پر محسوس کی جاسکتی ہے''۔(۳۲)

☆شیعوں کا ماننا ہے کہ ۱۹۹۰ء تک شیعوں کو اپنے مذہبی رسوم کی ادائگی میں ایک نسبی آزادی حاصل تھی لیکن حکومت

نے جب سے شدت پسندانہ رویہ اختیار کیا ہے تب سے مذہبی مدارس، امام بارگاہوں، کو یلغار کا سامنا ہے یا ان مقامات پر حکومت کی جانب سے چڑھائی ہو جاتی ہے یا ان پر تالا لگا چڑھا دیا جاتا ہے۔

اور شیعوں کے مذہبی رسوم پر حکومت کی کڑی نظر رہتی ہے ۱۹۹۲ میں شیعوں نے برادران اہل سنت کے ساتھ مل کر بنیادی دستور العمل کے نفاذ و احیا کا مطالبہ کیا (۳۳) تو اس کے جواب میں الخلیفہ نے کسی بھی طرح کے مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا بلکہ شیعوں کو اور بری طرح کچلنے کی سیاست اپنائی جسکے نتیجہ میں شیعوں نے بھی سڑکوں پر مظاہرے شروع کر دئے سالھا سال جاری رہے اور ان میں مزید شدت آتی رہی لیکن حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

بحرین کے شیعہ مظلوم عوام کے حقوق کی پامالی پر عالمی برادری کا ردعمل

بحرین کے شیعہ مظلوم عوام پر ہونے والے مظالم کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہیں لیکن یہ مغرب کی دوغلی پالیسی ہے کہ ایک طرف تو لیبیا کے مطلق العنان حاکم کی جانب سے لیبیائی عوام پر ہونے والے مظالم کے بہانے نیٹو کی فوجیں طیاروں، لڑاکوں اور جنگی ساز و سامان کے ساتھ بقول ان کے عوام کے حقوق کا تحفظ کر رہی ہیں لیکن بحرین میں انہیں نہ تو وہاں کے عوام کے حقوق کی پامالی نظر آتی ہے اور نہ الخلیفہ خاندان کی مطلق العنانیت جبکہ بحرین کے شیعوں کے حقوق کی پامالی کا اعتراف خود بارہا مغرب نے کیا ہے حتی بحرین میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے پیش نظر قرارداد بھی پاس کی ہے ذیل کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

☆ برطانیہ کے وزیر خارجہ نے اس بات کا اعتراف کیا کہ بحرین کی حکومت کی مخالف تحریک بحرین ایک میانہ رو پارٹی ہے جسکے مطالبات معتدل ہیں۔

☆ ۲۴ / جولائی ۱۹۹۷ء میں تحفظ حقوق بشر کے ادارہ نے بحرین میں حقوق بشر کنونشن کی مخالفت کے سلسلہ میں اپنی ۱۰۹ صفحات پر مشتمل رپورٹ پیش کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا کہ بحرین میں وسیع پیمانے پر مدنی اور سیاسی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے اور بحرین کی سنگین صورت حال میں حقوق بشر کے قوانین کی رعایت نہ کرنے کا بہت بڑا دخل ہے۔ (۳۴)

بحرین میں حقوق بشر کنونشن کی مخالفت کے سلسلہ میں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (۳۵)

☆ اقوام متحدہ کے ادارہ حقوق بشر کی ذیلی کمیٹی کی جانب سے ۱۹۹۷ء میں تصویب شدہ تاریخی قرارداد میں واضح الفاظ میں حکومت بحرین میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے سلسلہ میں حکومت کی مذمت کی گئی۔

☆ یورپ کی پارلیمنٹ نے ایک اور تاریخی قرارداد میں بحرین کی حکومت سے مطالبہ کیا کہ بحرین میں سیاسی بنیادوں پر قید ہونے والے افراد کو رہا کیا جائے اور یہاں کے محکمہ عدالت میں شنوائی کے طریقہ کو بین الاقوامی معیاروں سے ہم

آہنگ کیا جائے اس قرارداد میں یورپ کی پارلیمنٹ نے یورپین ممالک سے مطالبہ کیا کہ بحرین کو اسلحوں کا تعاون نہ دیا جائے۔(۳۶)

بحرین میں شیعوں کے حقوق کی پامالی کے خلاف مذکورہ بالا قراردادوں کے بعد اب سوچنے کا مقام ہے کہ ان قرار دادوں کے نفاذ کی ضمانت کیا ہے؟ کیا پوری دنیا کو جنگ کا اکھاڑا سمجھنے والے امریکہ اور اس کے حلیفوں میں اتنا دم خم بھی نہیں کہ خود اپنی ہی قراردادوں کی دھجیاں اڑانے والے مطلق العنان حاکم کو سبق سکھائے؟ یا پھر پس پردہ سب کچھ انہیں کے اشاروں پر ہو رہا ہے لیکن یہ اس لئے خاموش ہیں کہ ان کے مفادات انہیں سکوت پر مجبور کر رہے ہیں اور یہ اس لئے چپ ہیں کہ اگر موجودہ اسلامی بیداری کو نہ دبایا گیا تو کہیں بیداری کا امواج سمندران کے تخت حکومت کو نہ بہالے جائے کہیں ایسا نہ ہو اسلامی بیداری کی لہریں اسرائیل کی غاصب حکومت تک نہ پہنچ جائیں شاید یہی وجہ ہے کہ سب کچھ دیکھ کر بھی یہ بے خبر بنے ہوئے بیٹھے ہیں بلکہ اپنے سامراجی حیلوں ہتھکنڈوں کے ساتھ وہابیت کو آلہ کار بنا کر اسلامی بیداری کی اٹھتی ہوئی لہروں کو طاقت کے بل پر دبانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس سے بے خبر کہ بزعم خود بحرین کے شیعہ مظلوم عوام کو کچلنے کے لئے ان کی کاروائیاں جتنی بھی شدت پسندانہ کیوں نہ ہوں لیکن یہ انکی آواز کو ہرگز نہیں دبا سکتے کیوں کے بحرین کے ہر مظلوم شیعہ کے دل میں کربلا بسی ہوئی ہے جو ہر وقت ہر حال میں باطل کو للکارنے کا حوصلہ دیتی رہی گی، باطل کی ہر تدبیر ناکام ہوگی اس کی تمام نیرنگی چالیں برباد ہوں گی اس لئے کہ جہاں نظروں میں کربلا ہوتی ہے وہاں باطل اپنی طاقت پر اترانا تو ضرور نظر آتا ہے لیکن فتح کربلا ہی کی ہوتی ہے۔

فکر حق سوز یہاں کاشت نہیں کر سکتی
کربلا تاج کو برداشت نہیں کر سکتی

آج نہیں تو کل آل خلیفہ کے تاج کی دھجیاں اڑنے والی ہیں اس لئے کہ کربلا کے نور سے متصل چراغ حقیقت میں چراغ الٰہی ہے اور اسے پھونکوں سے نہیں بجھایا جاسکتا ہے۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

''یُرِیدُونَ أَنْ یُطْفِؤُا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَ یَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ یُتِمَّ نُورَهُ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

ترجمہ: یہ لوگ چاہتے ہیں کہ نور خدا کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجھا دیں حالانکہ خدا اس کے علاوہ کچھ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ وہ اپنے نور کو تمام کردے چاہے کافروں کو یہ کتنا ہی برا کیوں نہ لگے۔(۳۷)

حوالے وحواشی:

(۱)۔اصطخری،۳۲؛ابن حوقل،ص ۲۶۷ مقدسی رص ۵۳ ،یاقوت حموی، ج ۱،ص ۳۹۵

(۲)۔۔دانشنامہ جہان اسلام ص ر۳۳۰ حرف رب ، زیر نگرانی ،غلام علی حداد عادل

(۳)۔جغرافیای تاریخی کشورھاے اسلامی ڈکتر حسین قرچانلو،ص ر۲۳۱

(۴)۔دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی،ص۴۰۰،زیر نگرانی موسوی بجنوردی

(۵)۔دانشنامہ جہان اسلام حرف ب ص ر۳۳۲ ، زیر نگرانی ،غلام علی حداد عادل

(۶)۔مجموعہ مقالات خلیج فارس، مقالہ سرزمین بحرین ،ص ۸۶،مرتضی اسعدی، جہان اسلام ،ذیل بحرین ، ؛علی محمدی ،بحرین جزیرہ ایمان ،ص ۱۹،جغرافیای جہان اسلام ،ص ر۲۲۶

(۷)۔جغرافیای تاریخی کشورھاے اسلامی ڈکتر حسین قرچانلو،ص ر۲۳۱، ۲۴۰

(۸)۔شیعان عرب ،مسلمانان فراموش شدہ ،گراھام ای فولر، رند رحیم فرانک ،ص ،۲۴۶

(۹)۔دانشنامہ جہان اسلام ، ص ر۳۳۲ حرف رب ،زیر نگرانی ،غلام علی حداد عادل

(۱۰)۔ رشیدالدین طبیب ، جامع التواریخ ،ص ر۱۷

(۱۱)۔ابن اثیر، الکامل جلد ۶ ،ص ر۲۳۵

(۱۲)۔بلاذری ،فتوح البلدان ص ر۱۱۳

(۱۳)۔بلاذری، فتوح البلدان ص ر۱۱۳

(۱۴)۔غلام رضا گلی زوارہ ،جغرافیای جہان اسلام ، آشنائی با کشورھای اسلامی وقلمرواقلیتھای مسلمان ص ر۲۲۴

(۱۵)۔علامہ مظفر ،تاریخ شیعہ ،ترجمہ ،سید محمد باقر حجتی ،ص ر۳۴۷

(۱۶)۔ابن بطوطہ ،سفرنامہ ابن بطوطہ ترجمہ محمد علی موحد ،تہران ر۱۳۶۱

(۱۷)۔ Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the forgeotten muslims;chapter 6

(۱۸)۔فصل ششم ،شیعان عرب مسلمانان فراموش شدہ ص ر۲۴۷

(۱۹)۔ Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the forgeotten muslims;chapter 6

(۲۰)۔فصل ششم ،شیعان عرب مسلمانان فراموش شدہ ص ر۲۴۷

(۲۱)۔ Momen,op,cit.,p.145 ,

(۲۲)۔ Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the forgeotten muslims;chapter 6

(۲۳)۔ غلام علی حداد عادل، دانشنامہ جہان اسلام حرف ب، ص/۱۳۱ نقل از، سدید السلطنۃ، ص/۴۸۷

(۲۴)۔ Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the
forgeotten muslims;chapter 6

(۲۵)۔ Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the
forgeotten muslims;chapter 6

(۲۶)۔ Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the
forgeotten muslims;chapter 6

(۲۷)۔ Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the
forgeotten muslims;chapter 6

(۲۸)۔ Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the
forgeotten muslims;chapter 6

(۲۹)۔ Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the
forgeotten muslims;chapter 6

(۳۰)۔ Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the
forgeotten muslims;chapter 6

(۳۱)۔ Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the
forgeotten muslims;chapter 6

(۳۲)۔ Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the
forgeotten muslims;chapter 6

(۳۳)۔ شیعان عرب، مسلمانان فراموش شدہ، گراھام ای فولر، رند رحیم فرانک، ص، ۳۴۶

(۳۴)۔ Humanrights watch ,op .,cit,pp1,43

Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the forgeotten
muslims;chapter 6

(۳۵) Routineabuse,Routine denial; civil Rights and political crisis in Bahrain
{Washington,D'c:Human Rights watch /Middle Est,1997}

(۳۶)۔ Al-jamri,op'cit.

(۳۷)۔ توبہ/۳۲

منابع:

۱۔قرآن کریم

۲۔ابن بطوطہ، سفرنامہ ابن بطوطہ، ترجمہ محمد علی موحد، تہران ۱۳۶۱

۳۔ابن اثیر الکامل فی التاریخ، بیروت ۱۴۰۵/۱۹۸۵ء

۴۔ابن جوزی، ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، دارصادر

۵۔ابن حوقل؛ صورۃ الارض؛ بیروت لبنان؛ منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ، ۱۹۷۹ء، لیدن

۶۔بلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، تہران نشر نقرہ

۷۔محمد علی بن احمد، سدید السلطنہ،

۸۔محمد بن احمد مقدسی، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم

۹۔یاقوت حموی، معجم البلدان

۱۰۔ڈاکٹر حسین قرچانلو، جغرافیای تاریخی کشورھائے اسلامی

۱۱۔غلام رضا گلی زوارہ، جغرافیای جہان اسلام، آشنائی با کشورھای اسلامی وقلمرو اقلیتھای مسلمان

۱۲۔دانشنامہ جہان اسلام حرف ب، زیر نگرانی غلام علی حداد عادل

۱۳۔دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی جلد ۱۱، زیر نگرانی کاظم موسوی بجنوردی

۱۴۔ڈاکٹر شامی، یحییٰ، موسوعۃ المدن العربیۃ والاسلامیۃ، بیروت، دار الفکر العربی

۱۵۔ Geoffery bibby " The origins of the archaeology, edited by shaikha

۱۶۔ haya ali al-khalifa and ۱۵۔ micheael rice , london 1986

۱۷۔ -1988 Atlas of the middle east, ed' Moshe barwer , new york.

۱۸۔ Fuller,Graham,E, & Rend rahim francke The arab shia;the forgeotten muslims

chapter;۔6

❀❀❀

رؤیت ہلال

ازافادات :حضرت مولانا مفتی جعفر حسینؒ
تلخیص وتصرف :محمد عباس مسعود حیدرآبادی

چاند کا منظر اتنا دلکش ہوتا ہے کہ جب وہ سورج کی شعاعوں کو اپنے دامن میں سمٹ کر شفق کے رنگین پردوں سے جھانکتا ہے تو دنیا کی نظریں اسکی طرف اٹھ جاتی ہیں اور ہاتھ صانع حقیقی کی بارگاہ میں بلند ہوجاتے ہیں ۔ یہ چاند کبھی ہلال ہے تو کبھی قمر کبھی بدر ہے اور کبھی رو بہ زوال ۔

اس کی کشش اور دل آویزی کا کرشمہ ہے کہ آپ وگل کے بسنے والے اس پر کمندیں ڈال رہے ہیں اور اسے تسخیر کرنے کے لئے خلائے بسیط کی راہوں کو ہموار کر رہے ہیں ۔ ہلال کا اطلاق اگر چہ عام طور پر پہلی رات کے چاند پر ہوتا ہے مگر بعض اہل لغت کے نزدیک دوسری تاریخ کے چاند کو بھی ہلال کہا جاتا ہے اور بعض ہلال کی آخری شب تیسری رات کو قرار دیتے ہیں ۔

ہلال کے معنی

ہلال اہلال سے ماخوذ ہیں اور اہلال کے معنی آواز بلند کرنے کے ہوتے ہیں اور عربی زبان میں جس لفظ میں پائے ہوز اور تکرار لام ہو اس میں عموماً شہرت اور بلند آواز کے معنی ہوتے ہیں اور ہلال کی بھی یہی صورت ہے جب وہ نکلتا ہے تو اور بلند آواز پھیل جاتی ہے اور زبانوں پر اس کا چرچا ہونے لگتا ہے ۔

یا یہ کہ ہلل سے ماخوذ ہے جس کے معنی ضعف وکمزوری کے ہیں اور یہ چونکہ ایک باریک کمان کی صورت میں نظر آتا ہے اس لئے اسے ہلال کہا جاتا ہے ۔

رویت ہلال صرف دیکھنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ تیس دن پورے ہوجائیں یا دو راستگو شخص گواہی دیں یا ایسی شہرت ہوجائے جس سے چاند کے ہونے کا یقین ہوجائے تو رویت ثابت ہے ۔

فوائد ہلال

قدرت نے اس چاند کے ذریعہ گوناگوں فوائد و منافع کا سامان کیا ہے اگر چہ اس کے فوائد و خواص اہل تحقیق ہی جانتے ہیں مگر کچھ فوائد وہ ہیں جنکا مشاہدہ ہر کس و ناکس کر سکتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص یہ دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس سے تاریک راتیں روشن و منور اور اسکی روشنی سے اشیاء کی نمود ہوتی ہے۔ اور اس کے طلوع و غروب، عروج و زوال اور سیر و حرکت سے ازمنہ و اوقات منضبط ہوتے ہیں۔ جس سے کائنات میں ہم آہنگی اور زندگی کے ہر شعبہ میں نظم و ترتیب قائم ہوتی ہے۔ چنانچہ قدرت نے اس فائدہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس﴾ اے پیغمبر! تم سے لوگ پہلی راتوں کے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں ان سے کہا نسان کے لئے وقت کا حساب رکھنے کے لئے ہے۔

جن لوگوں نے سب سے پہلے تشکیل اوقات کی طرف توجہ کی وہ اہل مصر تھے۔ چنانچہ آثار مصر کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں وہ ایک مہینہ ظاہر کرنا چاہتے تھے وہاں ہلال کی شکل بنا دیتے تھے۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے بھی قمری حساب برقرار رکھا اور قمری مہینوں کے لحاظ سے سال کی تحدید کی۔ اسلام میں یہ سال سنہ ہجری کہلاتا ہے۔ اسکی ابتداء امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے مشورہ سے پیغمبر کی ہجرت پر رکھی گئی۔ اگر ہجرت کا واقعہ ۲۷ صفر کو پیش آیا اور ۲ ربیع الاول کو آنحضرتؐ کا مدینہ میں ورود ہوا مگر محرم کی اہمیت اور شہرت اور شہر الحرام میں نمایاں ہونے کی وجہ سے اسے سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔ اسلام نے اعمال و عبادتکی بنیاد زیادہ تر قمری حساب پر رکھی تا کہ تعین وقت میں کوئی دشواری نہ پیش آئے اور جو سورج سے متعلق جیسے افطار صوم یا اوقات نماز یا نماز آیات تو انکا تعلق سورج کے مشاہدہ یعنی طلوع و غروب و زوال اور کسوف سے ہے جسمیں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔

رؤیت ہلال

رؤیت ہلال کے وقت یہ تاثر ذہن میں قائم ہے کہ یہ اللہ کی قدرت و عظمت کی گذرگاہ میں ایک ذرۂ بے مقدار سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ لہذا اس کے سامنے کسی عظمت و تقدیس کا اظہار نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ اہل بیتؑ سے جو رویت ہلال کے آداب وارد ہوئے ہیں یا انکے عمل سے ظاہر ہوتے ہیں ان میں یہ امر ملحوظ رکھا گیا کہ تھلل و سرافگندگی صرف اللہ کے سامنے ہو اور اسے صحیفۂ قدرت کی ایک آیت اور عظمت الٰہی کی ایک نشانی کی حیثیت سے دیکھا جائے مثلاً یہ کہ دعا کے موقع پر چاند کی طرف ہاتھ یا سر یا کسی اور حصۂ جسم سے اشارہ نہ کیا جائے۔

آداب رویت ہلال

۱۔دعا: رویت ہلال سے متعلق ائمہ معصومین علیہم السلام سے کئی ایک دعائیں وارد ہوئیں ہیں جنکا پڑھنا مستحب ہے۔

۲۔ہاتھوں کو اسی طرح بلند کیا جائے کہ جس طرح اللہ کے حضور دعا کے لئے بلند کئے جاتے ہیں۔چاند کا افق کسی طرف ہو دعا پڑھنے والا رو بہ قبلہ کھڑا ہوالبتہ جن فقروں میں چاند سے خطاب ہے ان فقروں کے پڑھنے کے وقت چاند کی طرف رخ کرسکتا ہے۔

۳۔جس جگہ چاند دیکھے وہاں سے الگ ہونے سے پہلے دعا پڑھ لے تا کہ قدرت کی کرشمہ سازی کا تاثر مضمحل نہ ہونے پائے۔

۴۔چاند دیکھنے کے بعد مصحف، آب رواں، سبزہ وگل اور فیروزہ وغیرہ دیکھے تا کہ آنکھوں میں تروتازگی، دلوں میں نزہت آفریں مسرت اور قدرت کی عجائب آفرینی کا تصور پیدا ہو۔

آداب دخول ماہ رمضان

ماہ رمضان کے ہلال کو طلب کرنا سنت ہے۔جب چاند دیکھے تو اشارہ کرے طرف ہلال کے اور قبلہ رخ ہاتھ اٹھا کر کہے

رَبِّیْ وَ رَبُّکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ	میرا اور تیرا پروردگار وہی اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے
اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہُ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَ الْاِیْمَانِ وَ السَّلَامَۃِ وَ الْاِسْلَامِ وَ الْمُسَارَعَۃِ مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی	خداوندا! ظاہر کر اس چاند کو ہمارے اوپر امن و ایمان اور سلامتی اور اسلام اور تیرے محبوب اعمال وافعال کی طرف تیزی کرنے ساتھ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ شَھْرِنَا ھٰذَا وَارْزُقْنَا خَیْرَہُ وَ عَوْنَہُ وَاصْرِفْ عَنَّا ضَرَّہُ وَ شَرَّہُ وَ بَلَآئَہُ وَ فِتْنَتَہُ	خداوندا! ہمیں برکت دے اس مہینہ میں اور ہمیں عطا کر اس کی بہتری اور اس کی امداد اور دور کر ہم سے اس کا نقصان اور اسکی خرابی اور اس کی مصیبت اور اس کی آزمائش

❀❀❀

شرعی مسائل

بشکریہ: نور اسلامک مشن، شعبۂ قم

۱۔ روزہ

❁ مبطلات روزہ (وہ کام جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے) کیا ہیں؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: نو چیزیں روزہ کو باطل کرتی ہیں: ۱۔ کھانا پینا ۲۔ جماع ۳۔ استمناء (انسان اپنے ساتھ، خود یا کسی دوسری چیز کے ذریعہ جماع کے علاوہ کوئی ایسا کام انجام دے کہ جسکی وجہ سے منی نکل جائے) ۴۔ خدا و پیغمبر ﷺ اور ائمہؑ پر بہتان باندھنا ۵۔ غلیظ گرد و غبار کا حلق میں لے جانا ۷۔ جنابت، حیض، نفاس یا استحاضہ پر اذان صبح تک باقی رہنا ۶۔ پانی میں سر ڈبونا ۷۔ اذان صبح تک جنابت، حیض اور نفاس پر باقی رہنا ۸۔ روان شئی کے ذریعے امالہ (لئیما) کرنا ۹۔ جان بوجھ کر قے کرنا

آیۃ اللہ سیستانی: آٹھ چیزیں روزہ کو باطل کرتی ہیں: ۱۔ کھانا پینا ۲۔ جماع ۳۔ استمناء ۴۔ بناء بر احتیاط واجب خدا و پیغمبرؐ اور ائمہ علیہم السلام پر جھوٹ اور بہتان باندھنا ۵۔ بناء بر احتیاط واجب گرد و غبار حلق میں لے جانا ۶۔ اذان صبح تک جنابت، حیض یا نفاس پر باقی رہنا ۷۔ روان شئی کے ذریعے امالہ (لئیما) کرنا ۸۔ جان بوجھ کر قے کرنا

❁ وہ لوگ جو بغیر کسی عذر شرعی کے جان بوجھ کر روزہ نہیں رکھتے انکا کیا حکم ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: ایسے لوگوں پر قضاء کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہے اور وہ کفارہ یہ ہے: دو مہینے روزے رکھے جسمیں سے ۳۱ دن لگاتار روزہ رکھے گا اور باقی ۲۹ دن کا روزہ فاصلہ کے ساتھ رکھ سکتا ہے یا ۶۰ فقیروں کو کھانا کھلائے یا ان سب کو ایک مدطعام دے یعنی کھانے کی جگہ ہر ایک فقیر کو ۷۵۰ گرام گیہوں، روٹی، جو یا اس طرح کی چیزیں بھی دے سکتا ہے اور اگر دوسرے سال کے رمضان المبارک تک قضا نہیں کی تو احتیاط لازم کے بناء پر ہر روز کے بدلے ایک مدطعام اور دیگا۔

۲۔ بیماری میں روزہ

اگر ڈاکٹر نے روزہ رکھنے سے منع کیا ہو لیکن وہ شخص خود جانتا ہے کہ روزہ اسکے لیے مضر نہیں ہے تو کیا روزہ

رکھنا جائز ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: اگر جانتا ہے کہ روزہ اسکے لئے ضرر نہیں رکھتا ہے تو روزہ رکھنا ضروری ہے۔

❁ مریض کو مجبوری یا بغیر مجبوری سے رگ کے ذریعے دی جانے والی غذا سے روزہ باطل ہوتا ہے یا نہیں؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: احتیاط واجب کی بناء پر ترک ضروری ہے اور مجبوری کی صورت میں روزہ کی قضاء واجب ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: دونوں صورتوں میں روزہ باطل نہیں ہے۔

۳۔ مبطلات روزہ

❁ اگر ایک مؤمن روزہ رکھے لیکن اسے یہ معلوم نہ ہو کہ جان بوجھ کر جنابت کا ارتکاب کرنے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے تو اسکا کیا وظیفہ ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: اگر اس شخص کو اطمینان تھا کہ جنابت سے روزہ باطل نہیں ہوتا ہے یا اس کی طرف بالکل متوجہ نہیں تھا تو ایسی صورت میں قضا تو واجب ہوگی لیکن کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

❁ کیا وہ آلہ (Inhaler) جسے دمہ کا مریض سانس کے لیے استعمال کرتا ہے، روزے کو باطل کرتا ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: اگر آلہ سے نکلنے والا مادہ صرف ہوا ہے تو اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن اگر اسمیں دوا ملی ہوئی ہو اور وہ حلق میں داخل ہو جائے تو روزہ کا صحیح ہونا مشکل ہے اور اس سے اجتناب واجب ہے لیکن اگر اسکے بغیر روزہ رکھنا مشقت اور زحمت کا باعث ہو تو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: اگر اس آلہ سے نکلنے والی گیس خوراک کی نالی میں داخل نہ ہو بلکہ سانس کی نالی میں داخل ہو تو روزہ باطل نہیں ہوگا۔

۴۔ مسافر کا روزہ

❁ جو شخص ماہ مبارک رمضان میں ظہر سے پہلے سفر پر جانا چاہتا ہے تو کیا وہ سفر کرنے سے پہلے کچھ کھا سکتا ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: حد ترخص یعنی وہ جگہ جہاں سے شخص شہر کی اذان کی آواز نہ سنے اور شہر کی دیواروں کو نہ دیکھ سکے اس جگہ تک پہنچنے سے پہلے وہ کچھ کھا پی نہیں سکتا۔

آیۃ اللہ سیستانی: حد ترخص یعنی وہ جگہ جہاں شہر کے رہنے والے اور وہ لوگ جو شہر سے باہر اور اسکے اطراف میں رہتے ہیں، وہ مسافر کو نہ دیکھ سکیں اور مسافر بھی انکو نہ دیکھ پائے اس جگہ تک پہنچنے سے پہلے وہ کچھ کھا پی نہیں سکتا اور اگر حد ترخص تک

بچنے سے پہلے کچھ کھالے تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہے۔

❁ اگر کوئی شخص ماہ مبارک رمضان میں ظہر کے بعد سفر پر جانا چاہتا ہے تو اسکے روزہ کا کیا حکم ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: اس شخص پر اس دن کا روزہ واجب ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: احتیاط واجب کے طور پر اس شخص پر اس دن کا روزہ واجب ہے۔

۵۔بلوغ

❁ لڑکے اور لڑکیاں کب بالغ ہوتے ہیں؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: بلوغ کی تین علامتیں ہیں جس میں سے کوئی ایک علامت بھی ظاہر ہو جائے تو وہ شخص بالغ ہو جاتا ہے۔

۱۔ہجری تاریخ کے مطابق لڑکا ۱۵ سال کا اور لڑکی ۹ سال کی ہو جائے۔

۲۔زیر ناف اور بغلوں میں سخت بال اگ آئیں۔

۳۔خواب یا بیداری میں احتلام ہو جائے۔

❁ اگر کوئی شخص متوجہ ہو کے وہ ایک عرصہ پہلے بالغ ہو چکا ہے اور اسے یہ بھی نہیں پتا کے کب بالغ ہوا ہے تو گذشتہ زمانہ میں اس سے جو واجبات ترک ہوئے ہیں اسکا کیا حکم ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: وہ شخص اتنے دنوں کے واجب اعمال کی قضا انجام دے گا کہ اسکو یقین حاصل ہو جائے کہ اس پر کسی واجب عمل کی قضا باقی نہیں ہے۔

۶۔تقلید

❁ تقلید کیا ہے اور کب واجب ہوتی ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: شرعی مسائل میں کسی جامع الشرائط مجتہد کے فتووں پر عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں جو بالغ ہونے کے ساتھ واجب ہوتی ہے۔

❁ مرجع تقلید کی کیا شرائط ہیں؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: وہ فقیہ جو مرد، بالغ، عاقل، عادل، زندہ، حلال زادہ، شیعہ اثنی عشری اور احتیاط واجب کی بناء پر دنیا کا لالچی نہ ہو اس کی تقلید کی جا سکتی ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: وہ فقیہ جو مرد، بالغ، عاقل، عادل، زندہ، حلال زادہ اور شیعہ اثنی عشری ہو اس کی تقلید کی جا سکتی

ہے۔

۷۔مرجع تقلید کا انتخاب

❁اگر ایک زمانہ میں ایک سے زیادہ مراجع ہوں تو ان میں سے کس کی تقلید کرنی چاہیے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: اگر ایک وقت میں اہل علم نے ایک سے زیادہ مراجع کی مرجعیت کا اعلان کر دیا ہو اور کسی ایک کا اعلم ہونا معلوم نہ ہو پائے تو کسی ایک کی تقلید کی جا سکتی ہے۔

❁اگر کوئی شخص ایک مدت تک بغیر تقلید کے رہے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: اگر اس کے گزشتہ اعمال اس جامع الشرائط مجتہد کے فتوے کے مطابق ہوں جسکی اسے تقلید کرنی چاہیے تو اس کے اعمال صحیح ہیں لیکن اگر مجتہد کے فتوے کے مطابق نہ ہوں تو اس پر گزشتہ اعمال کی قضاء واجب ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: اگر اس کے گزشتہ اعمال اس جامع الشرائط مجتہد کے فتوے کے مطابق ہوں جسکی اسے تقلید کرنی چاہیے تو اس کے اعمال صحیح ہیں لیکن اگر مجتہد کے فتوے کے مطابق نہ ہوں تو اگر جاہل قاصر (وہ شخص جس نے اپنے شرعی احکام کو سمجھنے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو) ہے اور اعمال کے ارکان میں نقص نہ ہو تو بھی اس کے اعمال صحیح ہیں اور یہی حکم اس شخص کے لئے بھی ہے جو جاہل مقصر (وہ شخص جس نے اپنے شرعی احکام کو سمجھنے میں کوتاہی کی ہو) ہو اور اس نے اپنے اعمال اس طرح انجام دئے ہیں کہ حکم سے جاہل ہونے کے باوجود صحیح ہیں جیسے نماز کو دھیمی آواز سے پڑھنے کے بجائے بلند آواز سے پڑھا ہو یا اسکے برعکس اور یہی حکم اس کے لئے بھی ہے کہ جو اپنے گزشتہ اعمال کی کیفیت سے واقف نہ ہو کہ اسکے اعمال صحیح ہے یا نہیں

۸۔وضو

❁وضو کن چیزوں سے باطل ہوتا ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: وضو صرف آٹھ چیزوں سے باطل ہوتا ہے: ۱۔پیشاب ۲۔پاخانہ ۳۔معدہ سے خارج ہونے والی ریح ۴۔آنکھ اور کان پر غالب ہو جانے والی نیند ۵۔وہ چیزیں جو عقل کو زائل کرتی ہیں جیسے دیوانگی، مستی اور بیہوشی ۶۔حیض، نفاس اور استحاضہ ۷۔جماع ۸۔استمناء

آیۃ اللہ سیستانی: وضو صرف سات چیزوں سے باطل ہوتا ہے: ۱۔پیشاب ۲۔پاخانہ ۳۔معدہ سے خارج ہونے والی ریح ۴۔آنکھ اور کان پر غالب ہو جانے والی نیند ۵۔وہ چیزیں جو عقل کو زائل کرتی ہیں جیسے دیوانگی، مستی اور بیہوشی ۶۔استحاضہ ۷۔جنابت، بلکہ احتیاط مستحب کی بناء پر ہر وہ کام جسکے لئے غسل ضروری ہے۔

❁ کن کاموں کے لئے وضوء کرنا ضروری ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: چھ کاموں کے لئے وضوء کرنا واجب ہے: ۱۔نماز میت کے علاوہ تمام واجب نمازیں ۲۔وہ سجدہ اور تشہد جو نماز میں چھوٹ گیا ہو ۳۔واجب طواف ۴۔نذر، عہد اور قسم کی وجہ سے ۵۔بدن کے کسی حصہ کو قرآن کے حروف یا کلمات تک پہونچانے کے لئے ۶۔اللہ کا نام (چاہے جس زبان میں ہو) اور رسول اکرم ﷺ، ائمہ معصومین علیہم السلام اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے ناموں کو مس کرنے کے لئے۔

آیۃ اللہ سیستانی: چھ کاموں کے لئے وضوء کرنا واجب ہے: ۱۔نماز میت کے علاوہ تمام واجب نمازیں ۲۔وہ سجدہ اور تشہد جو نماز میں چھوٹ گیا ہو ۳۔واجب طواف ۴۔اگر نذر، عہد یا قسم کھائی ہو کہ وضو کرے ۵۔بدن کے کسی حصہ کو قرآن کے حروف یا کلمات تک پہونچانے کے لئے ۶۔احتیاط واجب کی بناء پر اللہ کے ناموں اور اسکی خاص صفات (چاہے جس زبان میں ہو) اور رسول اکرم ﷺ کے نام کو ہاتھ لگانے کے لئے وضوء ضروری ہے اور بہتر یہ ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے ناموں کو بھی وضوء کے بغیر ہاتھ نہیں لگایا جائے۔

۹۔غسل کا طریقہ

❁ غسل ترتیبی کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: پہلے غسل ترتیبی کی نیت کرے پھر تمام سر و گردن کو اور اسکے بعد بدن کے سیدھے حصے اور پھر الٹے حصے کو دھوئے

آیۃ اللہ سیستانی: پہلے غسل ترتیبی کی نیت کرے پھر احتیاط واجب کی بناء پر تمام سر و گردن کو اور اسکے بعد تمام بدن کو دھوئے اور بہتر یہ ہے کہ پہلے بدن کے سیدھے حصے اور پھر الٹے حصے کو دھوئے۔

❁ غسل ارتماسی کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: بدن پاک ہونے کے بعد نیت کرے اور پھر پورے جسم کو ایک ساتھ پانی میں ڈبوئے۔

آیۃ اللہ سیستانی: غسل ارتماسی دو طریقوں سے ہوسکتا ہے:

۱۔دفعی طریقہ: اس غسل میں نیت کے بعد ایک بار میں تمام بدن تک پانی پہونچانا ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ غسل شروع کرنے سے پہلے پورا بدن پانی سے باہر ہو، اگر بدن کا کچھ حصہ پانی سے باہر ہے تو اگر اسے غسل کی نیت سے پانی میں لے جائے تو کافی ہے۔

۲۔تدریجی طریقہ: بدن کو غسل کی نیت کے ساتھ دھیرے دھیرے پانی میں اس طرح لے جائے کہ عرف میں اسے ایک عمل شمار کیا جائے۔اس غسل میں بدن کے ہر حصے کو پانی میں لے جانے سے پہلے اسکا پانی سے باہر ہونا ضروری ہے۔

۱۰۔غسل

❁ کیا مستحب غسلوں کے بعد نماز کے لئے وضو ضروری ہے؟

آیۃاللہ خامنہ ای: غسل جنابت کے علاوہ تمام غسلوں کے بعد وضو ضروری ہے۔

آیۃاللہ سیستانی :انسان مستحب غسلوں کے بعد بغیر وضوء کے نماز پڑھ سکتا ہے اور وضوء کرنا واجب نہیں ہے اگر چہ احتیاط مستحب یہ ہے کہ وضوء کرلے۔

❁وہ شخص جو مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے یا بے توجہی کی وجہ سے واجب غسلوں کو انجام نہ دے تو اسکی عبادت (نماز ،روزہ وغیرہ) کا کیا حکم ہے؟

آیۃاللہ خامنہ ای: اگر بے توجہی کی وجہ سے واجب غسلوں کو انجام نہ دے تو نماز اور روزے کی قضا کے ساتھ ساتھ روزہ کا کفارہ بھی واجب ہے لیکن اگر مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے ایسا کیا ہے تو صرف نمازوں کی قضا کریگا اور اگر مسئلہ کے جاننے میں کوتاہی نہ کی ہو تو فقط روزوں کی قضا کریگا۔

آیۃ اللہ سیستانی :ایسی صورت میں نمازیں باطل ہیں اور اگر غسل جنابت، غسل حیض اور غسل نفاس کو عمداً انجام نہیں دیا ہے تو روزہ بھی باطل ہے لیکن اگر مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے ایسا کیا ہے تو روزہ صحیح ہے۔

۱۱۔نماز

❁اگر نماز کے دوران اسے یاد آجائے کہ غیر شرعی طریقہ سے ذبح شدہ جانور کے چمڑے سے بناء بیلٹ لگائے ہوئے ہے یا اس کی گھڑی کا پٹا اس چمڑے سے بناء ہے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: نماز باطل ہے اور دوبارہ سے نماز پڑھنا ضروری ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی :اگر دوران نماز یاد آجائے تو فوراً اتار دے اور اس کی نماز صحیح ہے۔

❁اگر نماز کی حالت میں دوسری رکعت میں تشہد بھول جائے تو کیا اس کی نماز باطل ہو جائے گی؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: ایسی صورت میں وہ نماز تمام کرنے کے بعد فوراً تشہد کی قضاء کرے گا اور پھر سجدۂ سہو انجام دیگا اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز ختم ہونے کے بعد فوراً دو مرتبہ سجدہ کرے اور اس سجدے میں یہ ذکر پڑھے:"بسم اللہ و باللہ اللھم صل علی محمد و آل محمد" پھر جب دوسرے سجدہ سے فارغ ہو جائے تو تکبیر کہہ کر نماز کے تشہد اور سلام کی طرح تشہد و سلام بجالائے۔

آیۃ اللہ سیستانی :نہیں! بلکہ ایسی صورت میں وہ نماز تمام ہونے کے بعد دو سجدۂ سہو انجام دیگا۔

۱۲۔نماز جماعت

❁ جماعت سے نماز پڑھنے والے شخص پر کن چیزوں کا پڑھنا واجب اور کن چیزوں کا پڑھنا مستحب ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: ماموم پر حمد وسورہ کو چھوڑ کر باقی تمام چیزوں کا پڑھنا واجب ہے لیکن اگر ماموم کی پہلی یا دوسری رکعت اور امام کی تیسری یا چوتھی رکعت ہو تو حمد وسورہ بھی پڑھنا واجب ہے اور اگر ماموم نماز صبح اور نماز مغربین کی پہلی اور دوسری رکعت میں امام کی حمد وسورہ کی قرائت کو سن رہا ہو (اگر چہ صحیح سے اس تک آواز نہ آرہی ہو) تو اسے حمد وسورہ نہیں پڑھنا چاہئے لیکن اگر بالکل آواز نہ آرہی ہو تو مستحب ہے کہ حمد وسورہ آہستہ آہستہ پڑھے اور اگر بھولے سے بلند آواز میں پڑھ لے تو بھی نماز صحیح ہے اور نماز ظہرین کی پہلی اور دوسری رکعت میں ماموم کے لیے مستحب ہے کہ ذکر (مثلاً سبحان اللہ یا الحمد للہ) پڑھے۔

❁ اگر کوئی شخص تیسری اور چوتھی رکعت میں نماز جماعت میں شریک ہونا چاہے تو اسکا کیا حکم ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: اگر امام جماعت کے رکوع میں جانے سے پہلے حمد پڑھ سکتا ہے تو اسی وقت اقتدا کرے نہیں تو ضروری ہے انتظار کرے اور امام کے رکوع میں جانے کے بعد اقتدا کرے۔

آیۃ اللہ سیستانی: اگر امام جماعت کے رکوع میں جانے سے پہلے حمد پڑھ سکتا ہے تو اسی وقت اقتدا کرے نہیں تو بہتر ہے کہ انتظار کرے اور امام کے رکوع میں جانے کے بعد اقتدا کرے۔

۱۳۔نماز جمعہ

❁ کیا نماز جمعہ میں سورہ جمعہ پڑھنا واجب ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: نہیں! واجب نہیں ہے۔کوئی دوسرا سورہ بھی پڑھا جا سکتا ہے اگر چہ مستحب ہے کہ نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ پڑھا جائے۔

❁ نماز جمعہ میں لاپرواہی کی وجہ سے شرکت نہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: اگر چہ نماز جمعہ واجب تخییری ہے یعنی جمعہ کے دن نماز ظہر یا نماز جمعہ میں سے کسی ایک کو پڑھ سکتا ہے لیکن نماز جمعہ میں لاپرواہی بہتر نہیں ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: نماز جمعہ واجب تخییری ہے۔

۱۴۔سجدہ

❁ کیا کنکریٹ (گٹی، بجری) کے بنے ہوئے ٹائلس پر سجدہ جایز ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی :جایز ہے بشرطیکہ اس کے اوپر پلاسٹک وغیرہ کا کوئی مواد نہ ہو۔

❁ بعض اوقات کیسٹ کے ذریعہ قاری سے آیۂ سجدہ سنی جاتی ہے تو کیا اس صورت میں سجدہ واجب ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: اگر تلاوت قرآن کو خود باقاعدہ سن رہا ہے تو سجدہ واجب ہے اور اگر تلاوت قرآن کی آواز اچانک اسکے کان میں پڑ گئی تو سجدہ واجب نہیں ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: اس صورت میں سجدہ واجب نہیں ہے۔

۱۵۔خمس

❁ وہ پیسہ جو بینک وغیرہ میں شادی کرنے، مکان خریدنے یا حج کرنے کے لئے جمع کیا جاتا ہے تو کیا اس پیسہ میں خمس واجب ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: واجب حج یا مکان خریدنے کے لئے جمع کیا ہوا پیسے پر دو، تین سال تک خمس واجب نہیں ہے اور شادی کے لئے اگر پیسہ جمع کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ ہو تو اس پر بھی خمس واجب نہیں ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: گھر خریدنے اور شادی کے لئے جمع کئے ہوئے پیسے پر خمس واجب ہے لیکن اگر واجب حج کے لئے پیسہ جمع کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے تو اس پر خمس واجب نہیں ہے۔

❁ اگر خمس کی تاریخ گزرنے کے بعد تنخواہ ملے تو کیا وہ گزشتہ سال کی درآمد میں شمار ہوگی یا اسی سال کی درآمد میں؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: جس سال تنخواہ ملے اس سال کی درآمد میں شمار ہوگی۔

آیۃ اللہ سیستانی :اس میں خمس دینا واجب ہے۔

۱۶۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

❁ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی کی ہدایت اور برائی سے روکنا) صرف علماء پر واجب ہے یا سب لوگوں پر؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی :شرائط کے موجود ہونے پر ہر مسلمان پر واجب ہے۔

❁ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو تنبیہ کی غرض سے اتنا مارے کہ اسکے جسم پر نیل پڑ جائے یا جسم کا کوئی حصہ مجروح ہو جائے تو کیا باپ پر دیت واجب ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی :ہاں اس باپ پر دیت واجب ہے۔

۱۷۔حجاب (پردہ)

❁ کیا حجاب ضروریات دین یعنیان چیزوں میں سے ہے جن کے وجوب پر عقیدہ نہ ہونے سے انسان دین سے خارج ہوجاتا ہے؟اور وہ لوگ جو حجاب کے متعلق بے لاپرواہی کرتے ہیں انکا کیا حکم ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی :حجاب ضروریات دین میں سے ہے اور لاپرواہی کرنے والے لوگ گنہگار ہیں۔

❁ بے پردہ عورت یا فلم کی ہیروئن وغیرہ کی تصاویر کو شائع کرنے یا گھر اور گاڑیوں میں لگانے کا کیا حکم ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای :چونکہ فحاشی کا سبب ہے لہذا حرام ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی :اگر گناہ کا باعث ہے تو حرام ہے۔

۱۸۔بے پردہ عورتوں کو دیکھنا

❁ اگر ایک مسلمان عورت پردہ نہ کرے اور سب کے سامنے یونہی چلی آئے تو کیا لوگوں پر اپنی نظریں جھکانا واجب ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: واجب ہے نگاہ نہ کرے۔

آیۃ اللہ سیستانی :اگر کوئی عورت پردے کی رعایت نہیں کرتی اور اسکے جسم کے بعض حصے عام طور پر نمایاں رہتے ہیں تو انکی طرف شہوت اور لذت کے بغیر نظر ڈالنا جائز ہے اور اگر لذت وشہوت کے ساتھ نظر ڈالے تو حرام ہے۔

❁ وہ غیر مسلم عورتیں جو محترم بھی نہیں ہیں اور پردے کی قائل بھی نہیں ہیں تو کیا انکی طرف لذت کی نگاہ ڈالی جاسکتی ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی :لذت کی نگاہ سے دیکھنا جائز نہیں ہے۔

۱۹۔عورتوں کے احکام

❁ زنانی محفل میں عورتوں کا کچھ پڑھنا کیسا ہے جب کہ انکی آواز نامحرم بھی سن رہے ہوں اور اس میں فساد کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: جائز نہیں ہے۔

❁ کیا خواتین ان مردوں کا بدن دیکھ سکتی ہیں جو عزاداری کے دوران اپنا لباس اتار دیتے ہیں؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: نہیں! جائز نہیں ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: احتیاط واجب کی بناء پر ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

۲۰۔اسقاط حمل

❁اسقاط حمل (بچہ گرانے) کا کیا حکم ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: جائز نہیں ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: جائز نہیں ہے مگر یہ کے بچہ کا باقی رہنا ماں کے لیے بہت زیادہ نقصان دہ ہو۔

❁اگر کوئی اسقاط حمل کرے تو اسکا کیا حکم ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: دیت واجب ہے اور اگر حمل ٹھہرنے کے چار مہینے بعد جان بوجھ کر اسقاط حمل کیا ہے تو کفارہ جمع بھی دینا ہوگا یعنی ایک غلام کو آزاد کرے، دو مہینے روزہ رکھے اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

آیۃ اللہ سیستانی: دیت (وہ رقم جو اسلام میں مسلمان کے قتل یا زخمی ہونے کی صورت میں وارث کو دی جاتی ہے) واجب ہے۔

۲۱۔لباس

❁ کیا مرد اور عورت ایک دوسرے کا لباس پہن سکتے ہیں؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: اگر دیکھنے والے لوگ یہ کہیں کے عورت نے مرد یا مرد نے عورت کا لباس پہن رکھا ہے تو حرام ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: احتیاط واجب کی بناء پر مرد اور عورت کے لئے ایک دوسرے کا لباس پہننا جائز نہیں ہے۔

❁وہ لباس جو صرف کفار سے مخصوص ہیں کیا انکا پہننا صحیح ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: جائز نہیں ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: احتیاط واجب کی بناء پر مسلمان کے لئے وہ لباس پہنا جائز نہیں ہے جو کافروں سے مخصوص ہے۔

۲۲۔ڈاکٹر سے معائنہ

❁ کیا عورتوں کا نامحرم ڈاکٹر سے معائنہ کرانا جیسے ریڈیولوجی (radiology) کرانا، سونوگرافی (sonography) کرانا، انجکشن لگوانا یا آپریشن کرانا جائز ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: اگر حرام نگاہ یا چھونے کا سبب نہ بنے تو جائز ہے اور اگر حرام نگاہ یا چھونے کا سبب بنے اور اس مرض کا اسپیشلسٹ ڈاکٹر موجود نہیں ہے تو دکھانا جائز ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: اگر عورت کی طرف نگاہ حرام یا اسکے جسم پر ہاتھ لگانے کا سبب بنے اور ڈاکٹر فی موجود ہو تو جائز نہیں

ہے لیکن اگر تجربہ کار ڈاکٹرنی موجود نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

❁مرد کا کسی نامحرم ڈاکٹرنی سے معائنہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: اگر معائنہ کرانا ضروری نہ ہو اور حرام نگاہ یا چھونے کا سبب بنے تو حرام ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: ماہر ڈاکٹر کی موجودگی میں جائز نہیں ہے، خصوصاً اس وقت کہ جب نگاہ حرام یا ہاتھ لگانے کا سبب بنے

۲۳۔ داڑھی

❁داڑھی مونڈنے کی اجرت لینا صحیح ہے یا نہیں؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: حرام کام کے لئے اجرت لینا حرام ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: حرام ہے۔

❁ کیا فرنچ کٹ (French Style) داڑھی رکھی جا سکتی ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: حرام ہے۔ بعض داڑھی کے چھیلنے کا حکم تمام داڑھی کے چھیلنے کا حکم ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: جائز نہیں ہے احتیاط واجب کی بناء پر پوری داڑھی رکھنا چاہئے۔

۲۴۔ شادی اور طلاق

❁جن شادیوں میں گانا بجانا ہو رہا ہو لیکن اگر ان میں شرکت نہ کی جائے تو رشتہ داری میں اختلافات اور دشمنی کا سبب بنتا ہے تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: اگر ایسی جگہ گانا بج رہا ہے جہاں گانے بجانے کو کوئی نہ سن سکے اور اسکی شرکت اس کام کی تائید نہ شمار کی جائے تو شرکت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

آیۃ اللہ سیستانی: رشتہ داری میں اختلافات، مسئلہ شرعی کے حلال ہونے کا سبب نہیں بن سکتے اس لئے ایسی شادی میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔

❁اگر ساس بہو کے اختلاف کی وجہ سے ماں اپنے بیٹے کو حکم دے کہ وہ بہو کو طلاق دے تو کیا ماں کی اطاعت واجب ہے؟ اور اگر ماں بیٹے سے کہے کہ طلاق نہ دینے کی صورت میں وہ عاق ہو جائیگا تو ایسی صورت میں بیٹے کا کیا وظیفہ ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: اس کام میں ماں کی اطاعت واجب نہیں ہے اور نہ ہی عاق کرنے سے بیٹا عاق ہوگا، البتہ بیٹے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے قول و فعل کے ذریعہ ماں کی بے ادبی سے اجتناب

کرے۔

۲۵۔کھانا پینا

❁ کیا مسیحیوں کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزیں کھائی جا سکتی ہیں؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: کھائی جا سکتی ہیں۔

آیۃ اللہ سیستانی: اگر ان کی بنائی ہوئی چیزوں میں نجاست کے ملنے کا یقین نہ ہو تو ان کے ہاتھ کی چیزیں کھائی جا سکتی ہیں کیونکہ اہل کتاب پاک ہیں۔

❁ جس دسترخوان پر شراب یا کوئی اور نشہ آور چیز پی جا رہی ہو کیا اس دسترخوان پر کھانا پینا صحیح ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: جائز نہیں ہے اور شرکت بھی نہیں کر سکتا۔

آیۃ اللہ سیستانی: اس دسترخوان پر کھانا پینا حرام اور احتیاط واجب کی بناء پر وہاں بیٹھنا بھی حرام ہے۔

۲۶۔کاروبار

❁ اگر کسی غیر اسلامی ملک میں مسلمان معمار (مستری) یا ٹھیکیدار کو غیر اسلامی عبادت گاہ تعمیر کرنے کی پیشکش کی جائے تو کیا اسے قبول کرنا جائز ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: قبول کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ باطل ادیان کی تبلیغ و ترویج میں شمار ہوتی ہے۔

❁ کیا ایسی دکانوں میں کام کرنا جائز ہے جہاں ننگی تصویروں پر مشتمل رسالے بکتے ہوں اور کیا ایسے رسالوں کی تجارت و طباعت جائز ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: یہ تمام کام جائز نہیں ہیں کیونکہ یہ فعل حرام کی ترویج اور فحاشی کا پرچار ہے۔

۲۷۔خرید و فروخت

❁ کیا ہم اہل سنت سے مچھلی خرید سکتے ہیں جبکہ ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ چھلکے والی ہے یا نہیں؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: اگر کھانے کے لئے خرید رہا ہے تو خریدنا حرام ہے لیکن اگر کھانے کے علاوہ کسی اور کام کے لئے خرید رہا ہے تو کوئی اشکال نہیں ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: اس کا خریدنا تو جائز ہے لیکن اس وقت تک کھانا جائز نہیں ہے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ چھلکے والی ہے۔

❁ کیا اسرائیلی (Israelian) چیزوں (Products) کی خرید و فروخت جائز ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی :حرام ہے۔

۲۸۔سودخوری

❁ سودخوری کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی :سودخوری جس صورت میں بھی ہوحرام ہے۔

❁ غیر اسلامی ممالک میں بینک میں پیسہ رکھنے پر بینک والے سود کے طور پر کچھ پیسہ دیتے ہیں، کیا اس کا لینا ہمارے لئے جائز ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی :غیر اسلامی بینکوں میں اکاؤنٹ کھولنا جائز ہے اور اگر وہ سود کے طور پر کچھ پیسے دیں تو اسے لینا بھی جائز ہے۔

۲۹۔فطرہ

❁ اگر کسی شخص کا فطرہ دوسرے شخص پر واجب ہو لیکن دوسرا شخص ادا نہ کرے تو اسکا کیا حکم ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای: اس شخص پر فطرہ واجب نہیں ہے۔

آیۃ اللہ سیستانی: اگر خود دے سکتا ہے تو احتیاط واجب کی بناء پر فطرہ دے۔

❁ اگر چاند رات میں کوئی شخص افطار پر مومنین کو دعوت دے تو کیا اس پر ان مومنین کا فطرہ بھی واجب ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی: واجب نہیں ہے۔

۳۰۔کافر کے مال کی چوری

❁ کیا غیر مسلم کے مال کو چرایا جاسکتا ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی :غیر مسلم کے مال کی چوری اس صورت میں بھی جائز نہیں جب مسلمان بدنام نہ ہو رہے ہوں۔

❁ غیر اسلامی ممالک میں پانی، بجلی، اور گیس کے میٹروں (meters) کو چلنے سے روکنے کا کیا حکم ہے؟

آیۃ اللہ خامنہ ای اور آیۃ اللہ سیستانی :جائز نہیں ہے۔

❁❁❁

منظومات

دعا

علامہ نجم آفندیؒ

اے خدا اے دردمندوں کے خدا عاجز و ناچیز بندوں کے خدا
اے زمانے بھر کے رکھوالے خدا اے ہمارے پالنے والے خدا
تو نے اے صورتِ گر انسانیت ہم کو بخشا جوہرِ انسانیت
تیری قدرت آنکھ میں کاجل بنی گود ماں کی مکتبِ اول بنی
ہم سے نادانوں کو دانا کر دیا فہم و دانش سے توانا کر دیا
روشنی تیری دماغ و دل میں ہے تو ہی رہبر علم کی منزل میں ہے
اے خدائے عرش و فرش و خاک و آب تو نے ہم کو نعمتیں دیں بے حساب
غم بھی دے ملت کا غمخواری بھی دے دل کو احساسِ خودداری بھی دے
راستی کی دولتِ بیدار دے عزمِ محکم قوتِ ایثار دے
نیکیوں کا جذبۂ خاموش بھی امتیازِ نیک و بد کا ہوش بھی
ذوق محنت حق پرستی سادگی شر سے نفرت خیر پر آمادگی
دل سے بہتر فطرتِ دل چاہیے قوم کی خدمت کے قابل چاہیے
سر پہ آنکھوں پر یہ فانی زندگی اور دے اک جاودانی زندگی
رحم کر ہر قوم کے انسان پر ابر رحمت بھیج ہندوستان پر

❀❀❀

منقبت امام حسن علیہ السلام

ناشر ولاء اہلبیتؑ حضرت میر ابراہیم علی حامیؔ

یہ حق کی بات ہے یہ فکرِ طبع زاد نہیں
جہاں حسنؑ کی ولا ہے وہاں فساد نہیں

ازل سے خیر میں اور شر میں اتحاد نہیں
سحر کو شام کی طینت پہ اعتماد نہیں

رہیں گے دونوں جہاں میں اسی طرح جاری
حسنؑ کے لطف و عنایت میں انجماد نہیں

بفیضِ مدح حسنؑ عشق و عقل ہیں باہم
دل و دماغ کے بھی درمیاں تضاد نہیں

غلامِ حضرتِ شبرؑ کے آگے قابل ذکر
شکوہِ قیصر و اعزاز کیقباد نہیں

پسند آئے گا کیا اس کو اسوۂ شبرؑ
جہاں میں جس کو بھی اندیشۂ معاد نہیں

مئے غدیر کی تاثیر سے زمانے میں
کوئی بھی رندِ ولا خوگرِ عناد نہیں

یہ ایک امر مسلم ہے اک حقیقت ہے
درست غیر کے مسلک کا استناد نہیں

جسے ہو بغض، خدا واسطے کا شبرؑ سے
وہ نامراد ہے دنیا میں بامراد نہیں

جو بھول بیٹھے ہیں اب دولتِ خدیجہؑ کو
حسنؑ کا خوان کرم بھی انھیں کو یاد نہیں

رموزِ مدح ہیں ممدوح کی عطا حامیؔ
رموزِ مدح میں شاعر کا اجتہاد نہیں

❀❀❀

قطعات

جناب معجز سنبھلی

ہر مسلماں کے لئے روزہ کا رکھنا فرض ہے
اس ادائے فرض کی تعلیم دیں تادیب دیں
آپ کے روزہ کا ہونا چاہیے یہ ماحصل
خود بھی روزے سے رہیں اوروں کو بھی ترغیب دیں

ہائے اس دور کے بد بخت جوانو تم نے
روزہ کمزور بناتا ہے یہ کہکر چھوڑا
روزہ کمزور نہیں کرتا علی سے پوچھو
عمر بھر روزے رکھے اور درِ خیبر توڑا

خدا کا مصطفیٰؐ کا مرتضیٰ کا پیار ہے روزہ
حقیقت میں مسلمانوں کا ہم کردار ہے روزہ
مزا روزہ میں کیا آتا ہے روزہ دار سے پوچھو
تحمل کا سکوں کا صبر کا اظہار ہے روزہ
فنا ہوتے ہیں روزہ دار کے امراض روحانی
یقیں جانو دوائے ہر دلِ بیمار ہے روزہ
یہ لے آتا ہے اک صف میں امیروں اور غریبوں کو
کہ اسلامی اخوت کا علمبردار ہے روزہ

❁❁❁

منقبت جناب خدیجہؑ

جناب وقارؔ نگری (چنئی)

قوتِ قلبِ نبیؐ ، نازِ مشیت کہیے
ہمدم و مونس سرکار رسالت کہیے

کام آتی رہی اسلام محمدؐ کی جو
جائے انصاف ہے کس کی تھی وہ دولت کہیے

جائزہ پیکر اسلام کا دل سے لیکر
دین زندہ ہے خدیجہؑ کی بدولت کہیے

جس کی دختر کا لقب طاہرہ، صدیقہ ہے
آپ اُسے مرکز آئین طہارت کہیے

مادر فاطمہ زہراؑ ہیں خدیجہؑ انکو
حق ادا ہوگا اگر مادر عصمت کہیے

مال وہ مالِ خدیجہؑ کہ قسم کعبہ کی
دین خالق کی جسے پہلی ضرورت کہیے

فاطمہؑ گیارہ اماموں کی تو ماں ہیں لیکن
کس کی دختر سے چلی نسل امامت کہیے

حق تو یہ ہے کہ خدیجہؑ کو ابوطالبؑ کو
محور قوتِ اعلان نبوت کہیے

یاد آتی رہی تازیست نبیؐ کو جس کی
اُس کو آقا کی دلراز کی قوت کہیے

واسطہ دیکے خدیجہؑ کا درِ احمدؐ پر
پوری ہو جائے گی جو کچھ بھی ہے حاجت کہیے

یہ مودت کا تقاضہ ہے خدیجہؑ کا وقارؔ
صدف عصمتِ آغوش طہارت کہیے

❁❁❁

مدح ابوطالبؑ

جناب ممتاز میرٹھی

ہم سے پوچھو ہم بتائیں کیا ابوطالبؑ کا ہے
دین کی تعمیر میں حصہ ابوطالبؑ کا ہے

مصطفیٰؐ کے عقد میں خطبہ ابوطالبؑ کا ہے
دین سے کتنا بڑا رشتہ ابوطالبؑ کا ہے

حافظو! قرآن رٹتے ہو سمجھتے کیوں نہیں؟
سورۂ عمران میں چرچا ابوطالبؑ کا ہے

دین کے احکام میں رخنہ نہ پھیلائے کوئی
مفتیوں سے بس یہی جھگڑا ابوطالبؑ کا ہے

نقطۂ باء نے سمیٹا ہے کلام پاک کو
باء بتول پاک ہے، نقطہ ابوطالبؑ کا ہے

کون سے لہجے میں خالق کر رہا ہے گفتگو
لہجۂ حیدرؑ ہے یا لہجہ ابوطالبؑ کا ہے

لشکرِ شبیرؑ میں حر آگیا یہ سوچکر
مالک خلد بریں پوتا ابوطالبؑ کا ہے

بدر ہو خیبر ہو خندق ہو کہ ہو کرب و بلا
جنگ ہے اسلام کی کنبہ ابوطالبؑ کا ہے

صلح ہو شبرؑ کی یا پھر جنگ ہو شبیرؑ کی
مصلحت کو دیکھکر حربہ ابوطالبؑ کا ہے

قاسمؑ و عباسؑ ہو یا اکبرؑ و سجادؑ ہوں
نام ہے بدلے ہوئے چہرہ ابوطالبؑ کا ہے

ایک قطرہ میں سمندر لیکے آئے ہیں حسینؑ
اصغر بے شیر میں جذبہ ابوطالبؑ کا ہے

نہر کی موجیں بھی کرتی ہیں جسے جھک کر سلام
وہ علیؑ کا شیر ہے پوتا ابوطالبؑ کا ہے

مجلس شبیرؑ میں ممتاز سب آئے تو ہیں
درحقیقت یہ بھی اک صدقہ ابوطالبؑ کا ہے

❁❁❁

مدح مولائے کائناتؑ

حجۃ الاسلام مولانا سید عباس باقری نگری، صدر الصراط فاؤنڈیشن

قرطاس پہ جو میرا قلم بول رہا ہے — الفاظ نہیں لعل و گہر رول رہا ہے
اب شوق ولا، دل کی گرہ کھول رہا ہے — پھر نغمۂ حق کانوں میں رس گھول رہا ہے
میثم کی اجازت سے میرا فطرس افکار — پھر مدح علیؑ کے لئے پَر تول رہا ہے
ذرّہ کو بنا دیتے ہیں جو مہر منور — چوکھٹ پہ انہی کے مرا کشکول رہا ہے
کس وجہ ہے سرشار مئے عشق علیؑ سے — میثم ہے سرِ دار مگر ڈول رہا ہے
مداحِ حیدرؑ میں ہے یہ بات انوکھی — خاموش مسلماں ہے صنم بول رہا ہے
وہ آلِ محمدؐ کے قریب آ نہیں سکتا — جس شخص کے دامن میں سدا جھول رہا ہے
اشکِ غمِ شبیرؑ کا ممکن نہیں سودا — گوہر یہ ہر اک دور میں انمول رہا ہے
اے باقریؔ لکھتا ہے تو جو مدح میں اشعار — فردوس میں در اپنے لئے کھول رہا ہے

نوحہ شب ضربت

آنسو رواں ہیں غم میں امام ہدیٰ کے آج
ضربت لگی ہے سر پہ شہ لافتیٰ کے آج

افطار صوم کرنے کو مہمان تھے علیؑ
کلثوم بنت حضرت خیر النساء کے آج

دو گردہ ہائے نان تھے اور تھوڑا سا نمک
سامان بس یہی تھے علیؑ کی غذا کے آج

یہ شب عجیب کرب میں حیدر نے کی بسر
لرزہ میں جوڑبند تھے شیر خدا کے آج

ٹہلے کبھی نماز میں مشغول ہو گئے
آرام کچھ لیا نہیں بستر پہ جاکے آج

جب ثلث رات رہ گئی گھر سے چلے علیؑ
نقشے تھے انقلاب میں ارض و سما کے آج

مرغابیوں نے دیکھا جو جاتے امامؑ کو
کرنے لگیں وہ آہ و فغاں پاس آکے آج

مسجد میں آکے محو عبادت ہوئے امامؑ
انداز تھے عجیب نماز و دعا کے آج

آثار جب سحر کے ہوئے شہ نے دی اذاں
نغمے تھے آخری یہ علیؑ کی صدا کے آج

بعد اذاں شروع ہوئی صبح کی نماز
تھے مقتدی سب آخری اس مقتدا کے آج

سجدہ سے جونہی رکعت دوم کے سر اٹھا
موقع ملا نہ بیٹھنے کا سر اٹھا کے آج

تلوار فرق پر بن ملجم نے مار دی
دنیا کو منقلب کیا یہ حشر ڈھاکے آج

جبریل نے پکار کے دی چرخ سے صدا
ارکان منہدم ہوئی قصر ہدیٰ کے آج

عالم میں کیوں قیامت کبریٰ نہ ہو بپا
ضربت لگی ہے ہائے غضب مرتضیٰؑ کے آج

عالم ہوئے ہیں شیعہ یتیم اور بے امام
کیونکر کریں نہ آہ و فغاں خاک اڑا کے آج

❀❀❀

نوحہ شب بستم ماہ صیام

ہیں بیسویں تاریخ بہت کرب میں حیدرؑ اے وائے مصیبت
مہمان ہیں دنیا میں بس اک رات کے حیدر اے وائے مصیبت
پھیلا ہے اثر زہر کا سر تا بقدم آج حضرت کے بدن میں
ہیں زینبؑ و کلثومؑ بہت رنج سے مضطر اے وائے مصیبت
جراح بلایا گیا جب کرب و اذیت حد سے ہوئی زائد
دیکھا جونہی اُس نے تو وہ کہنے لگا رو کر اے وائے مصیبت
اب کوئی دوا ہے نہ اب امید شفا ہے افسوس کی جا ہے
دنیا سے بہت جلد بس اب جائینگے حیدرؑ اے وائے مصیبت
سنسان ہیں سب کوچۂ و بازار مدینہ خاک اڑتی ہے ہر سو
با آہ و فغاں سب شہ والا کے ہیں در پر اے وائے مصیبت
ہاشم کے گھرانے میں ہے اک شور قیامت فریاد و فغاں آہ
سب کہتے ہیں ہے ہے شہ دیں حیدرؑ صفدر اے وائے مصیبت
دنیا میں تلاطم ہے جہاں ہے تہ و بالا افلاک ہیں لرزاں
آثار بتاتے ہیں کہ ہے شورشِ محشر اے وائے مصیبت
ہیں سینہ زناں زینبؑ و کلثومؑ بصد غم گھر بھر میں ہے ماتم
حسنین کے رومال بھی ہیں آنسوؤں سے تر اے وائے مصیبت
عالَم شہ والا ہیں بس اک رات کے مہماں افسوس صد افسوس
برگشتہ ہے کس طرح سے شیعوں کا مقدر اے وائے مصیبت

❀❀❀

کس کی عید ہے؟

شاعرِ ملت حضرت باقر رضوی امانت خانیؒ

عید اس کی ہے کہ جس کا وردِ قرآں تھا شعار
جس نے لُوٹی اس طرح ماہِ مبارک کی بہار

جس کے ہو پیشِ نظر شہرِ خدا کا احترام
اس مہینے میں نہ ہو جس سے کوئی فعلِ حرام

ہو شروعِ صوم کا جس شخص کو علم و یقیں
فی الحقیقت جس نے روزے رکھے ہوں فاقے نہیں

عید اُس کی ہے کہ جو ہو بھوک میں بھوکوں کی آس
پیاس میں جو یاد کرتا ہو ہر اک پیاسے کی پیاس

عید اُس کی ہے سنی جس نے غریبوں کی صدا
جس نے خالق کے مہینے میں اُنہیں کچھ دے دیا

عید اُس کی ہے کہ جس کے سر پہ ہو اُس کا پدر
جس کے جذبات دلی پر ہو کسی کی تو نظر

عید اُس کی ہے نہ کیں روزے میں جس نے غیبتیں
جس کے کانوں نے نہ گانوں کی سُنی شیریں کتیں

عید اُس کی ہے کہ جس کی آنکھ نے روزہ رکھا
جس نے نامحرم کو روزے میں کبھی دیکھا نہ تھا

ہو نہ راہِ ظلم و استبداد پر جس کا گذر
ہاتھ ہو جس کا نہ اُٹھا بے خطا مظلوم پر

جس نے روزے میں نہ سونگھی ہو کوئی بوئے حرام
ان شرائط سے کیا روزوں کا جس نے اختتام

عید اُس کی ہے کہ اعضا جس کے تھے عصیاں شناس
تیس دن روزے سے تھے جس شخص کے پانچوں حواس

عید کی خوشیوں کے شایاں تو نہیں پاتا ہوں میں
اپنے ہی عصیاں سے باقرؔ خود ہی شرماتا ہوں میں

❀❀❀

جنت البقیع کی یاد

(ایک مسلم دل شکستہ کے قلم سے)

کیا جنت البقیع کو بھولیں گے اہل دل | جس کے ہر ایک ذرّہ سے فریاد ہے بلند
سُن لو ذرا جو گوش حقیقت نیوش ہو | خاموش لب سے شکوۂ بیداد ہے بلند
جس جا کبھی تھا مجمع زوّار اب وہاں | گرد و غبار خانۂ برباد ہے بلند
ارض حجاز قُبّۂ اسلام و مسلمیں | واں رایت ضلالت و الحاد ہے بلند
ہے بدعتوں کے نقش مٹانے کا ادّعا | خود ایک شور بدعت و ایجاد ہے بلند
مشرک ہیں اہل قبلہ مگر دست التجا | اغیار کی طرف پئے امداد ہے بلند
قبروں میں سونیوالوں کا کیا تھا بھلا قصور | جن کی لحد پہ تیشۂ بیداد ہے بلند
وہ چار امام خلق، وہ اولاد فاطمہؑ | جن کا محل عزّ خداداد ہے بلند
کس طرح چین آئے دل اہل درد کو | فریاد قبر سید سجادؑ ہے بلند
غم کی ہے آگ جس کا ہر اک شعلہ قلب میں | یکسر بسان کورۂ حداد ہے بلند
اسلام والو کب تلک آخر یہ بے حسی | اب تو رسولِ پاک کی فریاد ہے بلند
کیا ہو گیا وہ جوش عمل جس سے اب تلک | آوازۂ شجاعت اجداد ہے بلند
کب تک رہو گے خواب تغافل میں بے خبر | دیکھو تو سر پہ خنجر جلاد ہے بلند

❀❀❀

جشن بحرین کی آزادی کا برپا ہوگا

حجۃ الاسلام مولانا سید ندیم اصغر

نشہِ تخت میں مخمور ہیں خود سر ہر سو
پھر نظر آتے ہیں دنیا میں ستمگر ہر سو
راہ زن جو تھے وہ بن بیٹھے ہیں رہبر ہر سو
ھے نیتوں پہ چڑھائی کئے لشکر ہر سو
آج پھر ظلم کا دریا ہے رواں چار طرف
لب پہ انسانوں کے ہے آہ و فغاں چار طرف

پھر ہیں ظالم کے نشانے پہ محبان علیؑ
آل سفیان ہمیں پھر سے مٹانے پہ تلی
پھر علیؑ والوں کی گردن پہ ہے ظالم کی چھری
جنگ پھر سے حق و باطل کی زمانے میں چھڑی
حق بیانی سے علیؑ والے کہاں رکتے ہیں
جو حسینی ہیں کفن باندھ کے پھر نکلے ہیں

اے سعودی کی حکومت پہ اچھلنے والے
اے یہودی کے اشارے پہ مچلنے والے
ارے او تخمۂ ناپاک پہ پلنے والے
بغض میں حیدر کرارؑ کے مرنے والے
فتوئے قتل علیؑ والوں کی خاطر تیرا
سب پہ شجرہ ہوا اس طرح سے ظاہر تیرا

حال بحرین کا لکھوں تو قلم روتا ہے
حق پرستوں پہ کچھ اس طرح ستم ہوتا ہے
کوئی بیٹے کو تو بھائی کو کوئی کھوتا ہے
قبر میں کوئی تو مقتل میں کوئی سوتا ہے
حکمراں دین کے دستور سے جاہل نکلا
جسکو سمجھے تھے محافظ وہی قاتل نکلا

کربلا اپنی نگاہوں میں بسا کر نکلے
پرچم حضرت عباسؑ اٹھا کر نکلے
نعرۂ حیدر کرارؑ لگا کر نکلے
نام زہراؑ کا وہ ماتھے پہ سجا کر نکلے

ظالمو سن لو انہیں موت نہیں آئے گی
موت آئی تو شہادت میں بدل جائے گی

خون شیعوں کا بہانا جو سمجھتے ہیں ثواب اتحاد ایسے مسلمانوں سے کو نگے کا ہے خواب
ہاں فقط غیب کے ساکن کو پلٹنے دو نقاب لیگا قاتل سے ہراک خون کے قطرے کا حساب

چاہے وہ آل خلیفہ کی ہو یا آل سعود
وہ جب آئے گا تو مٹ جائے گا ظالم کا وجود

کیسے مسلم ہیں مسلماں پہ ستم کرتے ہیں کفر کہتا ہے تو ایماں پہ ستم کرتے ہیں
جانور ہیں کہ یہ انساں پہ ستم کرتے ہیں رہ کے مکے میں یہ یزداں پہ ستم کرتے ہیں

انکو قرآن و شریعت سے کوئی یار نہیں
نام کے صرف مسلماں ہیں یہ دیندار نہیں

ظلم مظلوموں پہ اس طرح سے ڈھانے والے گولیاں آکے نہتھوں پہ چلانے والے
بے سبب گھر کسی انساں کا جلانے والے ارے بیواؤں یتیموں کو رلانے والے

یہ جلے گھر ترا زندان بھی بن سکتے ہیں
اشک بیواؤں کے طوفان بھی بن سکتے ہیں

اے شہیدان رہ صدق و صفا زندہ باد روک پائی نہ تمہیں جور و جفا زندہ باد
تم نے طے کر لی رہ صبر و رضا زندہ باد یاد رکھے گی تمہیں قوم سدا زندہ باد

خوں تمہیں لوگوں کا آزاد کرے گا بحرین
تم نے چھینا ہے ہراک دشمن اسلام کا چین

خون کا رنگ نہ مظلوموں کے پھیکا ہوگا ظلم بس جلد ہی اس شہر میں رسوا ہوگا
جشن بحرین کی آزادی کا برپا ہوگا شب ظلمت کا بہت جلد سویرا ہوگا

مسکراتی ہوئی مظلوموں کی صورت ہوگی
ظلم کی پھر سربازار اہانت ہوگی

❀❀❀

آپ کے تاثرات

۱) جناب راحت عزمی صاحب

محترم ''ترتیب کار'' رسالہ ''الصراط'' سلمہ

ہزاروں دعائیں

رسالہ معیاری ہے۔ سارے مقالے کافی توجہ، احتیاط اور سلیقہ سے ترتیب دئے گئے ہیں۔ مقالے علمی اور فکر انگیز ہیں۔ معیار کو برقرار رکھنا اور بلند کرنا ترتیب کار کی محنت اور کوشش پر منحصر ہے۔

مضامین پڑھ کر دل سے دعائیں نکلیں۔ والسلام راحت عزمی

❁❁❁

۲) جناب سید علی حیدر رضوی صاحب (ایم اے عثمانیہ)

باسمہٖ تعالیٰ

فی زمانہ جبکہ تمام اسلامی عقائد کی عموماً اور تشیع کی خصوصاً مٹی پلید کی جارہی ہے ضروری ہوگیا ہے کہ تحفظ کی کوششیں تیز کردی جائیں اور دشمنوں کے وار کو خالی کیا جائے ورنہ امکان ہے کہ دین کے اساسی عقیدوں میں شرک و کفر کی ایسی آمیزش کردی جائیگی کہ دین اسلام بھی مثل عیسائی اور یہودی مذہب کے صحیح راہ سے ہٹ جائے۔ بیکار اور لاحاصل، افکار اسمیں در آئیں اور اسکی سادگی و عام فہمی کو گنجلک کردیں چونکہ اسلامی عقائد پر ہر سمت سے نت نئے طریقوں سے یلغار ہورہی ہے اور دشمن عصری ہتھیاروں سے لیس ہوکر حملہ آور ہورہا ہے، لہذا مدافعت کرنے والوں کے لئے بھی ضروری ہوگیا ہے کہ وہ بھی خود کو جدید اسلحہ سے لیس کریں ورنہ دشمن کے غالب آجانے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ دشمنوں کے ہتھیاروں میں سب سے خطرناک ہتھیار میں اطلاعاتی ٹیکنالوجی یا ترسیل کے عصری ذرائع ہیں جن میں ٹی۔وی، انٹرنیٹ، ریڈیو، ایس یم ایس، جرائد اور اخبارات وغیرہ ہیں۔

شومئ قسمت کہ ان سب ذرائع ابلاغ اور ترسیل کے وسیلوں پر یہود و نصاریٰ کی اجارہ داری ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔لہذا حفاظت خوداختیاری اور اپنے دفاع کے لئے لازمی ہوگیا ہے کہ مسلمان بھی اس عصری ٹیکنالوجی میں اپنے اثر وغلبہ کو بڑھائیں۔ان ہتھیاروں سے بھرپور استفادہ کریں ورنہ ہماری پسپائی یقینی ہے۔ٹیکنالوجی کی آگاہی کے ساتھ ساتھ علم میں اضافہ ضروری ہے۔ان ترسیلی ذریعوں کو کام میں لاتے ہوئے علم کی روشنی کو دور دراز خاص کر افتادہ مقامات تک پھیلانا وقت کی شدید ضرورت ہے۔حالات کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ کیونکہ کم علم اور مضافات و دور افتادہ مقامات میں ساکن مسلمان ہی اسلام دشمن طاقتوں کا اولین نشانہ ہیں۔گمراہی پھیلانے کے لئے پہلے انہیں ہی ہدف بنایا جا رہا ہے۔کم علم جاہل اور پریشان فکر رکھنے والے ہی انکے دام فریب میں جلد گرفتار ہو جاتے ہیں پھر وہ ان کے ذریعہ ہماری درمیانی صفوں میں در آتے ہیں اور انتشار پھیلاتے ہیں۔مسلمانوں میں طرح طرح کے افکار پھیلا دیتے ہیں۔انہیں راہ حق سے بھٹکا کر ایسی سمت پر گامزن کر دیتے ہیں جو سیدھے جہنم پہونچا دیتی ہے۔

ان حالات میں آپ لوگوں کا حضرت ولی عصر ارواحنا فداہ کی سرپرستی میں ادارۂ الصراط فاؤنڈیشن کا قیام ایک مستحسن اقدام ہے۔اس کوشش کی جتنی بھی ستائش کی جائے وہ کم ہے۔انشاءاللہ تعالیٰ اسکا اجر آپ لوگوں کو بارگاہ رب العزت سے کامیابی اور کامرانی کی صورت میں ملیگا۔نیکی کبھی بھی رائیگاں نہیں جاتی۔پھر ہر نیکی میں خیر و برکت ہے۔

الصراط فاؤنڈیشن کا قیام قمری کلینڈر کے مطابق ۲۰ رجمادی الثانی ۱۴۳۱ھ اور شمسی سال کے تحت ۳ رجون ۲۰۱۰ء کو عمل میں آیا۔چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں آپ لوگوں نے ایسا دیدہ زیب شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا۔شمارہ بڑا خوبصورت اور مناسب ضخامت کا حامل ہے۔سرورق بڑا دلکش ہے۔عمدہ کاغذ پر اغلاط سے عاری کتابت اور عمدہ و معلوماتی مضامین کی شمولیت لائق داد ہے۔نظم ونثر دونوں دلفریب ہیں۔میں آپکی کاوشوں کی قدر کرتے ہوئے تہہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی اس اعلیٰ معیار کو برقرار رکھا جائیگا۔ہر شمارہ وقت کی گذشت کے ساتھ ساتھ خوب سے خوب تر ہوتا جائیگا۔

دور حاضر میں مسلمانوں کو ہر نوعیت کی ادارہ سازی کی ضرورت ہے لیکن تمام میں علم و دانش اور اسکی نشر و اشاعت کے مرکزوں کے قیام کی زیادہ ضرورت ہے تا کہ صراط مستقیم واضح اور صاف نظر آجائے۔قرآن اور اقوال رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اہلبیت علیہم السلام اس راہ کی رہنمائی کے لئے مامور ہیں۔حجت العصر ارواحنا فداہ ہمارے سروں پر قائم ہے اور ہر مشکل موقع پر ہماری امداد فرماتے ہیں۔ان کی سرپرستی میں آپکے ادارہ کو علوم اہلبیت علیہم السلام کو نشر کرنے میں مدد حاصل

ہوگی۔

فقط

عاصی

سید علی حیدر رضوی

یم۔اے عثمانیہ، یم سی۔جے (مانو)

دارالشفاء جام باغ حیدرآباد

❁❁❁

۳)۔جناب ایم۔ایس۔حسین صاحب (مہتمم باب العلم لائبریری و دینی مدرسہ)

مکرمی و محترمی ترتیب کار و اراکین مجلس تحریریہ

سلام علیکم

رسالہ ''الصراط'' کا پہلا شمارا میرے پیش نظر ہے۔زائد از ۴۰ سال سے رسائل و کتب کے درمیان ہوں لیکن ایک ہی رسالے میں ساری خوبیاں پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔متاثر کن سرورق، دیدہ زیب رنگوں کا انتخاب، بے مثل کمپوزنگ و ٹائپنگ، بہترین کاغذ اور ظاہری تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ معیاری و معلوماتی مضامین پر مشتمل اس رسالے کی تعریف کے اظہار کے لئے موزوں و مناسب الفاظ کی کمی کا احساس ہو رہا ہے۔

میں اپنی اور باب العلم لائبریری کے اراکین کی جانب سے صحافت کی دنیا میں پہلا قدم رکھنے والے اس معیاری و مفید رسالے کے لئے نیک تمنائیں پیش کرتا ہوں۔

احقر العباد

ایم۔ایس حسین

خادم باب العلم

❁❁❁

۴)۔جناب میر شجاعت علی صاحب

باسمہ تعالیٰ

محترم اراکین ''الصراط فاؤنڈیشن''

سلام علیکم

قبل اس کے کہ چند باتیں قلم بند کروں یہ بندۂ ناچیز تمام اراکین الصراط کی خدمت میں رسالے ''الصراط'' کی ترتیب و تدوین اور اشاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔ قابل صد ستائش ہیں آپ حضرات جنہوں نے متحد ہو کر راہ تبلیغ کو طے کرنے کا نہ صرف ارادہ کیا بلکہ میدان عمل بھی میں قدم رکھا۔

ایسی تو کئی تنظیمیں، ادارے اور انجمنیں ہیں جن کے یہاں صرف زبانی جمع خرچ اور بلند بانگ دعوؤں کے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آتا۔ اور وہ کاغذی حقیقت سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ لیکن اراکین الصراط نے اپنی بلند ہمتی، عظیم حوصلوں اور قوی ارادوں کا ثبوت عملی انداز میں پیش کیا۔ جس کی توصیف نہ کرنا انصاف کے خلاف ہے۔ آندھرا پردیش کے حوالے سے یہ فقید المثال کارنامہ ہے۔ جس کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اگر اس راہ میں استقامت کے ساتھ کام جاری رہا تو انشاءاللہ العزیز مستقبل میں یقینی طور پر اس کے ثمر آور نتائج نظر آئیں گے۔

تاثرات

۱۔ رسالے ''الصراط'' کے مضامین کی ترتیب میں غیر جانبدارانہ انداز آزادانہ فکر کی غمازی ہے۔

۲۔ مضامین سلیس زبان میں اعتقادی، اخلاقی، علمی، معلوماتی اور تاریخی پہلوؤں پر محیط ہیں جو ضرورت اور حالات کے مطابق ہیں۔ نثر جہاں اپنے حسن افزاں انداز میں جلوہ گر ہے وہیں منظومات کی دلکش لطافت بھی کچھ کم نہیں۔

۳۔ دلکش اور دیدہ زیب سرورق، عمدہ کاغذ، نفیس طباعت اس رسالے کی خوبیوں میں اضافے کا سبب ہے۔

جس معیار کے ساتھ پہلی اشاعت عمل میں آئی ہے وہ یقیناً متاثر کن ہے۔ مختصر یہ کہ یہ رسالہ ہر لحاظ سے بہت عمدہ اور جامع ہے۔ انشاءاللہ توقع ہے کہ آئندہ بھی اس معیار کو نہ صرف برقرار رکھا جائے گا بلکہ اس میں مزید بہتری کے لئے بھی سعی جاری رہے گی۔ اللہ تعالیٰ بحق محمد و آل محمد علیہم السلام ''الصراط فاؤنڈیشن'' اور رسالے الصراط کو دوام بخشے، اشرار کے شر، حسد اور عداوت سے محفوظ رکھے۔

احقر

میر شجاعت علی

❀❀❀

مجلہ الصراط

کے متعلق آپ کے تاثرات اور مفید مشورے

نام.....عمر.....تعلیم.....

ٹیلیفون نمبر/موبائل نمبر:.....ای میل:.....

پتہ:.....

تاثرات اور مفید مشورے

.....

.....

.....

نوٹ: اپنے تاثرات کو مندرجہ ذیل پتہ پر یا ہمارے ای میل ایڈریس پر ارسال فرمائیں:

باب العلم لائبریری، H.no:22-2-517,B/40، کھیت بال شٹی، نورخاں بازار-24